تمدن عرب
سیرۃ المزمل ﷺ
جلد سوم
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد سوم (تمدن عرب)

سنہ تحریر؛ ستمبر 2008ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب و سنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛ (محدث لائبریری)https://kitabosunnat.com

ابتدائے کلام

ہر تخیل کے پس پردہ سماج کی وہ تربیت موجود ہوتی ہے جو اس کی ذہنی بلوغت میں اہم کردار ادا کرتی ہے، بد قسمتی سے ہمارے ہاں ذہنوں کی تربیت اس نہج پہ ہوتی رہی ہے جس میں اسلام کی اساسی تعلیمات تو موجود ہیں مگر علم کی طرف رغبت نہیں۔نبی ﷺ کی نعت تو بلند آواز میں پڑھی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کے مزاج تک رسائی کا داعیہ مفقود ہے اور وہ پیغام جس میں انسان کی ابدی فلاح

مضمر ھے بڑی حد تک ذھنوں سے اوجھل ھے جس کی بڑی وجہ یہ ھے کہ مذھب لوگوں کی ترجیحات میں شامل ھی نہیں۔ اس لیے وہ اس وادیٔ میں اترنا ھی نہیں چاھتا جہاں ان کو نبی ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے ھر لمحہ سے آگاھی حاصل ھو سکے۔میری یہ کوشش شاید اس ذھنی جمود میں کوئی دراڑ پیدا کر سکے جو نبی اکرم ﷺ کی اساسی تعلیمات سے دوری نے مسلمان کے دل میں پیدا کر رکھا ھے ۔ حقیقت یہ ھے کہ مسلمان کے عمل نے اسلام کے حقیقی حسن کو نظروں سے اوجھل کر دیا ھے ورنہ وہ کتاب جس نے ایک عالم میں انقلاب بپا کیا وہ اب بھی ھماری دسترس میں ھے، ھمارے گھر میں، ھماری الماری میں ھے، ھماری مسجد میں ھے، ھمارے دفتروں میں ھے ھمارے لابریریوں میں ھے ھمارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں ھے غرض کون سی جگہ ھے جہاں ھم نے اس کتاب کو نہیں رکھا۔ ھم نے ھر جگہ اس کو رکھا ھوا ھے اس کی نمائش کی جا رھی ھے، اس پہ عمدہ غلاف ڈالے جا رھے ھیں مگر صد افسوس کہ جہاں ھم نے اس کتاب کو رکھنا تھا وہ جگہ تو اس کتاب سے خالی ھے اور وہ جگہ ھمارے دل ھیں جہاں اس کتاب کو ھونا چاھیے تھا۔تو جب ھمارے دل اُس کتاب سے خالی ھیں تو پھر ھم اندھیروں کی شکایت کیوں کرتے ھیں، دکھوں کی شکایت کیوں کرتے

ہیں، مصیبتوں پریشانیوں کا رونا کیوں روتے ہیں، مغرب کی بالا دستی پہ کیوں تلملاتے ہیں یہ کتاب ایک قانون ہے مسلمان کی زندگی کا مگر ہمارے ایوان میں اس کی صرف تلاوت کی جاتی ہے اور اس کو تبرک کے طور پہ لیا جاتا ہے اس کتاب میں جو احکامات دئیے گئے ہیں اُن کو ہم یکسر بھول چکے ہیں تو جب ہم اپنی کتاب کو بھول چکے ہیں تب ہمیں نہ نعت پڑھنے کا حق حاصل ہے نہ عشق رسول کا دعوی ہمارے ہونٹوں پہ سجتا ہے۔ ذرا سوچئیے تو؟؟؟

حقیر
افتخار احمد افتخار

حسن ترتیب

ابتدائے کلام	3
حسن ترتیب	6
العرب	13
عرب اور اعراب	16
عرب اور عہد جاہلیت	22
عہد جاہلیت اعمال وافعال	31
عربوں کے مسکن	52
تاریخ کی راکھ تلے	58
بدوی عرب و حضروی عرب	67
عربوں کے توہمات	94
بلیہ کی رسم	96
ھامۃ	103

تعشیر	107
رتم	109
مقلاۃ	112
غراب البین	114
توہمات، تذکرہ مزید	116
رسم و رواج	125
قسامت	128
حمس	133
نسئی	138
نوحہ گری	145
معاقرت	150
چراگاہوں پہ قبضہ	152
بحیرہ اور صائبہ	158
قبروں سے آتی صدائیں	162

قمار بازی	177
شادی بیاہ کی رسمیں	191
عہد جاہلیت میں طلاق	206
رسم ورواج، مزید تذکرہ	213
فرع اور عتیرہ	214
بیٹے کی قربانی	216
تیروں سے قرعہ اندازی	224
پیشانی کے بال کاٹنا	232
طریقہ زباں بندی	237
سینے کو خون سے رنگنا	240
تعقیہ	242
بادشاہوں کی دیت	246
حلت الالخمر	250
عربوں کا طریقہ جنگ	255

عہد جاہلیت کی جنگیں	265
عربوں کے میلے اور بازار	275
عربوں کے دیگر اجتماعات	291
عربوں کے تہوار	304
تذکرہ آبائے العرب	310
جزیرۃ العرب کی خصوصیات	323
جزیرۃ العرب کے شہر	330
مکہ	332
طائف	356
خیبر	358
یمامہ	361
بحرین	363
صنعاء	364
زبید	366

عدن	367
نجران	368
ظفار	369
مآرب	370
تدمور	373
تیماء	376
مدین	378
دومۃ الجندل	380
حجر	382
حیرہ	384
جزیرۃ العرب، مزید تذکرہ	385
قلعے، عمارتیں، محلات	395
صنعت وحرفت	399
عربوں کا ذریعہ معاش	406

عربوں کے آلاتِ حرب	414
اشاریہ	426
ماخذ و مصادر و مراجع	455
اختتام	496

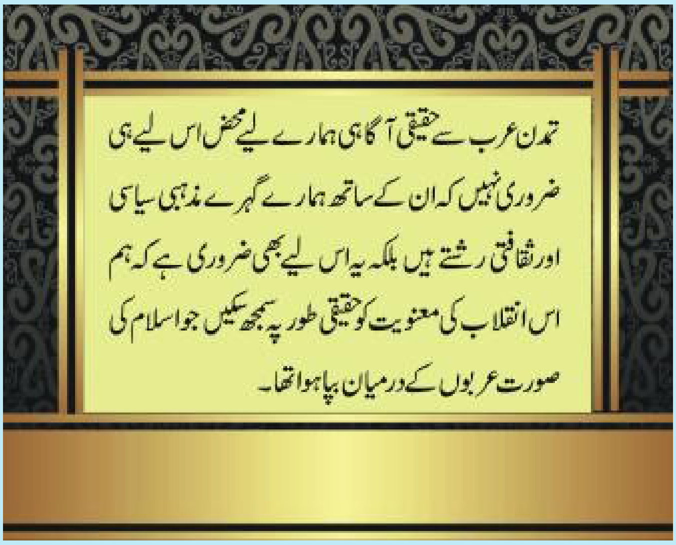

عرب سلگتے صحراؤں اور مہکتے نخلستانوں کی سرزمین ہے جہاں اونٹوں کے لمبے لمبے قافلے اپنی منزل کی آس میں مگن یوں قدم اٹھاتے جیسے یہ صحرا ان کی اقلیم ہو۔ قافلے کے ساربان کا وقار بھی کسی عجمی بادشاہ سے کیا کم ہوگا۔ صحرائے عرب کی وسعتیں اپنے اندر حسن کے نجانے کتنے جہان سمیٹے ہوئے ہیں۔ صحرا کی زندہ راتیں اپنے مکینوں کی دلنوازی کے عجب انداز اپنائے ہوئے تھیں۔ تب چاند راتوں میں صحرا کسی اور زمین کا خطہ معلوم ہوتا اور اس کی خنکی دن کو چلنے والی گرم لو کی ساری کوفت بھول جانے پہ مجبور کر دیتی جہاں عربوں کی بزم آرائیوں نے اس ادب کو جنم دیا جس کی مثل دنیا آج تک پیش نہ کر سکی۔ عرب شعرا نے اپنے کلام کو فصاحت و بلاغت کے اس عروج تک پہنچایا کہ دنیا آج تک ششدر ہے کہ ایک ان پڑھ قوم جس کو نہ لکھنا

آتا تھا نہ پڑھنا اس نے زبان وادب کے وہ اسلوب کیوں کر وضع کیے جس کی بنیاد پر لسانیات ادبیات اور شعروشاعری کے وہ جہاں وجود میں آئے جنہوں نے معرکہ عقل وجنوں کو اس طرح عکس بند کیا کہ عربوں نے بجا طور پہ اپنے سوا ہر انسان کو عجمی یعنی گونگا کہا۔ اہل عرب نے دو چیزوں میں خوب ترقی کی، ایک شعر گوئی جس کے لیے وسیع فرصتیں اور صحرا کی بزم آرائیاں تھیں جن میں اہل عرب آگ کا آلاؤ روشن کیے راتوں کو مگن اور بیکار پڑے رہتے۔ دوسرا صحرا کی زندگی سخت جفاکشی کی متقاضی تھی اس لیے حفاظت خود اختیاری کی مسلسل مشق اور صعوبت کشی کی عادت نے ان کو جنگ و پیکار اور بات بات پہ معرکہ آرائی اور زور آزمائی کا شوقین بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپس میں معرکہ آرائیوں کے اس جنوں نے ان کو خودستائی اور باہمی تفاخر کی جانب بھی مائل کر دیا تھا جس کے بطن سے ادب کی ایک نئی جہت نے جنم لیا جس کو قصیدہ کہا جاتا ہے جس کی بنیاد اپنے قبیلے کے بہادروں کی مدح سرائی پہ رکھی تھی۔

اہل عرب کی قوت حافظہ غیر معمولی تھی کئی کئی سو اشعار کے قصیدے محض ایک دفعہ سن کر نہایت صحت کے ساتھ اسے دوبارہ سنا دینا معمول کی بات تھی۔ فخر وتعلّی کے اظہار کے لیے بہادری اور سخاوت دو عمدہ عنوان تھے۔ چنانچہ دو عرب سردار ایک دوسرے کے سامنے بیٹھتے اور محض اپنے قبیلے کے نام کی بڑائی کی خاطر اونٹ ذبح کرنا شروع کر دیتے حتیٰ کہ سینکڑوں اونٹ ذبح کر دیئے جاتے۔ بے کاری اور شاعری نے اہل عرب کو عشق بازی اور ان کے امراء کو شراب نوشی کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ جبکہ بہادری اور سخاوت نے ان کو اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور قول وقرار کا پکا بنا کر مستحق تکریم بنا دیا تھا۔ جوا تیز اندازی، مشاعرے، مفاخرت اور مسابقت وغیرہ ان کے دل بہلانے کے مشاغل تھے۔ ہم یہاں اہل عرب کے تمدن پہ سیر حاصل مباحث تحریر کرنا چاہتے ہیں جن میں اُن کے رسم ورواج توہمات، خطہ عرب کے جغرافیہ اور آب وہوا سمیت ملک عرب کی دیگر جہتوں کا مطالعہ کریں گے کہ ملک عرب جو اسلام کی ابتدائی جلوہ گاہ ہے اور یہیں سے حقیقت کی روشنی دنیا میں تقسیم کی گئی، یہیں بیت اللہ ہے جو زمین پہ اللہ کا پہلا گھر ہے اور یہیں کہیں وہ گلیاں وہ دیواریں وہ دروازے وہ راہگذاریں ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پہنچے اور اسی خاک پا کی محبت ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ہے اسی لیے کل جہاں مسلمانوں کے قافلے حرم پاک کی محبت میں اترتے تھے وہاں آج بھی ہر ایک منٹ بعد ایک ہوائی جہاز جدہ ائیر پورٹ کے حج ٹرمینل پر اترتا ہے جن سے سفید احراموں میں ملبوس حاجی اترتے ہیں جن کی زبانوں پر لبیک اللہ

همه لبیک کا ورد ہوتا ہے تو دل میں جدائی کی وہ کسک ہوتی ہے جو وصل سے پہلے آنسوؤں کی صورت اُن کی آنکھوں سے امڈتی ہے۔

عرب اور اعراب

متقدمین کے ہاں اس امر پہ مباحث موجود ہیں کہ عرب اور اعراب لوگوں کے دو مختلف گروہ ہیں یا یہ ایک ہی گروہ کا نام ہے۔ ہمارا رجحان اس گروہ کی طرف ہے جس کے خیال میں عرب اور اعراب کی عادت و خصائل میں بین فرق پایا جاتا ہے اور یہ کہ شہری عربوں کے مقابل بدوی عرب کفر سے زیادہ قریب اور حق سے انکار میں شدت اختیار کرنے والے ہیں۔ بعض اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور اِن کے معنی ایک ہی ہیں جیسا کہ علامہ جوہری[*1] نے کتاب "**الصحاح**" میں لکھا ہے: اُن کے خیال میں عرب قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو شہروں میں رہتے ہوں اس سے اسم نسبت "**عَرَبّیٌ**" بنے گا اور اَعْرَاب کا اسم نسبت اَعْرابّی ہے مگر عرف عام میں لفظ عرب کا اطلاق ہر اس شخص پہ ہوگا جو نسب سکونت اور زبان کے حوالے سے عربی ہوگا "**قاموس**" [*2] اور لغت کی دیگر معتبر کتابوں میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ ابوالعباس بن احمد[*3] نے اپنی مشہور کتاب "**نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب**" میں لکھا ہے کہ شہر کے رہنے والے عربوں کے لیے لفظ عرب کا استعمال کیا جاتا تھا مگر دور صحرا میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے والے عربوں کے لیے اعراب کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اگرچہ لفظ عرب کا استعمال عام ہے اسی طرح عربوں کے علوم کے ایک اور ماہر جن کو تاریخ میں امام ابن تیمیہ[*4] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اپنی کتاب "**الاقتضاءُ**" میں فرماتے کہ جس طرح ترکستان کے بدوی لوگوں کو تاتاری کہا جاتا ہے، روم کے بادیہ نشینوں کو آرمن کہا جاتا ہے، ایران کے بادیہ نشین کو کرد کہا جاتا ہے اسی طرح عرب کے بادیہ نشین کو اعراب کہا جاتا ہے اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں

اس لیے کہ ظاہر ہے کہ ہر قوم میں شہری بھی ہوتے ہیں اور بدوی یعنی صحرا نشین بھی اور لفظ اعراب خاص طور پہ عرب کے بادیہ نشینوں کے لیے مخصوص ہے۔امام ابن تیمیہؒ نے مزید لکھا ہے کہ دراصل تو لفظ اعراب کے معنی یہی ہیں اگر چہ لوگ اس میں ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔خاص طور پہ اہل تفسیر نے اس لفظ پہ کئی مباحث کو جگہ دی ہے۔اُن کے مطابق الاعراب لفظ عرب کے حوالے سے جمع کے صیغہ کے طور پہ استعمال ہوگا۔امام سیبویہ [5*] سے مروی ہے کہ یہ لفظ جس کو ہم اعراب بولتے ہیں یہ لفظ عرب کی جمع نہیں ہے اس لیے کہ لفظ عرب تو بذاتِ خود واحد اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے۔امام سیبویہؒ کے مطابق الاعرب العرب کی جمع نہیں ہے تا کہ اس سے جمع کا بمقابلہ واحد کے زیادہ خاص ہونا لازم نہ آئے کیونکہ عرب تو مطلق طور پہ اِس مشہور و معروف قوم کا نام ہے جو جزیرۃ العرب میں آباد تھی اور جس کے آباء حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔رہے اعراب تو وہ یقیناً صحرا کے رہنے والے لوگ ہی ہیں اس لیے اعراب کا اسم نسبت اسی لفظ سے اعرابی آتا ہے۔مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عرب سے مراد شہروں اور بستیوں کے رہنے والے لوگ ہیں اور اِن میں سے جو لوگ بادیہ نشین یا اِن کے موالی ہیں انھیں اعراب کہا جائے گا۔چنانچہ اِس قول کے مطابق عرب اور اعراب دو مختلف انسانی گروہوں کے نام ہیں اور اِن دونوں میں جمع اور واحد کا امتیاز ”یــا“ کے ساتھ ہوتا ہے۔لہٰذا اس صورت میں واحد کے لیے عربی اور اعرابی کہیں گے جب کہ جمع کے لیے عرب اور اعراب کہا جائے گا۔اسی طرح اعاریب کا لفظ بھی جمع کا لفظ ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم مجوسی اور یہودی واحد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور انھی کی جمع کے لیے یا کو گرا دیتے ہیں اور وہ المجوس اور الیہود بن جاتے ہیں۔بلغا کا استعمال مفسرین کے قول کے عین مطابق ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مدینے کے منافقین کا حال بیان کرنے کے بعد دیگر منافقین عرب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ التوبہ ۹ ؛ آیت ۹۰)

ترجمہ ؛

”اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تا کہ اِن کو گھروں میں ہی رہنے کی اجازت

مل جائے، اور (اِن دیہاتیوں میں سے) جنھوں نے خدا سے اور اس کے رسول ﷺ سے (دعویٰ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا اور وہ بالکل ہی بیٹھ رہے اور اِن میں سے جو (آخر تک) کافر رہیں گے اُن کے لیے اللہ کے ہاں دردناک عذاب ہے"۔

×××××××

اسی طرح قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ O

القرآن الحکیم (سورۃ التوبہ ۹ ؛ آیت ۱۰۱)

ترجمہ ؛

"جو بدوی تمھارے آس پاس ہیں اِن میں سے بعض لوگ منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے بھی کچھ لوگ اسی قسم کے ہیں اور یہ سب کے سب منافقت کے عادی ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ انھیں نہیں جانتے مگر ا ہم انھیں جانتے ہیں، ہم انھیں دُگنا عذاب دیں گے اور پھر انھیں عذابِ عظیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا"۔

×××××××

عرب کے بدویوں کے بارے میں سورۃ توبہ ہی میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

ا الْوَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَماً وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ Oوَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلا إِنَّهَا قُرْبَةٌ

لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ التوبہ ۹ ؛ آیت ۹۹-۹۸)

ترجمہ ؛

''اور یہ بدوی بہت شدید قسم کے کافر اور منافق ہیں اور اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ انھیں اُن احکام کی حدود معلوم نہ ہوں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارے ہیں۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور کچھ بدوی ایسے ہیں جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اسے تاوان سمجھتے ہیں اور اِس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ تم پر ہر مصیبت نازل ہو۔ اور انھی پر بری مصیبت نازل ہوگی اور اللہ سمیع و علیم ہے اور کچھ بدوی ایسے بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو مال خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے قرب اور رسول اللہ ﷺ کی دعائے خیر کا سبب سمجھتے ہیں ہاں یقیناً یہ اِن کے لیے اللہ کے قرب کا سبب ہے اللہ تعالیٰ انھیں عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اس لیے کہ اللہ غفور و رحیم ہے''۔

××××××

چنانچہ بعض دیگر مورخین نے بھی عرب اور اعراب کے معاملے میں اپنی رائے پیش کی ہے۔ اِن سب کا تذکرہ تو یہاں طوالت کا باعث ہوگا اس لیے ہم محض علامہ ابن خلدون کی رائے درج کرنے پہ اکتفاء کریں گے اس لیے کہ اِن کی رائے صائب اور عمدہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ عرب اور اعراب دراصل عربوں ہی کی ایک قسم ہے اور اِن دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون [6*] نے عربوں کی اقوام اُن کی اولیت اور طبقات کے اختلاف پہ بحث کرتے ہوئے اپنی ایک مشہور کتاب ''**کتاب العِبَر**'' میں لکھا ہے:

''یاد رکھیں کہ عربوں میں سے بعض لوگ خانہ بدوش ہیں اور آب و گیاہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں ۔ اِن کی رہائش کے لیے اِن کے خیمے ہوتے ہیں، سواری کے لیے گھوڑے اور کسب معاش کے لیے چوپائے۔ وہ چوپائیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اِن کے دودھ سے

خوراک حاصل کرتے ہیں۔اُن کے بالوں اور پشم سے سردی سے بچاؤ کا اہتمام کرتے ہیں اور گھر کا سامان بناتے ہیں۔انھی کی پیٹھ پر یہ اپنا بوجھ لاد کر یہاں اور وہاں اترتے چلے جاتے ہیں۔وہ بالعموم شکار کے ذریعے روزی حاصل کرتے ہیں۔وہ ہمیشہ اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔کبھی شدتِ سرما سے بھاگ رہے ہیں تو کبھی شدتِ گرما سے۔کبھی اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے چراگاہ تلاش کر رہے ہیں اور کبھی اپنے اونٹوں کے مفاد کی خاطر رواں ہیں جو اِن کی روزی ہیں جو اِن کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔انھیں سردی سے بچاتے ہیں اور دیگر کئی فوائد کے بھی کفیل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اقلیم ثالث کی سکونت اِن کے لیے مخصوص ہے۔جو مغرب میں بحرِ محیط سے لے کر یمن کی آخری حد تک اور مشرق میں ہندوستان کی حد تک پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ یمن، حجاز، نجد اور تہامہ اور اِن کے علاوہ دیگر ایسے ممالک میں بھی آباد ہو گئے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پانچویں صدی میں یہاں داخل ہوئے تھے۔مثلاً مصر صحرائے برقہ اور اِس کے ٹیلے قسطنطنیہ ،افریقہ، زاغا، مغرب بعید اور سوس۔اس لیے کہ اِن علاقوں میں خاص طور پر ریگستان اور ایسے چٹیل میدان پائے جاتے ہیں جن کے گرد ہرے بھرے کھیت اور ٹیلے واقع ہیں۔یہ ٹیلے اور شاداب علاقے جہاں دیگر اقوام بھی آباد ہیں۔موسم بہار اور زمین کے بارونق زمانے میں یوں ہوتے ہیں کہ وہاں کے اقطاع چراگاہیں بن جاتے ہیں جن کے اطراف میں موسم گرما تک ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل ہونے کا سلسلہ جاری رہتا ہے تاکہ وہاں کے غلے سے سال بھر کے لیے خوراک حاصل کی جاسکے۔بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ یہاں کی آبادی کو خانہ بدوشوں کی آمدورفت کے زمانے میں اِن کی طرف سے بہت تکلیف پہنچتی۔جس کی وجہ یہ ہوتی کہ یہ قافلے فساد برپا کرتے کبھی ہرے بھرے کھیتوں کو چر جاتے اور کبھی اِن کھیتیوں کو خواہ وہ کھڑے ہوں خواہ کٹے ہوں لوٹ لیتے۔ماسوا اِن کھیتوں کے جن کی حفاظت حکومت کرتی یا جن علاقوں میں شاہی اقتدار کی وجہ سے حفاظتی دستے بچاؤ کرتے ۔پھر یہ لوگ موسم خزاں میں چٹیل میدانوں میں اتر آتے تاکہ اِن کے جانور وہاں کے درختوں کو چر سکیں اور اِن کے اونٹ ریتلی زمینوں میں بچے پیدا کر سکیں اور اس امر میں اِن کی کئی اور مصلحتیں بھی مضمر ہوتیں اور یہ مع اہل وعیال سردی کی اذیت سے بھاگ کر

جانوروں کی گرمائش کی پناہ میں آجاتے۔ بہرحال ہرسال اقلیم ثالث اور چہارم کے درمیان صحرا اور شاداب سرزمین کے درمیان اِن کی آمد ورفت جاری رہتی۔ موسم کے ردوبدل کے ساتھ ساتھ یہ کبھی اوپر چلے جاتے اور کبھی نیچے اتر آتے۔ اِن کی امتیازی علامت یہ ہوتی کہ یہ بالعموم سلے ہوئے کپڑے پہنتے۔ اِن کے سروں پہ پگڑیاں تاج کی طرح ہوتیں جن کی ایک طرف شملہ چھوڑ رکھا ہوتا۔ اِن میں سے بعض شملے کے ایک حصے سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیتے تاکہ غارت ڈالتے وقت وہ پہنچانے نہ جاسکیں اور یہ مشرق کے عربوں کا عام طریقہ تھا۔ کچھ لوگ پگڑی کو باندھنے سے پہلے اس کے کچھ حصے سے گردن اور اِس کی رگوں کو لپیٹ لیتے پھر جو کپڑا ٹھوڑی کے نیچے بچا رہتا اس سے منڈاسا باندھ لیتے اور یہ مغرب کے عربوں کا عام طریقہ تھا۔ یہ لوگ بربر قوم کے اِن زنانہ لوگوں کی نقل اتارتے ہیں جو اِن سے پہلے اِن علاقوں میں آباد تھے۔ اسی طرح انھوں نے اپنے ہتھیار باندھنے کے اسلوب کو بھی تبدیل کرلیا اس لیے کہ بربر اپنے ہتھیاروں کو اپنے کندھوں پہ ڈالا کرتے تھے۔ چنانچہ عربوں نے اِن کی پیروی میں خطی نیزوں کو رکاب اور ران کے درمیان رکھنا سیکھ لیا پھر انھوں نے اپنی کمانوں کو بھی کندھوں پہ رکھنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ پہلے اِن لوگوں کا طریقہ کار یہی تھا اور اِس زمانے کے مشرقی عربوں میں بھی یہی طریقے رائج تھے اور اِس ضمن میں جتنا ہم نے مناسب جانا لکھ دیا اور اللہ ہی کے حکم سے لکھا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر تو کائنات میں ایک پتہ تک نہیں ہل سکتا۔

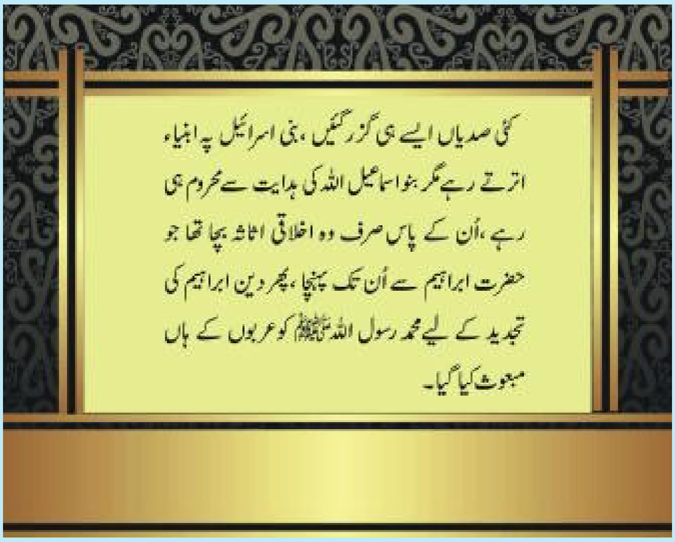

علماء اور مورخین نے لفظ عہدِ جاہلیت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ عہدِ جاہلیت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں جاہلوں کی کثرت ہو اور یہ طلوع اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے۔ کچھ مورخین نے لکھا کہ زمانہ " فَتْرَت" یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان تھا کو جاہلیت کا زمانہ کہا جائے گا۔ کبھی اِس کا اطلاق مطلق زمانہ کفر پر بھی ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ فتح مکہ سے پہلے کا زمانہ ہے اور کہیں عہدِ جاہلیت اس دور کو کہا گیا جو زمانہ ولادتِ نبوی اور بعثت نبوی ﷺ کے درمیان تھا۔ چنانچہ ابن خالویہ [7*] سے مروی ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے جو اسلام آ جانے کے بعد معرض وجود میں آیا اور اس سے بعثت نبوی سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے [8*] صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جاہلیت سے بالعموم یہی مراد لی جاتی ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی انھی معنی کی حامل ہے۔

يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ O

القرآن الحکیم (آل عمران ۳ ؛ آیت ۱۵۴)

ترجمہ؛

''یہ لوگ عہدِ جاہلیت کے خیالات کی طرح اللہ کے متعلق غلط قسم کے خیالات رکھتے ہیں''۔

××××××××

امام نووی ؒ نے شرح مسلم میں کئی جگہ پہ حتمی طور پہ لکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی عہد جاہلیت کا لفظ آئے گا اس سے مراد قبل از اسلام کا زمانہ ہی لیا جائے گا کیونکہ لفظ جاہلیت کا اطلاق اسی زمانے پر ہوتا ہے ۔جب وہ لوگ اللہ کی واحدنیت سے انکار پہ اڑے ہوئے تھے اور عہدِ جاہلیت کا اختتام فتح مکہ پہ ہوتا ہے۔

××××××××

ابن حجر کے بیان کی تشریح یہ ہے کہ جاہلیت کا لفظ کبھی تو حالتِ جاہلیت کے نام کے طور پہ بولا جاتا ہے کیونکہ قرآن وسنت میں اِس سے عموماً یہی مراد لیا گیا ہے اور کبھی یہ لفظ لوگوں کے انفرادی فعل کے لیے بھی بولا جاتا ہے یعنی فلاں شخص میں کچھ جاہلیت پائی جاتی ہے یا یہ کہ اُس میں جاہلیت کی خصلتوں میں سے کچھ کا عکس پایا جاتا ہے۔چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے جو یہ فرمایا:

اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیکَ جَاهِلِیَّةٌ

(کہ تجھ میں جاہلیت کی حالت پائی جاتی ہے)

تو اس سے یہی مراد ہے کہ مطلق جاہلیت کے علاوہ بعض اوقات انسان میں جاہلیت کی عارضی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔

××××××××

جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں ایک رات کا اعتکاف بیٹھوں گا۔

(اس سے مراد زمانہ جاہلیت ہے نہ کہ جاہلیت کی کوئی خاص خصلت)١

××××××

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ فرمانا کہ :

جاہلیت میں نکاح چار قسم کا تھا۔

اس بات میں اشارہ اُس زمانے کی طرف ہے جب لوگ مطلق جاہلیت کا شکار تھے۔

××××××

اور نبی اکرم ﷺ کے اصحابؓ کا یہ کہنا:

یارسول اللہ ﷺ تب ہم جاہلیت اور شر میں تھے۔

یعنی ہم جاہلیت کی حالت یا طریقے یا عادت میں تھے۔

ماہرین لغت نے بیان کیا ہے کہ جاہلیت اگرچہ درحقیقت ایک صفت ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے یہ اسم بن گیا ہے مگر اس کے معنی صدری معنی کے قریب ہیں۔

اور اسی لفظ کے دوسرے معنی (**یعنی ذوالحال کے معنوں میں**) ہم کہتے ہیں کہ **طائفۃ جاھلیۃ** اور **شاعِر جَاھِلی** اور یہ نسبت ہے جہل کی طرف جس کے معنی علم نہ ہونے کے یا علم کا اتباع نہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جو شخص حق بات کو نہ جانتا ہو اس شخص میں جہل بسیط پایا جاتا ہے اور اگر وہ حق کے خلاف عقیدہ رکھے تو اُس کا جہل "**جہل مرکب**" کہلائے گا اور اگر حق بات کو جانتے ہوئے اور نہ جانتے ہوئے حق کے خلاف کہے تو وہ بھی جاہل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ الفرقان ۲۵ ؛ آیت ۶۳)

ترجمہ :

"جب ہٹ دھرم لوگ اِن سے خطاب کرتے ہیں تو یہ انھیں (اس کے جواب میں) سلام کہتے ہیں"۔

×××××××

نبی اکرم ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا:

اِذَا کَانَ اَحَدُ کُمْ صَائِمًا فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْھَلْ۔

’’ جب تم میں سے کوئی شخص روزے سے ہو تواسے نہ تو کوئی گندی بات کہنی چاہیے نہ اکھڑ پنے کی‘‘۔

×××××××

اس سے مراد یہ ہے کہ اکھڑ پنا یا بداخلاقی جاہلیت کی ایک خصلت ہے جس سے بچنا ہی احسن طریقہ ہے۔ جب کہ عہدِ جاہلیت میں عرب سخت تفاخر اور اکھڑ پنے کا شکار تھے چنانچہ اُن کا ایک مشہور شاعر عمرو بن کلثوم اُن کے اعمال کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

أَلَا لَا یَجْھَلَنْ أَحَدٌ عَلَیْنَا
فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا

’’خبردار! کوئی ہمیں اکھڑ پنا نہ دکھائے ورنہ پھر ہم اِن سے بڑھ کر اکھڑ پنا دکھائیں گے‘‘۔

اسی طرح جو شخص حق کو جانتے بوجھتے اس کے خلاف عمل کرے گا اصطلاح میں اس کو بھی جاہل کہا جائے گا خواہ اسے علم ہی کیوں نہ ہو کہ یہ حق کے خلاف ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴ ؛ آیت ۱۷)

ترجمہ :

’’اللہ تعالیٰ تو صرف اِن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت سے برا فعل کر بیٹھیں اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی توبہ کر لیں‘‘

××××××

یہ دراصل اُس کیفیت کا ذکر ہے جس سے ہر مومن ہی کم وبیش دوچار ہوتا ہے کہ اس سے گناہ سرزد ہوجاتا ہے مگر وہ اپنے ایمان کی پختگی کی وجہ سے اس گناہ پہ نادم ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا معبود غفور ورحیم ہے اس لیے وہ اِس کے در پہ جھک جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے، اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے کہ اِس کو انسان کا توبہ کرنا اور نادم ہونا بہت پسند ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے کہ:

ہر وہ شخص جو برا فعل کرے جاہل ہے خواہ اسے اِس بات کا علم ہی کیوں نہ ہو کہ وہ فعل حق کے خلاف ہے۔

×××××××

اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی علم جو دل میں راسخ ہو چکا ہو اس کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہو جو اِس کے علم کے خلاف ہو۔لہٰذا جب حق کے خلاف بات صادر ہوئی تو وہاں یقیناً دل کی غفلت پائی گئی یا حق کے مخالف امر کا مقابلہ نہ کرنے کی وجہ سے دل میں کمزوری پائی گئی اور یہ تمام حالات حقیقت علم کے منافی ہیں۔لہٰذا اِس اعتبار سے اُس کا عمل جہل قرار پائے گا۔یہیں سے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اعمال ایمان میں مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً شامل ہیں۔اگرچہ ہر وہ شخص جو اعمال ترک کر دے نہ کافر کہلا سکتا ہے نہ اصل ایمان سے اس کا نام خارج ہے۔یہی حال عقل اور اسی قسم کے دوسرے امور کا ہے اسی لیے تو اِن حالات والوں کو مردے اندھے، گونگے، بہرے گمراہ اور جاہل کا نام دیا گیا ہے۔چنانچہ اِس سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ گویا وہ لوگ جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے جاہلیت کی حالت میں تھے اور اُس عہد کو زمانہ جاہلیت کہا جائے گا یعنی ایسا جہل جو جاہل کی طرف منسوب

ہو۔کیونکہ جن اقوال وافعال کے وہ عادی بن چکے تھے انھیں ایجاد بھی کوئی جاہل ہی کرسکتا تھااور اِن پر عمل پیرا بھی کوئی جاہل ہی ہوسکتا تھا۔یعنی بتوں کی پوجا وغیرہ اوران کی دیگر وہ رسمیں جن سے جاہلیت کی علامات ظاہر ہوں۔جیسے کہ بچیوں کوزندہ دفن کرناوغیرہ۔چنانچہ ہروہ چیز جواللہ کے رسولوں علیہم السلام کے آوردہ احکام کے خلاف ہوخواہ اِس کا تعلق یہودیت سے ہوخواہ نصرانیت سے ہوا سے جاہلیت کے سواکسی اورنام سے نہیں پکارا جائے گا۔

یہ تو عام جاہلیت کا بیان تھا لیکن نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد مطلق جاہلیت کسی شہر میں ہوسکتی ہے اور کسی میں نہیں۔مثلاً وہ علاقے جنھیں غیر اسلامی کہا جا تا ہے۔اسی طرح جاہلیت کسی شخص میں ہوتی ہے اور کسی میں نہیں۔مثال کے طور پر ایک شخص اسلام لانے سے پہلے جاہلیت میں ہوتا ہے باوجود اس کے وہ دارلاسلام میں ہی مقیم ہو۔مطلق زمانے کے اعتبار سے محمد ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی جاہلیت نہیں رہی کیونکہ آپ ﷺ کی امت کے کچھ لوگ قیامت تک حق پہ کاربند رہیں گےاور دوسرے لوگوں پر اِن کی اخلاقی اورعقائدی برتری قائم رہے گی وہ دوسرے لوگوں پہ غالب ہی رہیں گے۔رہی مقید جاہلیت تو وہ کئی اسلامی ممالک میں بھی پائی جاتی ہےاور بہت سے مسلمان افراد میں بھی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ الفخرِ بالاَحْسَابِ والطَّعْنُ فِیْ الاَنْسَابِ وَالاَسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ والنِيَاحَةُ ۔

ترجمہ:

”میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی پائی جاتی ہیں جنھیں وہ نہیں چھوڑتے،حسب ونسب پہ فخر کرنا،اوروں کے نسب میں طعن کرناستاروں سے بارش طلب کرنااور نوحہ کرنا“۔

×××××××

ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں کسی شخص کو اِس کی والدہ کے بارے میں طعن کیا تو آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

اِنَّكَ امْرُ وٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ

(کہ تُو ایک ایسا انسان ہے جس میں جاہلیت کی حالت پائی جاتی ہے)

××××××××

اور یہ سب باتیں جاہلیت کہلاتی ہیں۔ اگرچہ جاہلیت کا لفظ بالعموم عربوں کی قبل از وقت اسلام حالت کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بہت سے اعمال اور احکام میں اس سے بھی زیادہ جہالت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ:

''سورۃ انعام کی ایک سو تیس سے اوپر کی آیات پڑھ لو تو تم پہ جاہلیت کی کیفیت واضح ہو جائے گی''۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَارَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ٦ ؛ آیت ١٢٩)

ترجمہ:

''جن لوگوں نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ کے رزق کو اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام قرار دیا وہ لوگ خسارے میں ہیں، یقیناً یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور ہدایت پانے کے نہیں''۔

×××××××

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ:

وَ قَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ٢٣ ؛ آیت ٣٣)

ترجمہ:

''اور اپنے گھروں کے اندر رہو اور پہلی سی جاہلیت کا سنگھار نہ کرو''۔

×××××××

جاہلیت کی اس قسم میں مفہوم کے متعلق مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت اولیٰ اس زمانے میں تھی جس زمانے میں عورت موتیوں کی قمیض پہن کر راستے کے عین وسط میں چلتی اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی تھی۔ چنانچہ عربوں کے ایک عالم "حَکَمُ بن عُیَیْنَہ" [9*] نے اس ضمن میں فرمایا ہے کہ جاہلیت اولیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک تھی اور اس زمانے کی مدت آٹھ صدیوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے اور کہا گیا کہ اس زمانے میں لوگوں کے اخلاق برے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ [10*] نے فرمایا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ تھا۔ جب کہ امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ [11*] کا خیال ہے کہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیچ کا زمانہ ہے جب عورت موتیوں سے بنی قمیض پہنتی تھی جو اس کے پہلوؤں کی جانب سے سلی ہوئی نہ ہوتی تھی وہ پتلے اور آر پار نظر آنے والے کپڑے پہنتی تھی اور اسے اپنے جسم کو مردوں کی نگاہ سے محفوظ رکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب کہ مورخین کے ایک گروہ نے کہا کہ جاہلیت اولیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ہے جب لوگوں نے اُن کی تعلیمات سے منہ موڑا اور اپنے نفس کے مطالبات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جبکہ نیشا پور کے مشہور عالم اور عربوں کے مورخ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ [12*] کا دعویٰ یہ ہے کہ جاہلیت اولیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت محمد ﷺ کے درمیانی زمانے کو کہا جائے گا۔ ایک اور مورخ ابو العالیہ [13*] نے لکھا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ہے کہ جب عورت قمیض پہنتی تو وہ سلی ہوئی نہ ہوتی تھی اور عورتیں اپنے بدن کے اُن حصوں کو بھی ظاہر کر دیا کرتی تھیں جن کا ظاہر کرنا قبیح معلوم ہوتا ہے نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ عورت ایک ساتھ اپنے خاوند اور دوست کے ساتھ لیٹ جاتی اِس بات سے اُن کی اخلاقی پستی کا خوب اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ مجاہد [14*] کہتے ہیں کہ جاہلیت اولیٰ کے زمانے میں عورت کو اپنی عفت کا مطلق احساس نہ تھا اور وہ بغیر پردے کے مردوں اور عورتوں کے درمیان پھرا کرتی تھی اور اسی کو قرآن نے "تبرج" سے تعبیر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے لکھا کہ میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ نے اُس جاہلیت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا زمانہ انھوں نے پایا لہٰذا انھیں اسی جاہلیت کے اخلاق سے الگ ہونے کا حکم دیا گیا اور اسی کو شریعت کہا جائے گا اور یہ اخلاق اُن کے وہ اخلاق تھے جو شریعت اسلامی کے آنے سے پہلے کفار کا شعار تھے۔ کیونکہ اُن میں کسی قسم کی غیرت نہ پائی جاتی تھی اور

عورتوں کے معاملے میں کسی قسم کا حجاب نہ تھا اور اُس جاہلیت کو جاہلیت اولیٰ اُس حالت کی نسبت سے کہا گیا جس پر وہ اِس وقت بعہد اسلام قائم تھی۔

اِس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اُن میں جاہلیت کے دیگر خصائص موجود نہ تھے اس لیے کہ عہد جاہلیت جس کو بیشتر مورخین نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ قرار دیا ہے لوگ جاہلیت کے بہت سے امور کو اپنائے ہوئے تھے اور اُن کی جاہلیت ہمہ پہلو تھی۔ اگرچہ خصائص العرب میں ہم نے کھل کر اُن کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ بہت سی خوبیوں کے باوجود اُن کے معاشرے زنا جوا شراب اور عقائدی حوالے سے شرک میں آلودہ تھے اس لیے بجا طور پہ اِس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اِن کو دعوت حق کی طرف بلایا تو اِس وہ مطلق جاہلیت کے اندھیروں میں غرق تھے۔

> عہد جاہلیت میں اگرچہ عرب دین ابراہیم کی بنیادی اساس کھو چکے تھے مگر تب بھی وہ بہت سے خصائص سے مزین تھے خانہ بدوشی کی بدوی زندگی نے اُن کے اندر بے ساختہ بہت سے اخلاقی اوصاف کو اجاگر کر دیا تھا جن کی بنا پر وہ اپنے عہد کے ممتاز لوگ تھے۔

عہد جاہلیت ، اعمال و افعال

اسلام سے پہلے عرب کسی خاص دین کے پیرو نہ تھے نہ وہ کسی شریعت کے مکلّف تھے اور نہ ہی دین ابراہیم کے پیرو تھے اس لیے کہ وہ اپنے آباء کی تعلیمات اور طریقہ عبادات کو بھلا چکے تھے۔ دراصل اہل عرب نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے دورِ فترت میں تھے اور فترت اُس زمانے کو کہا جاتا ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہو، اس لیے عرب جاہلیت کے اُن اندھیروں میں تھے جن میں اُن کے صاحبِ دانش راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر ناکام رہتے۔ اس لیے کہ اگرچہ عوام میں بت پرستی کی وباء پھیلی ہوئی تھی تاہم اُن کے اہل دانش کو یہ ادراک حاصل تھا کہ یہ جاہلیت کے امور میں سے ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں ۔اگرچہ اہل عرب یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے اور نہ ہی دوسرے انبیاء (صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم) کی شریعتوں کی پیروی پہ آمادہ تھے۔ اسی لیے اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ

القرآن الحکیم (سورۃ یٰسین ۳۶ ؛ آیات ۶)

ترجمہ؛

''تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو ڈرایا نہیں گیا لہٰذا وہ بے خبر ہیں''۔

××××××

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِنْ نَذِيْرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ القصص ۲۸ ؛ آیات ۴۶)

ترجمہ؛

''ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا اس وقت آپ (ﷺ) تو پہاڑ کے پاس نہیں تھے لیکن ہم نے آپ کو رحمت بنا کے بھیجا ہے تا کہ آپ (ﷺ) اُس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ (ﷺ) سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں''۔

××××××

اس مقام پر مفسرین قرآن نے تفصیلاً جرح کی ہے اور اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محمد ﷺ سے پہلے عربوں کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد تین ہزار سال کا عرصہ بیت گیا مگر اُن کے ہاں ہدایت اور ڈر لے کے کر اللہ کا کوئی پیغمبر نہ اترا تھا۔ اگر چہ اللہ کے رسول اللہ کا پیغام لے کر زمین پر اترتے رہے مگر اُن میں سے اکثریت اُن پیغمبروں کی تھی جو نبی اسرائیل کی طرف اترے تھے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ کو کسی خاص قوم کی بجائے کل عالم کی طرف مبعوث کیا گیا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے نبیوں کو عطا نہ کی گئی تھیں اور وہ یہ ہیں کہ مجھے وہ رعب اور دبدبہ عطا کیا گیا جس کا اثر ایک ماہ کے فاصلے تک قائم رہتا ہے۔ تمام دنیا

کی جگہ کو میرے لیے اور میری امت کے لیے مسجد قرار دے دیا گیا ہے لہٰذا میری امت کا کوئی فرد جہاں اسے وقت ملے عبادت کر سکتا ہے کیونکہ ساری زمین اس کے لیے پاک قرار دے دی گئی ہے۔ میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا مجھ کو شفاعت عطا کی گئی۔ مجھ سے پہلے جو انبیاء آئے وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے تھے جب کہ میں کل عالم کے لیے آیا ہوں۔

××××××××

نبی اکرم ﷺ جب عربوں کی طرف اترے تو وہ کسی شریعت کے مکلّف نہ تھے۔ کیونکہ کوئی بھی قوم کسی شریعت کی اس وقت تک پابند ہوتی ہے جب تک کہ وہ موجود رہے جب شریعت مٹ جائے تو وہ قوم بھی آزاد ہو جاتی ہے اور عربوں کے ہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات مٹ چکی تھیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کی طرف اوامر اور نواہی لے کر آتے ہیں اور یہ احکام اُن امور سے زائد ہوتے ہیں جن کو عقلیں واجب قرار دیتی ہیں تا کہ جو مباح امور عقلوں کے لیے جائز قرار دیئے گئے ہیں اُن کو لازم قرار دے دیا جائے اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ عقلمند کی عزت کرنا چاہتا ہے اور اس کے اُن افعال کو شرف بخشنا چاہتا ہے جسے اُس نے اپنی عقل سے کھوجا اور وہ فطرت کے مطابق تھے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے حالات کو درست رکھنا چاہتا ہے، اس کی مصلحتوں کو منظّم کرنا چاہتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے حکمت کے لیے تیار کر رکھا ہے اور اسے معرفت پہ ڈھالا ہے تا کہ اسے دانا بنائے اور برے کاموں کے انجام سے باخبر کرے کیونکہ لوگ اپنی نگاہوں سے اپنی ذاتی مصلحتوں کو ناپسند نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی طبیعت اور فطرت سے اپنے کاموں کے انجام کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ اپنی ہمتوں کے اختلاف کے باوجود مرسلین کے آداب کے وارد ہوئے بغیر اور گذشتہ امتوں کے حالات سے آگاہ ہوئے بغیر باز نہیں آتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے آداب اِن میں مستعمل ہوتے ہیں اس کے حدود کی تابعداری ہوتی ہے اور اس کے احکام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اللہ کا وعدہ اور وعیدان کو برے کاموں سے روکتا ہے اور گذشتہ امتوں کے قصے ان کے لیے نصیحت آمیز ہوتے ہیں کیونکہ جب کانوں میں عجیب خبریں آکر پڑتی ہیں اور جب اچھوتے معنی ذہنوں کو بیدار کرتے ہیں تو اِن سے عقلیں مدد لیتی ہیں جس سے اِن کا علم

بڑھتا ہے اور صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔جس قدر زیادہ باتیں کوئی سنے گا اسی قدر زیادہ خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں گے اور جس قدر زیادہ خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں گے اسی قدر وہ سوچے گا اور جس قدر وہ زیادہ سوچے گا اسی قدر اس کے علم میں اضافہ ہوگا اور جس قدر اس کا علم زیادہ ہوگا اسی قدر اس کا ذہن سوالوں سے الجھتا چلا جائے گا۔لہٰذا انسان کے اِن الجھے ہوئے سوالات کا جواب دینے سے جب اس کی عقل عاجز آجاتی ہے تب انبیاء کی بعثت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔یہی حال عربوں کا تھا کہ اِک مدت مدید سے اُن کے سوالوں کے جواب تشنہ تھے اور اُن کے اعمال اس بھیڑ کی طرح تھے جو گلے سے جدا ہو چکی ہو۔

چنانچہ جب ہم عربوں کے اعمال وافعال کا جائزہ لیتے ہیں تو اُن میں دوقسم کے اعمال نظر آتے ہیں۔ایک تو وہ ہیں جو انسانی فطرت کا تقاضا ہیں اور شرف کا باعث ہیں جیسے کہ فلاح کا احساس، نیکی کی خوشی، سخاوت، شجاعت، رحم دلی، مہمان نوازی وغیرہ۔اور کچھ کا تعلق اُن امور سے ہے جن میں گمراہی کے عوامل پائے جاتے ہیں مگر انسان اُن سے آگاہ نہیں ہوتا جیسے کہ شراب نوشی، بت پرستی اور دختر کشی وغیرہ۔چنانچہ ہم یہاں عربوں کی اُن عادات اور اعمال سے بحث کریں گے جو انھوں نے خود سے اپنا لیے تھے یا کچھ وہ جو سابقہ شریعتوں سے اُن کے ہاں باقی چلے آرہے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ اُن کے افعال میں خلل پڑ گیا تھا اور اُن کے اعمال مضطرب ہو چکے تھے۔اِن میں سے کچھ کا تذکرہ تو عربوں کے رسم ورواج کے ضمن میں ہو کیا جائے گا اور کچھ کا تذکرہ ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں۔چنانچہ پہلے ہم کچھ اُن امور پہ روشنی ڈالیں گے جو مدت سے اُن میں چلے آئے تھے اور انھوں نے اِن میں تغیر کا نہ سوچا تھا اس لیے کہ یہ سب امور خیر تھے جو فطرت کے مطابق تھے۔اِن میں سے ایک یہ ہے کہ عرب اپنی تمام جہالتوں کے باوجود طہارت کے پابند تھے اور وہ اُن امور پہ کاربند تھے جنھیں انسان روز ازل سے فطرت قرار دیتا چلا آیا ہے۔عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے اِن امور پہ کاربند چلے آئے ہیں اور یہ وہ امور تھے جن کے لیے نہ کسی نبی کی ضرورت تھی نہ کسی پیغمبر کی خود انسان کی عقل ان امور کی شہادت فراہم کرتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تو وہ اس میں پورا اترا۔

وَاِذَا بْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲ ؛ آیات ۱۲۴)

ترجمہ؛

’’اور جب ابراہیم علیہ السلام کے رب نے ابراہیم علیہ السلام کو چند امور میں آزمایا تو ابراہیم علیہ السلام نے انھیں پورا کر دکھایا‘‘

××××××

اور یہ دس امور ہیں جو فطرت کہلاتے ہیں اِن میں سے پانچ کا تعلق سر سے اور پانچ کا تعلق جسم سے ہے سر میں جو سنتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کلی کرنا

۲۔ ناک صاف کرنا

۳۔ مونچھیں ترشوانا

۴۔ مانگ نکالنا

۵۔ مسواک کرنا (مطلب منہ صاف کرنا ہے)

اور جن کا تعلق جسم سے ہے وہ یہ ہیں۔

۶۔ استنجا کرنا

۷۔ ناخن تراشنا

۸۔ بغل کے بال لینا

۹۔ زیرناف بال لینا

۱۰۔ ختنہ کرانا

××××××

حدیث کی کتابوں میں ان امور کی تفصیلات موجود ہیں اور شارحین نے بھی ان کو طبعی امور جانا ہے اور ان کی بے شمار توجیہات اور فوائد بیان کیے ہیں۔ چنانچہ عہد جاہلیت میں عرب اِن امور پہ کار بند تھے جب اسلام آیا تو اس میں ان کو اِن امور کی مزید تاکید کی گئی۔ بتایا گیا ہے کہ جاہلیت میں عرب غسل جنابت کیا کرتے تھے اور اپنے مردوں کو نہلاتے کفن دیتے اور نماز جنازہ پڑھتے۔

اُن کا ایک شاعر کہتا ہے:

اَلاَ عَلِمّلاَ نِیْ وَاعْلَمَا اَنَّنِیْ غَرَرٌ
فَمَا قُلْتُ یُنْجِیْنِی الشِّقَاقُ وَلاَ الحَذَرُ

’’خبردار میرا دل بہلاؤ اور جان لو کہ میں موت کے منہ میں ہوں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا مخالفت یا احتیاط کرنا مجھے اُس امر سے نجات دلا سکتا ہے جو ضروری ہے‘‘۔

وَمَا قُلْتُ یُجْدِیْنِی ثَوَایْ اِذَا بَدَتْ
مَفَاصِلُ اَوْصَالِیْ وَقَدْ شَخَصَ البَصَرُ

’’میں یہ نہیں کہتا کہ میری جزا مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے جب میرے اعضا کے جوڑ ظاہر ہو جائیں اور ٹکٹکی بندھ چکی ہوگی‘‘۔

وَجَاءُوْا بِمَاءٍ بَارِدٍ یَغْسِلُوْنِیْ
فَیَالَکَ مِنْ غُسْلٍ سَیَتْبَعُہُ غَبَرُ

’’اور جب وہ مجھے غسل دینے کے لیے ٹھنڈا پانی لے آئیں گے اور کیا کہنے اس غسل کے جس کے بعد پھر مٹی ہوگی۔‘‘[*6]

بنی کلیب کے ایک شخص نے جاہلیت میں اپنے پوتے کی وفات پہ یہ اشعار کہے۔

اَعمرو اِنْ ھَلَکْتَ وَکُنْتُ حَیّاً
فَأَ نّیْ مُکْثِرٌ لَکَ مِنْ صَلَا تِیْ

''اے عمرو! اگر تو میری زندگی میں ہی مر جائے تو میں تمھارے لیے بہت دُعا کروں گا''۔

وَ اَجْعَل نِصْفَ مَالِی لاِبْنِ سَامٍ
حَیَاتِیْ اِنْ حَیِیْتُ وَفِیْ مَمَا تِیْ

''اور میں اپنا آدھا مال ابن سام کے لیے مقرر کردوں گا اگر زندہ رہوں تو زندگی ہی میں اور اگر مر گیا تو مرنے پر بھی تمھارا نصف تمھیں مل کر رہے گا''۔

جاہلیت میں عربوں کی عادات اور عبادات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بات کو انھوں نے کسی سابقہ شریعت سے لیا ہو یہی وجہ ہے کہ وہ اسی دن کعبے پر غلاف چڑھایا کرتے تھے اور اسی طرح کی اور باتیں کرتے جس سے اُن کے ہاں اس دن کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مورخین نے کئی روائتیں درج کی ہیں جن میں سے کسی کے بارے میں حتمی طور پہ نہیں کہا جاسکتا کہ اِن میں سے کون سی بات درست ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں اہل قریش میں سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا جس کی وجہ سے اُن کے سردار نے کہا کہ اس کفارہ یہ ہے کہ ساری قوم عاشورہ کا روزہ رکھے جس سے اُس گناہ کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اور ایک روایت یہ ہے؛

ان کے ہاں بری طرح قحط پڑا تب انھوں نے اس سے نجات کے لیے عاشورہ کا روزہ رکھا۔

اور انھیں قحط سے نجات مل گئی۔

تب پوری قوم نے شکرانے کے طور پہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھا۔

اور جب نبی اکرم ﷺ نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دی اس وقت تک اہل عرب یہ روزہ رکھا

کرتے تھے۔

× × × × × × ×

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ؛
عربوں میں یہ روزہ یہودیوں سے منتقل ہوا۔
وہ یوم عاشورہ کو روزہ اس لیے رکھا کرتے تھے کہ اُس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی فوجوں کو شکست دی تھی۔
اور فرعون اپنے لشکروں سمیت دریائے نیل میں ڈوب مرا تھا۔
جب نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انھوں نے دیکھا کہ انصارِ مدینہ کے کچھ لوگ یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔
تو نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا؟
کہ وہ اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہیں۔
جس کے جواب میں انصارِ مدینہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کی خوشی میں یہ روزہ رکھتے ہیں اور یہ عادت اُن کے ہاں یہودیوں سے منتقل ہوئی ہے۔
تب نبی اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا:
ہم یہودیوں سے اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشی منائیں کہ موسیٰ علیہ السلام تو میرے بھائی تھے۔
اس سے اگلے سال صحابہ کے ساتھ خود نبی اکرم ﷺ نے بھی عاشورہ کا روزہ رکھا تھا۔
محدثین نے اس سلسلے میں کئی روائیتں بیان کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا ہے۔

× × × × × × ×

جو امور اُن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلے آرہے تھے اُن میں سے یہ تھا کہ وہ حج کرتے ،عمرہ کرتے ،قربانی دیتے اور شیطان کو کنکریاں مارتے ۔عرب سات بار بیت اللہ کا طواف کرتے

تھے اور طواف حجر اسود سے شروع کرتے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے۔ اگر چہ عرب تلبیہ بھی کہتے مگر ان میں سے اکثر تلبیہ میں شرکیہ الفاظ شامل کرتے وہ کہتے کہ:

خدایا میں حاضر ہوں۔

میں بار بار تیری اطاعت کے لیے حاضر ہوں۔

تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرا ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اس کی ملکیت ہے تو بھی ان کا مالک ہے۔

وہ ان تمام جگہوں پہ ٹھہرا کرتے تھے جہاں اب حاجی ٹھہرتے ہیں۔

زہیر بن اسلمی کا ایک شعر ہے:

جَعَلْنَ القنَانَ عَنْ يَمِيْنٍ وَحزْنَهٗ
وَكَمْ بِالْقَنَانِ مِنْ مُحِلٍّ وَمُحْرِمٍ

''انھوں نے بنی اسد کے پہاڑ قنان اور سخت زمین کو دائیں جانب رکھا ہے قنان میں کئی ایسے تھے جو ان سے تعرض کرنا جائز سمجھتے تھے اور کئی ایک ایسے تھے جو دوستی کی بنا پر یوں سمجھتے تھے گویا وہ احرام میں ہوں۔

اور یہ شعر حضرت ابو طالب کا ہے:

واَشْواطٌ بَيْنَ المَرْوَ تَيْنِ اِلَى الصَّفَا
وَمَا فيهِمَا مِنْ صُوْرَةٍ وَمَخَايِلِ

''اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑیں لگانا اور جو صورتیں اور رحمت کی علامات وہاں پائی جاتی ہیں''۔

اور یہ وہ باتیں تھیں جو انھوں نے دین اسماعیل سے ورثے میں پائی تھیں۔

چنانچہ ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے ابو زید سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

دنیا کے تمام لوگوں میں بادشاہ ہوا کرتے تھے مگر حیرت ہے کہ عربوں کا کوئی بادشاہ نہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کو بادشاہ کی ضرورت ہی نہ تھی اس لیے کہ بیت اللہ نے انھیں ایک نظم ایک مرکز کے تابع کر دیا تھا۔

اور بادشاہ بھی تو یہی کچھ کرتے ہیں۔

لہٰذا اُن میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جنھیں اسلام میں جوں کا توں جاری رکھا گیا جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

حج و عمرہ کی عادت، مناسک حج، قربانی، احرام وغیرہ۔

مزید براں عرب گواہوں کے سامنے نکاح کیا کرتے تھے۔

اور تین طلاقیں دیا کرتے تھے۔

وہ محرمات سے نکاح نہ کرتے تھے۔

وہ قتل کے بدلے قتل کرتے تھے۔

(اگرچہ اسلام نے انھیں دیت کی آسانی عطا فرمائی)

عرب ایک دوسرے کو ظلم سے باز کرتے اور نیکی کی تلقین کرتے۔

وہ پڑوسی اور مہمان کا حق اچھی طرح پہچانتے تھے۔

×××××××

عہد جاہلیت کی بری عادات میں سے ایک عادت اُن کی شراب نوشی تھی اور عرب کثرت سے شراب پیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عربوں کے بہت سے اہل دانش نے جلد ہی جان لیا تھا کہ شراب میں لطف کی نسبت اذیت زیادہ ہے کیونکہ اس سے شخصیت کا تاثر تباہ ہو جاتا ہے۔

×××××××

چنانچہ اُن میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے جنھوں نے اپنے وقار اور اپنی عزت کو برقرار رکھنے کے لیے خود کو شراب سے محفوظ رکھا تھا۔

جیسا کہ حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:

”میرے باپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ کبھی جاہلیت میں شراب پی تھی اور نہ اسلام آنے کے بعد، نہ

انھوں نے جاہلیت میں جوا کھیلا نہ اسلام آنے کے بعد کھیلا"۔

××××××××

عربوں کی تاریخ سے گہری واقفیت رکھنے والے ایک مورخ ابوالقاسم عبدالرحمان السعدی اندلسی [16*] نے ایسے لوگوں کے بارے میں دو جلدوں میں ایک ضخیم کتاب مرتب کی ہے جن میں اُن لوگوں کے احوال مذکور ہیں جنھوں نے شراب کو خود پہ حرام کیا تھا اور پھر عرب شعرا کے کلام کا بہت سا حصہ اس امر پہ گواہ ہے کہ بہت سے عرب خود کو شراب سے دور رکھتے تھے۔ مثال کے طور عرب شعرا کے کلام سے کچھ شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

فَلَا وَاللّٰہِ لَا اُنْفَسی وَشَرْبًا
اُنَازِعُھُمْ شَرَابًا مَا حَیِیْتُ

"خدا کی قسم میں زندگی بھر اس حالت میں نہ پایا جاؤں گا کہ میں اور شراب پینے والے آپس میں شراب پینے میں جھگڑ رہے ہوں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَبیٰ لِیْ ذَاکَ اَبَاءٌ کِرَامٌ
وَاٰخْوَالٌ بِعِزِّھِمْ رَبِیْتُ

"میرے اُن آباؤ اجداد اور ماموؤں نے ایسا ہونے سے انکار کر دیا ہے جن کی عزت کی بدولت میں نے نشو ونما پائی ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَقَالَتْ لِیْ ھَلُمَّ اِلَی التَّصَابِیْ
فَقُلْتُ عَفَفْتُ عَمَّا تَعْلَمِیْنَا

"اس عورت نے مجھے لہو ولعب کی طرف آنے کی دعوت دی میں نے جواب دیا میں اُن

چیزوں کو چھوڑ چکا ہوں اور اس کا تجھے علم ہے"۔

وَوَدَّعتُ القِدَاحَ وَقَدْ اَرَانِیْ
لَهَا فِیْ الدَّهْرِ مَشْغُوفًا رَهِیْنَا

"میں جوئے کے تیروں کو بھی چھوڑ چکا ہوں حالانکہ ایک وقت تھا جب میں اس کا بڑا دلدادہ تھا"۔

وَحَرَّمْتُ الخُمُوْرَ عَلَیَّ حَتّٰی
اَکُوْنِ بِقَعْرِ مَلْحُوْدٍ دَفِیْنَا

"اور میں نے شراب کو بھی اپنے لیے حرام کر دیا ہوا ہے تا آنکہ میں لحد کی گہرائی میں اتار دیا جاؤں"۔

یَا اَخِلاَّءُ اِنَّمَا الخَمْرُ ذِیْبٌ
وَاَبُو جَعْدَۃَ الطِلاَءُ المُرِیْبٌ

"دوستو! شراب تو ایک بھڑیا ہے اور بے چین کرنے والی انگوری شراب بھی تو بھیڑیا ہے"۔

وَنَبِیْذُ الزَّبِیْبِ مَا اشْتَدَّ مِنہُ
فَهُوَ لِلخَمْرِ والطِّلاَءِ نَسِیْبٌ

"اور مویز مقنّیٰ کا نبیذ جو تیز ہو وہ بھی خمر اور طلاء کا بھی ہم نسب ہوتا ہے"۔

هِیَ الخَمرُ تَکُنِی الطِّلاءَ
کَمَا الذِّئبُ یُکنٰی اَبَا جَعدَہ
''شراب کی طلِلا ہے جس طرح بھیڑیے کی کنیت ابو جدہ ہے جس طرح طلا ہے''۔

دَعِ الخُمرَ تَشرَبُهَا الغُوَاۃُ فَاِنَّنِی
رَاَیتُ اَخَاھَا مُجزِنَا لِمَکَانِھَا
''شراب کو چھوڑ دو کہ گمراہ لوگ اسے پیتے رہیں کیونکہ میں نے شرابی کو دیکھا ہے کہ وہ اس کے ہوتے ہوئے اسی پہ اکتفاء کرتا ہے''۔

فَاِلَّا یُکُنھَا اَو تَکُنہُ فَاِنَّہُ
اَخُوھَا غَذَتہُ اُمُّہُ بِلِبَانِھَا
''اور اگر نبیذ شراب نہیں بنتا یا شراب نبیذ نہیں تو نبیذ بھی تو شراب کا بھائی ہے اور دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے[*17]''۔

عہد جاہلیت میں بہت سے لوگ تھے جنھوں نے شراب اور جوئے کو اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اُن کی عقلوں نے انھیں آگاہ کیا تھا کہ ان امور میں انسانی فضیلت کا کوئی پہلو نہیں بلکہ یہ تو انسان کے وقار کو تباہ کرنے والے امور ہیں۔ ان میں اشعث بن قیس تھا عفیف بن مہدی کریب تھا اور عامر بن ظرب العدوانی تھا۔

یہ اشعار عامر بن ظرب العداونی کے ہیں۔

اِنَ اَشْرَبِ الخَمْرَ اَشْرَبْهَا لَلِذَّتِها
وَاِنْ اَدَعْھَا فَاَنِیْ مَا قِتٌ قَالِیْ

''میں اگر شراب پیوں گا تو اس کی ذلت کی خاطر پیوں گا اور اگر چھوڑ دوں گا تو اس لیے کہ میں نے شراب کو حرام قرار دے رکھا ہے اور مجھے اس سے سخت دشمنی اور بغض ہے''۔

لَولَاالَلّذَاذَۃُ وَالْقَیْنَاتُ لَمْ اَرَھَا
وَلَا رَاَنِیْ اِلاَّ مِنْ مَدًی عَالِیْ

''اگر مجھے لذت کوشی اور گانے والیوں کا شوق نہ ہوتا تو میں اسے کبھی دیکھتا بھی نہ اور نہ ہی وہ مجھے بغیر دور کی مسافت طے کیے دیکھ سکتی''۔

سآلَۃٌ لِلْفَتٰی مَالَیْسَ فِی یَدِہ
ذھَّابَۃٌ بِعُقُولِ الْقَوْمِ والمَال

''یہ انسان سے وہ دولت مانگتی ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی یہ لوگوں کی عقلوں اور ان کے مال کو فنا کر دیتی ہے''۔

تُوَرّثُ القَوْمَ اَضْغَانًا بِلاَ اِحَن
مُزْرِیَۃٌ بِالْفَتٰی ذِی النَّجْدَۃِ الْجَالِیْ

''یہ قوموں میں دشمنی کے بغیر ہی کینہ پیدا کر دیتی ہے اور بزرگی والے خوش صفات انسان کو عیب دار بنا دیتی ہے''۔

اَقْسَمْتُ بِاللّٰہِ اَسْقِیْھَا وَاشْرَبُھَا
حَتّٰی یُمَزِّقَ تُرْبُ الْاَرْضِ اَوْصَالِ

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں پلاؤں گا نہ پیوؤں گا تا آنکہ زمین کی مٹی میرے جسم کو کھا جائے[*18] ''۔

یہ اشعار قیس بن عاصم التیمی کے ہیں۔

لَعَمْرُكَ اِنَّ الْخَمْرَ مَا دُمْتُ شَارِباً
لَسَالِبَۃٌ مَالِیْ و مُذْھِبَۃٌ عَقْلِیْ

''تیری جان کی قسم! جب تک شراب پیتا رہوں گا یہ میرے مال کو چھیننے والی اور عقل کو زائل کرنے والی رہے گی''۔

وتَارِکَۃٌ بَیْنَ الضُیُوفِ قِرَاھُمْ
وَمُوْرِثَۃٌ حَرْبَ الصَّدِیْقِ بِلَا قَتْلٍ

''یہ شراب مہمانوں کے درمیان ضیافت کو وہیں کا وہیں چھوڑ دیتی ہے اور بغیر قتل کے دوست سے جنگ کا سبب بن جاتی ہے[*19]

یہ اشعار صفوان بن امیہ بن حرب الکنانی کے ہیں۔

رَاَیْتُ الخَمرَ صَالَحۃً وَّفِیْھَا
مَنَا قِبُ تُفْسِدُ الرَّجُلُ الحَلِیْمَا

''میں نے شراب کو اچھا پایا ہے اس میں وہ خوبیاں ہیں جو ایک دانشمند اور حلیم انسان کو خراب کر دیتی ہیں''۔

فَلَا وَاللّٰہِ اَشْرَبُھَا حَیَاتِی
وَلَا اَشْفِی بِھَا اَبَداً سَقِیْمَا

''لہٰذا خدا کی قسم میں زندگی بھر نہ پیوں گا اور نہ اس کے ذریعے کسی بیمار کا علاج کروں گا''[*20]۔

یہ اشعار زمانہ جاہلیت کے کسی فرد نے کہے جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

سَا لَمْتُ قَوْمِی بَعْدَ طُوْلِ مَضَا ضَۃٍ
وَالسِلمُ اَبْقٰی فِی الاُمُورِ وَاَعْرَفُ

''میں نے ایک مدت تک دکھ اٹھانے کے بعد اپنی قوم سے صلح کر لی اور صلح تمام کاموں میں زیادہ پائدار اور زیادہ معروف ہوتی ہے''۔

وَتَرَكتُ شُرْبَ الرّاحِ وَهْىَ اَمِيْرَةٌ
والمُوْمِسَاتِ وَتَرْكُ ذٰلِكَ اَشْرَفُ

''میں نے شراب پینی چھوڑ دی ہے حالانکہ یہ مجھے بہت محبوب ہے فاحشہ عورتوں کو بھی چھوڑ دیا ہے اوران کا چھوڑنا تو اور بھی شرف والی بات ہے''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَ عَفَفْتُ عَنْهُ يَا اَمَيْمُ تَكَرُّمَا
وَكَذَاكَ يَفْعَلُ ذُوالحجٰى المُتَعَفِّفُ

اے امیمہ! میں اس سے اپنے آپ کو پاک رکھنے کی غرض سے باز رہا اس لیے کہ عقلمند اور پارسا انسان ایسے ہی کرتے ہیں[*21]

❁❁❁❁❁❁❁❁

یہ اشعار سوید بن عدی الطائی کے ہیں۔

تَرَكْتُ الشِّعْرَ وَاسَبْدَلْتُ مِنْهُ
كِتَابَ اللّٰهِ لَيْسَ لَهُ شَرِيْكٌ

''میں نے شعروں کو چھوڑا ہے اور اس کے بدلے میں اللہ کی وہ کتاب ہاتھ میں لے لی ہے جس کا کوئی شریک نہیں''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذَا دَاعى مُنَادى الصُبْحِ قَامَا
وَوَدَّعْتُ المُدَامَةَ وَالنَّدَامٰى

''جب صبح کی ندا کرنے والے اُٹھ کھڑے ہوں اور میں نے شراب اور اپنے ندیموں کو بھی چھوڑ دیا ہے[*22] ''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَحَرَّمْتُ الخُمُوْرَ وَقَدْ أَرَانِی
بِهَا سَدِكاً وَاِنْ كَانَتْ حَرَامَا

"اور میں نے تمام قسم کی شرابوں کو حرام قرار دے رکھا ہے حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اس پر فریفتہ تھا اگرچہ وہ حرام تھی"۔

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عہدِ رسالت سے سالوں پہلے ہی بہت سے عربوں کے شرفا نے جاہلیت کے امور سے فاصلہ کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ شراب عقل مال اور وقار کو چھین لیتی ہے۔

انھیں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور انھیں میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے کہا!

نہ میں نے کبھی عہد جاہلیت میں گانا گایا اور نہ عہد اسلام میں، نہ میں جوانی میں نوجوانوں کی سی غیر سنجیدہ حرکتیں کرتا تھا نہ بڑھاپے میں کیں، نہ میں نے کبھی جوانی میں شراب پی نہ بڑھاپے میں۔

جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے تو جس ہاتھ سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اس کے بعد میں نے اس ہاتھ سے کبھی اپنی شرم گاہ کو نہیں چھوا۔

× × × × × × ×

انھی عربوں میں ایک عباس بن مرداس بھی تھا جس نے شراب کو خود پہ حرام کیا ہوا تھا۔

لوگوں نے اُس سے کہا!

تو شراب کیوں نہیں پیتا کہ اس سے تیری جرأت میں اضافہ ہو۔

عباس بن مرداس نے جواب دیا:

میں خود اپنے ہاتھ سے جہالت کو اپنے پیٹ میں نہیں ڈالنے کا کہ صبح کو تو قوم کا سردار رہوں اور رات کو ان کا سفیہ بن جاؤں۔ عباس بن مرداس کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور اللہ نے شراب کو حرام

قرار دیا تو مرداس کو اپنے اس فعل پہ اتنا فخر ہوا کہ وہ مرتے دم تک اس ذکر کرتے تھے کہ میں تو جاہلیت میں بھی شرابی نہ تھا۔

جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے تو لوگوں نے اُن سے کہا!

تمھاری ہڈیاں پتلی ہو چکی ہیں اور تمھارے جسم کو مشکل سے اٹھاتی ہیں تو تھوڑی سی نبیذ کیوں نہیں پی لیتا کہ جس سے تجھے کچھ طاقت حاصل ہو جائے۔

تو عباس بن مرداس نے لوگوں کو جواب دیا:

میں نے قسم کھالی ہے کہ میرے سر میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہو سکے گی جو میرے اور میری عقل کے درمیان حائل ہو اور تم چاہتے ہو کو میں شراب پیوں حالانکہ مدت ہوئی میں اس سے دوری اختیار کر چکا ہوں۔

××××××××

اور انھی میں ایک قیس بن عاصم بھی تھا جس نے شراب کو خود پہ حرام کیا ہوا تھا

اُن کو بھی اللہ نے اسلام کی دولت سے نوازا۔

جب شراب حرام ہوئی تو قیس بن عاصم لوگوں کو اپنا قصہ سنایا کرتے تھے کہ کس طرح انھوں نے شراب کو خود پہ حرام قرار دیا تھا۔

انھوں نے کہا!

کہ میرے ہمسائے میں شراب کا ایک تاجر تھا جس سے میں شراب خریدا کرتا تھا۔ایک دن میں نے اس سے شراب لی اور چاند کی روشنی میں بیٹھ کر اسے پینے لگا۔

شراب میرے دماغ کو چڑھ گئی اور میری عقل ماؤف ہوگئی۔

میری بیٹی میرے پاس سے گزری تو میں نے اس کے حسن کی تعریف کی اور اسے کھینچ کر اس کا کپڑا پکڑ لیا۔

وہ چیخی تو لوگ اکٹھا ہو گئے اور میں جواُن کا صاحبِ عزت فرد تھا اب بے وقار ہو چکا تھا۔

تب میں شراب کے اس تاجر کو پکڑا اور بہت مارا۔

پھر سوچا! اس کا کیا قصور۔

قصور تو میرا اپنا ہے اور تب نے میں شراب سے توبہ کر لی۔

××××××

اور یہ اشعار عربوں کے اسی سردار قیس بن عاصم کے ہیں۔

وتَاجِرٍ فَاجِرٍ جَاءَ الالٰہ بِہِ
کَاَنَّ لِحیَتَہ اَذنَابُ اَجمَالٍ
”اللہ نے ایک تاجر بھیجا جس کی داڑھی اونٹ کی دم کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔“

جاءَ الخَبِیثُ بِبَیسَا نِیَّۃٍ تَرَکَت
صَبِیّ وَاَھلِی بِلَا عَقلٍ وَلَا مَال
”وہ خبیث بیسانی شراب لے کے آیا تھا جس نے میرے ساتھیوں اور میرے گھر والوں سے عقل چھین لی اور مال بھی“۔

رَأَیتُ الخَمرَ صَالِحَۃً وَفِیھَا
خِصَالٌ تُفسِدُ الرَّجُلَ الحَلِیمَا
”میں نے شراب کو اچھا پایا مگر اس میں چند خصلتیں ایسی ہیں جو حلیم انسان کو خراب کر دیتی ہیں
۔“

فَلَا وَاللّٰہِ اَشْرَبُھَا صَحِیْحاً

وَلَا اَشْفٰی بِھَا اَبَدًا سَقِیْمَا

خدا کی قسم ! میں تندرست ہوتے ہوئے کبھی نہ پیوں گا اور نہ ہی کسی بیماری کا شراب کے ساتھ علاج کروں گا‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَلَا اُعْطِی بِھَا ثَمَنًا حَیَاتِی

وَلَا اَدْعُوْلَھَا اَبَدًا نَدِیْمَا

’’اور عمر بھر اس کی قیمت نہ دوں گا اور نہ کسی ندیم کو شراب پلانے کے لیے بلاؤں گا‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

کَاَنَّ الْکَرٰی سَقَّاھُمْ صَرْخَدِیَّۃً

عُقَارًا تَمَشَّتْ بِالْمَطَا وَالْقَوَائِمِ

’’ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نیند نے انھیں خوب صرخدی شراب پلا دی ہے جو پیٹھ اور ٹانگوں تک سرایت کر جاتی ہے[23*]‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

بدوی عرب خود کو دیگر لوگوں سے برتر محسوس کرتے ،وہ کہتے کہ ساری زمین کا حسن ،سارے آسمان کی وسعتیں ،ساری زمینوں کے پھول اور سارے چشموں کا پانی اُن کے لیے ہے وہ چند سو گز زمین کے مالک کو حقیر جانتے اور کہتے کہ وہ تو سارے صحرا کے خود ہی مالک ہیں۔

عربوں کے مسکن

عرب یعرب بن قحطان کی اولاد ہیں اور ان کا ابتدائی وطن یمن تھا۔قحطان کے دو بیٹوں نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ان میں ایک کا نام جرہم اور دوسرے کا نام یعرب تھا۔یعرب کی اولاد میں سے بنو کہلان اور بنو حمیر نے شہرت حاصل کی اور ان سے بیشمار قبائل اور خاندان معرض وجود میں آئے۔حمیر کی اولاد سے بنو قضاعہ ہیں جس کی بہت سی شاخیں اور قبیلے ہیں۔چنانچہ بلیٰ جہنیہ ،کلب ، بہرہ ، بنو نہد اور جرم وغیرہ بنو حمیر سے ہیں۔بنو کہلان سے ازد، طے، مزحج اور ہمدان نامی قبائل ابھرے۔ازد کی اولاد سے اوس وخزرج نے مدینہ کا رخ کیا اور یہودیوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔جفنہ بھی ازد ہی کا بیٹا تھا جو اہل غسان کا جدِ اعلیٰ تھا۔آل غسان نے شام کا رخ کیا اور وہاں اپنی مستحکم حکومت قائم کی۔جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے کہ بنو حمیر کے بادشاہوں نے یمن کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے سدِّ مآرب تعمیر کرایا جو بعد میں غضب الٰہی کا نشانہ بنا اور ٹوٹ گیا جس کی زد میں آکر بنو حمیر کے بہت سے قبائل اور خاندان صفحہ

ہستی سے مٹ گئے تب ان کی خوشحالی اور آسودگی ان سے روٹھ گئی۔ بنو حمیر کے قبائل پورے خطہ عرب میں بکھر گئے ان میں بنو ازد کے قبیلہ بنو ثعلبہ نے حجاز کا رخ کیا اور مدینہ منورہ تک پہنچے اور وہیں اقامت گزیں ہوئے۔ حارثہ بن عمرو جنہیں بنی خزاعہ کہا جاتا تھا انھوں نے بھی حجاز کا رخ کیا اور مکہ پہنچ کر ان کے اصل باشندوں بنی جرہم کو جلا وطن کر دیا اور خود مکہ پر قابض ہو بیٹھے۔ اہل یمن کا ایک اور قبیلہ عمران بن عمرو کی قیادت میں عمان کی طرف نکل گیا اور عمان کو اپنا وطن بنالیا۔

مورخین نے انھیں ازدِعمان کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ ان کے جدِ اعلیٰ کا نام ازد تھا۔ جفنہ بن عمرو شام کی طرف آئے اور ایک ایسے چشمے پر اپنے خیمے گاڑے جسے غسان کہا جاتا تھا اسی نسبت سے وہ بنو غسان یا ملوک غسان کہلائے۔ لخم بن عدی کا قبیلہ حیرہ کی طرف جا نکلا۔ انھی میں سے نضر بن ربیعہ ہے جو مناذرہ خاندان کے بادشاہوں کا باپ تھا۔ بنو ہذیل اجا اور سلمیٰ نامی پہاڑوں کی درمیانی زرخیز وادی پر قابض ہو گئے یہ دونوں پہاڑ ان کے لیے قدرتی دفاعی حصار بھی تھے۔ چنانچہ جزیرہ نما عرب کا درمیانی علاقہ جو حدود حجاز سے لے کر بادیہ شام تک پھیلا ہوا تھا ان میں اکثریت بنو اسماعیل ہی کی تھی جن کے قبائل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں ہم صرف عدنان کی اولاد کا ذکر کریں گے جس نے عرب میں بہت شہرت حاصل کی اور جو عرب میں اولاد اسماعیل علیہ السلام کا سنگم قرار پائی۔

مورخین اگرچہ اس بات پہ تو متفق ہیں کہ عدنان ذریت اسماعیل علیہ السلام سے ہیں مگر عدنان ان کی بیسویں پشت سے ہیں یا چالیسویں پشت سے اس بارے میں مورخین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے مورخین عدنان تک آ کے رک جاتے ہیں۔ عدنان کے دو بیٹے تھے جنھوں نے اوراقِ تاریخ میں شہرت حاصل کی جن میں سے ایک کا نام عک تھا اور دوسرے کا معد۔ عک کی اولاد تہامہ کے جنوب میں شہر زبید اور اس کے ارد گرد آباد ہوئی اور طلوع اسلام تک یہیں مقیم تھی۔ چونکہ انھوں نے کوئی ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس کا تذکرہ مورخین کے ہاں زندہ رہتا اس لیے تاریخ کے صفحات ان کے بارے میں خاموش ہیں۔ تاہم عدنان کے دوسرے بیٹے معد نے عرب میں بہت شہرت اور ناموری سمیٹی، قریش معد ہی کی اولاد تھے جنھوں نے اپنی سکونت کے لیے شہر خاص مکہ کا انتخاب کیا اور طلوع اسلام کے وقت تک وہ مکہ ہی میں مقیم تھے۔ بنو معد نے عربوں کی تاریخ میں ممتاز مقام

پیدا کیا اور اس کی نسل سے ایسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے جنھوں نے تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ یاد رہے کہ جب معد کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد محض معد کی ذات نہیں ہوتی بلکہ اس سے سارا قبیلہ مراد لیا جاتا ہے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں قبیلہ معد کو اہل عرب کے ہاں بڑی اہمیت حاصل تھی اس لیے کہ تعداد اور مادی وسائل میں انھیں دیگر عرب قبائل پر برتری حاصل تھی۔ معد کے دو لڑکوں کا ذکر مورخین نے کیا ہے جن میں سے ایک کا نام قنص اور دوسرے کا نام نزار تھا۔ یاد رہے کہ عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار اور نزار کے بیٹے مضر نبی اکرم ﷺ کے جدِ اعلیٰ تھے۔ جن کا تفصیلی بیان نسب پاک میں بیان کیا جائے گا۔ چنانچہ بنو نزار کی اولاد سے اس کے پانچ بیٹوں نے بہت شہرت حاصل کی جن کے نام قضاعہ، مضر، ربعیہ، ایاد اور انمار ہیں۔ بنو نزار کی رہائش گاہیں تہامہ حجاز اور نجد میں تھیں جن کی تفصیل مشہور مورخ ''البکری'' نے یوں بیان کی ہے

> ''بنی قضاعہ کے مساکن اور ان کی چراگاہیں بحر احمر کے ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف ذاتِ عرق تک پھیلی ہوئیں تھیں اور مضر کے قبائل حرم مکہ کے پڑوس میں سروات تک خیمہ زن تھے۔ ربیعہ اور اس کی اولاد غمزی کندہ کے پہاڑ سے ذاتِ عرق کے نشیب اور نجد کے پست علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ نزار کے دوسرے بیٹے ایاد اور انمار مصر کے درمیانی علاقے نجران کے درمیان اکٹھے ہی آباد ہو گئے تھے اور ان کے چچا کی اولاد سرزمین مکہ میں سکونت پذیر ہو گئی تھی اور اس علاقہ کی وادیاں اور گھاٹیاں اور گرد و نواح کا سارا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ مدتوں یہ تمام قبائل اپنے اپنے علاقوں میں باہم الفت و محبت سے زندگی بسر کرتے رہے ان سب بھائیوں میں اتفاق و اتحاد تھا جس کی ہیبت عرب کے دیگر قبائل پہ قائم تھی یہاں تک کہ ان کے درمیان فتنہ و فساد کی جنگ بھڑک اٹھی اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے جس کی وجہ سے ان کی طاقت بکھر کے رہ گئی اور عرب قبائل سے ان کا وقار جاتا رہا۔ نزار کی اولاد میں جنگ کی ابتدا ایاد بن نزار کی طرف سے ہوئی۔ تاہم اس جنگ سے ذلت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ مضر اور ربیعہ نے اپنے چچاؤں کی مدد سے اسے شکست فاش دی اسے

تہامہ کے علاقوں سے در بدر کر دیا اور بنوایاد بکھر کر رہ گئے۔ان کے کچھ قافلے تو سوادِ کوفہ میں اترے اور کچھ نے تکریت موصل اور حمص کا رخ کیا۔بنوایاد کے کچھ خاندانوں نے بنوغسان کے علاقوں میں پناہ لے لی اور ساتھ ہی ان کا مذہب (عیسائیت) بھی قبول کر لیا اور طلوع اسلام کے بعد اس کے دور عظمت میں جب حضرت عمر فاروق ؓ مسلمانوں کے خلیفہ تھے تو اس وقت تک بنوغسان میں بنی ایاد کے خاندان بہت بڑی تعداد میں پھیل چکے تھے اس کے علاوہ ان کے ہمراہ عربوں کے دیگر قبائل قضاعہ، بنوغسان، بنولخم اور جزام کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان کی تعداد پچاس ہزار سے زائد تھی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنا قاصد قیصر روم کی طرف روانہ کیا اور اسے تنبیہ کی کہ اس کے علاقوں میں بسنے والے عرب قبائل کو اسلام قبول کرنے سے نہ روکا جائے۔

××××××××

حضرت عمر فاروق ؓ کے قاصد نے ان عرب قبائل تک قرآن کے وہ نسخے پہنچائے جو وہ اپنے ساتھ مدینہ سے لائے تھے۔حضرت عمر فاروق ؓ نے قیصر روم کو تنبیہ کی کہ اگر تم نے اہل عرب کو قرآن پڑھنے یا اسلام لانے سے روکنے کی کوشش کی تو ہمارے ملک میں تیرے جتنے ہم مذہب ہیں میں ان سب کو قتل کرا دوں گا۔ جب بنوایاد اور دیگر عرب قبائل نے قرآن پڑھا تو وہ جان گئے کہ ان کی انجیل اور قرآن ایک جیسی شمع کی روشنی سے مزین ہیں اور ان دونوں کتابوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بیشتر بلکہ تمام ہی عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی دارالسلام کی طرف مراجعت سے پہلے ہی عربوں کی مسلمان افواج نے قیصر روم کے در و دیوار پہ ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ چنانچہ بہت سے عرب قبائل اس جنگ کے آخری نتیجے تک قیصر روم کی عملداری والے علاقوں میں ہی رہائش پذیر تھے اور جو ایک ایک کر کے اسلام کی ابدی حقیقتوں کے سامنے سرنگوں ہو رہے تھے۔بنوایاد نے جب اپنے ہی بھائیوں ربیعہ اور مضر پر حملہ کیا تو اس کے بعد ربیعہ اور مضر کی اولاد تہامہ ہی کے علاقوں میں مقیم رہی۔خاص طور پہ بنومضر کی اولاد نے بہت ترقی کی اور حجاز میں دور دور تک پھیل گئے یہاں تک کہ نجد کے بہت سے علاقے بھی ان کے قبضے میں آ گئے اور مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ کی ریاست بھی انھی کو تفویض ہوئی۔مضر کے بیٹوں کے نام عیلان اور الیاس

تھے جن کی اولاد سے عرب کے دو مشہور قبائل معرض وجود میں آئے جن کے نام ہوزان اور سلیم ہیں۔ بنو ہوزان ہی کی ایک شاخ بنی سعد ہے جو سعد بن بکر کی اولاد سے تھے اور ان کے ہر فرد کو سعدی کہا جاتا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ بھی انھی میں سے تھیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور ان کی رضاعی ماں بنی تھیں۔ اللہ نے ان کو یہ بلند رتبہ عطا فرمایا کہ رہتی دنیا تک تاریخ عالم میں حضرت حلیمہ سعدیہ کا نام لکھا جاتا رہے گا اور ان کے ذکر کے بغیر عربوں کی تاریخ کبھی مکمل نہ سمجھی جائے گی۔

××××××××

قسیٔ جس نے ثقیف کے نام سے شہرت حاصل کی وہ بھی بنو سعد سے تھا۔ قسیٔ پہلے تو کچھ عرصہ مکہ ہی میں رہا پھر وہ طائف کی طرف چلا گیا۔ اس نے قبیلہ قیس کے سردار عامر بن الظر العداونی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد اس نے اسی سردار کی دوسری بیٹی سے شادی کر لی پھر ثقیف کی اولاد ہی طائف کی حکمران بنی۔ ثقیف نے وادی وج میں انگوروں کے بہت سے باغات لگوائے تھے جن سے اسے بے پناہ فائدہ ہوا تھا اور انھوں نے ہی سب سے پہلے وادی وج کے گرد فصیل تعمیر کرائی اور یوں اس علاقے کا نام طائف پڑ گیا۔

××××××××

مضر کے دوسرے بیٹے الیاس کے ہاں بھی نامور بیٹوں نے جنم لیا جن کی اولاد سے بڑے بڑے قبائل وجود میں آئے۔ اس کے بیٹوں کے نام یہ ہیں'' قمعہ، طانجہ اور مدرکہ، ہم صرف مدرکہ کا ذکر کریں گے۔ کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے جدِ اعلیٰ میں سے ہیں۔ کیونکہ مدرکہ سے خزیمہ اور خزیمہ سے کنانہ اور کنانہ سے نضر اور نضر سے مالک اور مالک کے بطن سے فہر نے جنم لیا اور اسی کو قریش کہا گیا جو قبیلہ قریش کا جدِ اعلیٰ تھا۔ یعنی عرب کا یہی وہ خاص خاندان تھا جس میں نبی اکرم ﷺ نے جنم لیا اور لوگوں کو تیرگی کے اس اندھے غار سے نکالا جس میں نجانے وہ کب سے سسک رہے تھے۔ الیاس بن مضر کے بیٹوں مدرکہ اور طانجہ کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جس میں مدرکہ کو فتح حاصل ہوئی۔ بنی طانجہ تہامہ سے نجد اور حجاز کے علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ جبکہ فہر بن مدرکہ کی اولاد مکہ کے ارد گرد آباد ہو گئی یہاں تک کہ قصی بن کلاب کی قیادت

میں انہوں نے مکہ کو فتح کیا اور خود کو اتنا مستحکم کیا کہ بعثت نبوی بلکہ فتح مکہ تک کعبۃ اللہ اور وادی مکہ کا اقتدار عملاً اہل قریش ہی کے پاس تھا[24*]۔

تاریخ کی راکھ تلے

یادرکھیں کہ عربوں کا قدیم مسکن جہاں سے نکل کر وہ تمام اطراف میں پھیلے وہ جزیرۃ العرب ہی تھا۔ جو آباد دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ اِن کے اعلیٰ علاقے اور افضل خطے وہ ہیں جہاں کعبہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے شہر آباد ہیں اور اس کے ارد گرد کے علاقے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کی حدود وسیع اور دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں جسے مغرب کی جہت سے لے کر شام کے صحرا گھیرے ہوئے ہیں، یعنی بلقاء سے لے کر ایلاء تک۔ پھر بحرِ قلزم ہے جو ایلہ سے شروع ہو کر مصری حاجیوں کے راستے سے ہوتا ہوا حجاز تک جاتا ہے۔ اور وہاں سے یمن تک جہاں قبیلہ طے، زبید اور اُن کے آس پاس دوسرے عرب قبائل آباد تھے۔ یاد رہے کہ یمن کے یہ قبائل صدیوں پہلے اس وقت یہاں آباد ہوئے تھے جب سیل ارم کی وجہ سے انھیں اپنے علاقے چھوڑنے پڑے تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سدّ مآرب ٹوٹنے کے نتیجے میں جب قوم سبا منتشر ہوئی تو اس کے کئی قبائل نے سرزمین یمن کا رخ کیا اور اِن میں بکر، ربیعہ اور مضر کے قبائل شامل ہیں۔ بعد میں یہی لوگ یمن سے ہجرت کر کے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ جزیرہ میں اتر آئے اور اِن علاقوں کی

سرسبزی کی وجہ سے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ چنانچہ تب سے اِن علاقوں کو دیارِ بکر، دیار ربیعہ اور دیارِ مضر کہا جانے لگا۔ عادِارم سدمآرب ٹوٹنے کے سبب جب اپنے وطن کی حسین اور سرسبز وادیوں سے جدا ہوئے تو انھوں نے یمن کو حجاز کے علاقوں میں بہت سے شہر بسائے جن میں بیشتر وقت کی راکھ تلے گم ہو گئے انھی میں سے کچھ شہروں کا تذکرہ یہاں مقصود ہے جو اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکے اور اُن کا صرف تذکرہ باقی رہا کہ ثبات صرف اللہ کے نام کو ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جزیرہ کے اس علاقے کے صحرا گھاس پھوس اور قسم قسم کے پھولوں سے بھرے پڑے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آلِ بکر بن وائل نے اس علاقے کو اپنا مسکن بنالیا۔ یہاں پرندے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی پھول ہو جسے سونگھنے والی ناک نے کہیں سونگھا ہو وہ اِس علاقے میں ضرور پایا جائے گا اور کوئی سا پرندہ بھی جو اس کے وہم و خیال میں آ سکتا ہو وہ یہاں کے جنگلوں کی فضا میں جولاں نگاہ بنا نظر آئے گا۔ مگر آج کل اس قوم کے وہ لوگ جو گذشتہ زمانوں میں یہاں آباد تھے یہاں آباد نہیں۔ بلکہ اب مختلف ملتوں اور مختلف جنسوں کے لوگ یہاں بس رہے ہیں۔ ان میں سلف کی خاصیتیں نہیں پائی جاتیں اور یہ گذشتگان کی سی فصاحت کے بھی مالک نہیں۔ پاک ہے وہ خدا جس نے بکر بن وائل کے گھروں کو اُن لوگوں سے خالی کر دیا جو اس کے ادب کو اور بہار کے پھولوں کو دیکھا کرتے تھے اور انھیں اس طرح کا چٹیل میدان بنا دیا کہ اب وہاں کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا جو عربوں کے کلام کو تفہیم کا ذریعہ بنائے۔ حالانکہ یہاں کئی ادیب ہوئے ہیں جن کی نظم و نثر میں مٹھاس تھی ، کئی ایک دانشور ہوئے جنھوں نے صحیح رائے کی کمان سے تیر چلائے۔ خدا اِن کے ہاتھ شل نہ کرے۔ مگر حوادثِ دہر نے انھیں اپنے گھروں سے نکال کر اس طرح بکھیر دیا جس طرح تیر ترکش سے نکل کر بکھر جاتے ہیں اور انھیں ان کی مرضی کے خلاف قبروں کے دیوان میں مٹی کے تودوں کے نیچے اکٹھا کر دیا۔ خدا اِن کی خاکِ نمناک کو سیراب کرے جس سے اِن کے دارالاقامت میں خیر و برکت پیدا ہو۔ اور عرب جن شہروں میں پہلے پہل اترے یا یوں کہہ لیں کہ عہدِ جاہلیت میں جو شہر معرض وجود میں آئے اِن میں ایک شہر تھا جس کا قدیم نام تو معلوم نہیں ہو سکا مگر آجکل اسے آمد کہتے ہیں۔ یہاں کی آب ہوا نہایت بری ہے اور اسے کوئی جسم پسند نہیں کرتا۔ عربوں میں اس شہر کی آب و ہوا کے بارے میں مثل معروف تھی کہ اس شہر کی آب و ہوا تو شظاظ [25*] سے بھی زیادہ راہزنِ صحت ہے اور اعصاب میں اس طرح سرایت کر

جاتی ہے کہ معنی بھی الفاظ میں اس طرح سرایت نہیں کرتے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہاں کی ہر چراگاہ میں بخار مقیم رہتا ہے اور امراض ہر گھر میں چکر کاٹتے رہتے ہیں اِن کے شیر خوار بچوں پہ بخار حملہ آور رہتا اور وہ جیسے اِن کے پنگھوڑوں میں مقیم ہوجاتا اس لیے اِن کے بچوں کی رنگت زرد ہوجاتی اور وہ یوں معلوم ہوتے جیسے اِن میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ یہاں تک کہ اِن کے نوجوانوں کی حالت بھی ایسی تھی کہ یوں لگتا جیسے مردے قبروں سے نکل آئے ہوں اور اُن میں دور دور تک کوئی ایسا شخص دکھائی نہ دیتا جو اپنی جوانی کے گھاٹ پر پیاسی آنکھوں سے وارد ہوا ہو بجز چند آدمیوں کے کہ زمانہ کبھی غلطی سے ایسا بھی کر دیتا ہے کہ دیگر ممالک کی عورتوں کی طرح اِن میں کوئی ایسی عورت بھی پائی جاتی ہو جس میں خوبصورتی کے آثار ظاہر ہوں۔ اگرچہ عام طور پہ یوں ہی ہوتا ہے اِن کی عورت بیشتر اس سے کہ وہ تبسم ریز ہو بیماریاں اسے رلانا شروع کر دیتیں اور دکھ درد چھو کر اس سے رعنائی کے سارے ہنر چھین لیتے۔

تاہم عربوں کے اِن علاقوں کے بارے میں علامہ محمود شکری آلوسی نے اپنے دادا کی حکائت بیان کی ہے۔ انھوں نے اِن علاقوں کا سفر کیا تھا وہ ان مقامات کی تعریف کرتے ہیں اور اِن علاقوں کی آب و ہوا کے متغیر ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اِن علاقوں کا اطراف متعفن ہے اور اِن کے محلوں میں بدبودار پانی ہے اور آبادیوں سے باہر ایسی دلدلیں ہیں جن کے حالات اِن گندگیوں کی وجہ سے دِگرگوں ہیں جو اِن کی سطحوں کے اوپر جاگزیں ہے۔ اِن لوگوں کے چشموں اور کنوؤں کا بھی یہی حال ہے کہ ان پانیوں میں مردار پائے جاتے ہیں اسی طرح یہاں کی بلند فصیل بھی اِن امور کے اسباب میں سے ایک ہے جو اِن کی آب ہوا کے تغیر کی وجہ ہیں۔ اِن کا پانی ناپسندیدہ ہے جسے کوئی بھی عقلمند منہ لگانا پسند نہیں کرے گا۔ آمد شہر کے بارے میں بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس شہر کے عین بالمقابل عیسائیوں کی ایک بستی تھی جس کا نام قطربل تھا اور اِن دونوں کے درمیان دریائے دجلہ ہے۔

بعض نے خیال کیا ہے کہ اسی جگہ بعد میں بغداد کا عظیم الشان شہر تعمیر ہوا مگر یہ خیال بالکل غلط جس کی کئی وجوہات مورخین نے بیان کی ہیں جن کا یہاں تذکرہ محض طوالت کا باعث ہوگا جس سے ہم گریز کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قطربل بغداد نہیں جس کا ذکر ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے بلکہ یہ شہر شراب پیدا کرنے والا ایک شہر تھا جس کے اکثر باشندوں کا شغل یہی تھا کہ شراب کشید کرتے اور اسے دور دور تک پہنچاتے۔ قطربل کے اردگرد کے بہت سے علاقوں کے مکینوں کا طرزِ عمل بھی یہی تھا اور وہ شراب کشید

کرنے کے کسب سے ہی متعلق تھے۔ پھر ایک عرصہ گزرا اور یہاں کی حالت میں تبدیلی در آئی اور یہاں کے مکینوں کی حالت دِگرگوں ہوگئی اور شراب کی اِس دوکان پہ موت نے غلبہ پالیا۔ اِن کی انگور کی بیلیں خشک ہوگئیں اور شراب کے مٹکے ٹوٹ گئے۔ تب شب و روز کے محتسب نے صرف اِن کا افسانہ باقی رہنے دیا جسے حرفوں کے پیالوں میں قلموں کے ساقی کتابوں کی دکانوں میں گرداں رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا ایک شاعر کہتا ہے:

زَمَانٌ بِمَا فِيهِ انْقَضٰى فَهُوَ مَا تَرٰى
اَحَادِيث تُجْلُوه عَلَى السَمْعُ اَفْوَاهٗ

"زمانہ اور جو کچھ اِس میں تھا سب گزر گیا اب صرف افسانے رہ گئے ہیں جنھیں لوگوں کے منہ کانوں پہ جلوہ افروز کرتے ہیں"۔

اور اسی علاقے کے بعض اطراف میں عربوں کے قبیلے بنو مضر کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِن علاقوں کے باسی وہ عرب تھے جن کا تعلق قبیلہ طے سے تھا۔ اِس علاقے میں انھوں نے جو بستیاں آباد کی تھیں اُن کے نام سروج، رقہ اور رحبہ مالک بن طوق ہیں۔ مالک بن طوق ہارون الرشید کی فوج کا سپہ سالار تھا اور اُن کی انھی بستیوں میں ایک بڑا شہر قرقیسیا بھی تھا جو اب بے آباد ہے اور انھی میں ہند بنت ریان کا شہر بھی ہے جس نے جذیمہ الابرش کو قتل کیا تھا۔ کبھی یہ شہر دیارِ مضر کا اہم شہر تھا۔ جزیرے کی انھی بستیوں میں ایک شہر دارا بھی تھا جسے سکندر اعظم نے تباہ کیا تھا مدتوں اس کے آثار باقی رہے۔

عربوں کا ایک شاعر غالباً انھی شہروں کے بارے میں کہتا ہے:

وَلَقَدْ قُلْتُ لِرَحْلِی
بَیْنَ حَرَّان وَدَارَا

’’حران اور دارا (انھی علاقوں کی دو بستیوں یا شاید شہروں کا نام ہوگا) میں اپنی بیوی سے کہا۔

اِصبِری یَا رَحلُ حَتّٰی
یَرْزُقَ اللّٰہُ حِمَا رَا

’’اے میری بیوی! کچھ اور صبر کر لے کہ شاید اللہ نے ہمارے نصیب میں سواری لکھی ہو اور وہ ہمیں کوئی گدھا عطا کر دے‘‘۔

جن علاقوں میں بنو ربیعہ آباد تھے انھیں دیارِ ربیعہ کہا گیا اور انھوں نے ایک شہر نصیبین بسایا جہاں کا سفید گلاب خاص طور پہ شہرت کا حامل تھا اور یہ سفید گلاب بنو ربیعہ کے ان علاقوں سے دور دور تک بھیجا جاتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ خدا کی عجیب حکمت ہے کہ اِن کے علاقوں میں ایک بھی سرخ گلاب نہ اگتا تھا۔ شہر نصیبین کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ بنو ربیعہ اس علاقے میں اس کے دو دریاؤں کی وجہ سے آباد ہوئے کہ اِس شہر میں دو دریا بہتے تھے جن میں سے ایک کا نام سفید دریا اور دوسرے کا نام سیاہ دریا تھا۔ لوگ ان دونوں دریاؤں کے کناروں پہ بستے تھے اور یہ دریا اس علاقے کے کسانوں کو بہت فائدہ پہنچاتے تھے اس لیے اُن کی زمینیں سر سبز اور کھیت ہرے بھرے رہتے تھے جو انھی دریاؤں کے پانی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ مورخین نے مزید لکھا ہے کہ دریائے سفید اور دریائے سیاہ کے اوپر اُن لوگوں نے لکڑی کے تختوں سے ایک پُل تیار کیا تھا جس کی بلندی پانی سے بس کچھ ہاتھ ہی اوپر تھی جس کی وجہ سے اس پل پر سے گزرنے والا یوں محسوس کرتا جیسے وہ دریا کے بیچوں بیچ سے گزر رہا ہو۔ اس پُل کے نیچے سے پانی بہت

تیزی سے بہتا اور اُن کی زمینوں کو سیراب کرتا۔ بالآخر وہ دریائے فرات کے ساتھ جا ہمکنار ہوتا اور اس کے پانی فرات کی وسیع وسعتوں میں گُم ہو جاتے۔ دیارِ ربیعہ کے اِس شہر کی آب و ہوا بھی سخت بری تھی اور یہاں کے پانی بھی شدید ناقص تھے جس کی وجہ سے یہاں کے اکثر باشندوں کو بخار گھیرے رکھتا۔ مورخین نے یہ عجیب بات بھی روایت کی ہے اس علاقے کی آب و ہوا اتنی بری اور شدید تھی کہ درختوں پہ بیٹھی چڑیاں بے حال ہو کر نیچے گرتی اور مر جاتیں کوئی نہیں جانتا کہ اِن کے اس آزار کا سبب کیا تھا۔ چنانچہ کہا گیا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ شہر رہتی دنیا تک تاریخ کے دھاروں میں زندہ رہتا کیونکہ اس کی زرخیز زمینیں اتنی زیادہ فصل اُگایا کرتیں جو کسی اور علاقے کی زمینوں سے حاصل کرنا ناممکن تھا۔ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک وقت میں یہ شہر بہت بڑا تھا اور لوگ دور دور سے آ کر اس میں مقیم ہوتے مگر اپنے پیاروں کو اس کے بخار کی بھینٹ چڑھا کر یہاں سے رخصت ہو جاتے پھر لوگوں نے اس شہر سے ہجرت شروع کر دی اور مدتوں لوگوں کے کچھ قافلے اس شہر میں اترتے رہے اور زیادہ تر قافلے یہاں سے دور جانے کی تگ و دو میں مصروف رہے۔ آخر اس شہر کے مکینوں کی مصیبتوں اور لیل و نہار کے حوادث نے اس شہر سے اِس کے باسی چھین لیے اور بنو ربیعہ کے خاندان بھی ایک ایک کر کے یہاں سے جزیرۃ العرب کے علاقے حجاز میں منتقل ہوتے رہے اور آخر یہ شہر نابود ہو کے رہ گیا اور آج کوئی نہیں جانتا کہ درست طور پہ یہ شہر کہاں آباد تھا۔

مورخین نے دجلہ کے مغربی کنارے پہ ایک اور شہر کا ذکر کیا ہے جو دراصل پہلے ایک چھوٹی سی بستی تھی جس میں دو عرب بھائی جن کا تعلق بنو تغلب سے تھا آباد ہوئے۔ مورخین نے اِن کے نام حسن بن عمر بن تغلبی اور عمر بن اوس تغلبی بیان کیے ہیں۔ اس بستی کا نام جزیرہ ابن عمر بیان کیا گیا ہے۔ ابن اثیر جزری [26*] اور دیگر فاضل علماء جن کی تالیفات سے زمانے کا سینہ مزین ہے کا تعلق جزیرہ ابن عمر ہی سے تھا۔ یہ ہلالی شکل کا ایک شہر تھا جس میں نہ کوئی نور تھا نہ کوئی اور خوبی۔ اِس کی وجہ بھی یہاں کی ہوا کا مضر صحت اور اس کے اطراف کا بدنما ہونا تھا۔ اگر دجلہ اس پر مہربان نہ ہوتا جو اس کے اوپر سے گزر کر اسے جزیرہ بنا دیتا ہے تو لوگ یہاں سے کوچ کر جاتے اور ابن عمر جس کی طرف یہ منسوب ہے اور جس پر اس کی شہرت کا دارومدار ہے بعض مورخین کے قول کے مطابق وہ یوسف بن عمر ثقفی [27*] تھا۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جزیرہ ابن عمر بنو تغلب کے لوگوں نے آباد کیا تھا اور یہاں اترنے والے اولین لوگوں میں حسن بن عمر التغلبی تھا جو

دوسری صدی ہجری میں وہاں کا حاکم تھا۔ابن المستوفی کی تاریخ میں بیان کیا گیا کہ جزیرہ ابن عمر اوس اور کامل نامی دو شخصوں نے آباد کیا جو عمر بن اوس تغلبی کے بیٹے تھے۔تاریخ ابن خلکان میں بھی جزیرہ ابن عمر کا کچھ تذکرہ کیا گیا جس میں اسے دیگر افراد کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر ہمارے نزدیک قابل اعتماد بیان وہی ہے جو معجم البلدان میں مذکور ہے۔تاریخ المستوفی کا بیان بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔اس جزیرے میں جو دجلہ اور فرات کی درمیانی گزرگاہ پہ آباد تھا عربوں کی آبادیوں میں ایک آبادی شہر موصل میں تھی جس نے تاریخ میں اپنا نام پیدا کیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ آمد اور دیگر شہر جہاں کی آب و ہوا سخت اور صحت افزا نہ تھی عربوں کے بہت سے قبائل وہاں سے منتقل ہو کر موصل میں آباد ہو گئے جن میں بڑی تعداد ربیعہ اور مضر کے خاندانوں سے تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ شہر اسلامی قلمرو میں شامل ہوا۔فاتح موصل کے بارے میں مورخین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کچھ مورخین کا خیال ہے کہ اسے حضرت عیاض بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا تھا[*28]۔بعض مورخین کے مطابق شہر موصل کے فاتح سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں[*29]۔ایک مشہور مثل کے مطابق شہر موصل حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کا شہر ہے اور اس شہر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر اس شہر کے دریا کی گہرائی ناپنے کے لیے اپنا آلہ اس میں ڈالا تو وہ زمین تک پہنچ گیا۔بعض مورخین نے لکھا ہے اس شہر کا نام موصل اس لیے پڑا کہ یہ جزیرے اور فرات کو ملاتا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ بلد اور حدیثہ کو ملاتا ہے۔بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ موصل دراصل اس بادشاہ کا نام تھا جس نے پہلے پہل اس شہر کو بسایا تھا۔ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ موجود نہیں ہے جس کے ذریعے ہم یہ جان سکیں کہ مورخین کے ان بیانات میں سے درست بیان کونسا ہے۔یاد رہے کہ مورخین نے بھی شہر موصل کی وجہ تسمیہ کو یقین کے طور پہ نہیں بلکہ روایت کے طور پہ بیان کیا ہے۔تاہم مورخین نے اس بات کو پورے یقین سے بیان کیا ہے آج کا شہر موصل جو عراق میں واقع ہے وہ قدیم شہر موصل نہیں جس کا بیان یہاں جاری ہے اگرچہ قدیم شہر موصل بھی آج کے شہر موصل سے زیادہ دور نہیں ہے۔مگر معجم البلدان[*30] میں جو بیان مسطور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید شہر موصل قدیم شہر موصل کے کھنڈرات پہ تعمیر کیا گیا ہے اور آج بھی اس شہر میں ہزاروں سال پرانے شہر موصل کے کچھ آثار موجود ہیں اگرچہ لوگوں کو اِن کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔عربوں کی قدیم تاریخ سے

متعلق ایک کتاب ''غرائب الاغرب'' میں اس شہر کے متعلق بیان کیا گیا کہ یہ شہر عمدہ آب وہوا اعلیٰ اوصاف کا مالک تھا یہاں کا پانی میٹھا، مٹی اور ہوا عمدہ تھی اِس کا پانی ہاضم تھا۔ وہ شہروں میں بہترین شہر تھا اور اسے بہترین شہروں کی ناف قرار دیا گیا۔ کسی اور نے لکھا کہ وہ شہروں میں بہترین شہر تھا وہ شہروں کا روشن چہرہ اور چمکدار پیشانی تھی ۔ یہاں سال میں دو مرتبہ بہار آتی تھی لہٰذا یہی شہر دنیا کا واحد شہر تھا جسے دو ربیعوں کی ماں قرار دیا گیا۔ یہاں کی اراضی کی جنس دو فصلوں سے اٹھتی تھی اور یہاں کے باسی گدلے پن کے عارضے سے پاک ہیں یعنی اِن کے چہرے صاف روشن اور چمکدار ہوتے ۔ اور یہ شہر اُس دلہن کی طرح ہے جسے زیور اور آرائش سے مزین کیا گیا ہو یا اِن گانے والیوں کی طرز پہ ہے جنھوں نے منقش اور ریشمی لباس پہن رکھا ہو اور اِن کے پاؤں کے نیچے ایرانی قالین اور یمنی چادریں بچھی ہوں۔

چنانچہ اُن کا ایک شاعر کہتا ہے:

كَا ئَنَّ نَسِيْمَ الرِّيحِ فِى جَنْبَا تِهَا

نَسِيْمُ حَبِيْبٍ اَوْ لِقَا ءُ مُؤَمَّلٍ

''اس کے اطراف میں بادِ نسیم یوں محسوس ہوتی ہے جیسے محبوب کی نسیم یا اس شخص سے ملاقات جس کی آمد کی امید کی جاتی ہو''۔

وَ لَيْسَ يَصِحُّ فِى الأعيَانِ شَئِيَ

مَتَٰى احتَاجَ النَّهَارُ اِلَى دَلِيْلٍ

''جب دن کو ثابت کرنے کے لیے بھی دلیل کی ضرورت پڑ جائے تو پھر دنیا کی کوئی چیز بھی صحیح ثابت نہیں ہوسکتی''۔

أ مِنْ بَابُلٍ اَمْ مِنْ لَواحِظِكِ السِّحْرُ
وَمِنْ عَانَةٍ اَمْ مَنْ مَراشِفِكِ الخَمْرُ
''کیا یہ تمھاری آنکھوں کا جادو ہے یا بابل کا کیا یہ تمھارے ہونٹوں کی شراب ہے یا عانہ کی''۔

وَهَلْ مَا أَرَاهُ المَوتُ أم حَادِث النَّوىٰ
وَهَلْ هُوَ شَوقٌ بَيْنَ جَنْبِي اَمْ جَمْرُ
''کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یعنی موت ہے یا تمھاری جدائی کا حادثہ کیا میرے پہلو میں محبوبہ کا عشق ہے یا کوئی انگارہ''۔

غَلَبْنَا بَنِی حَوَّاءَ مَجْدًا وسُودَدَا
وَلٰكِنَّنَا لَمْ نَسْتَطِعْ غَلَبَ الدَّهْرِ
''اور ہم اپنی بزرگی اور سرداری کی بدولت حوا کی اولاد پر غالب آ گئے ہیں مگر زمانے پر غالب آنے کی قدرت نہ رکھ سکے [31*]''۔

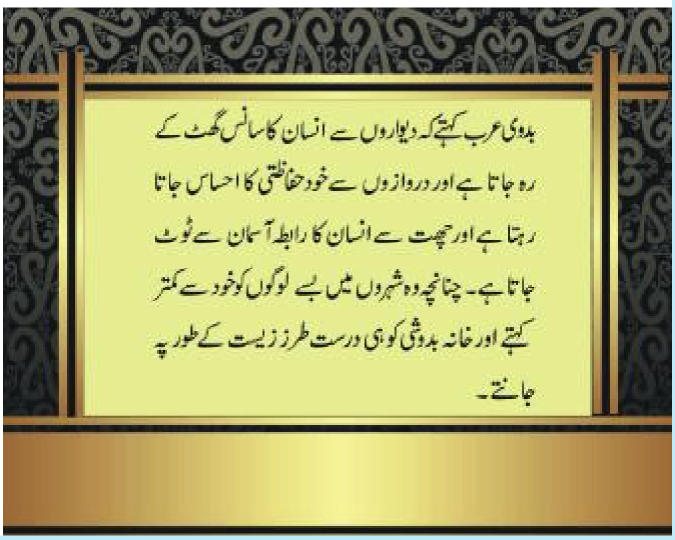

قوم عرب کا شمار غالباً دنیا کی سب سے قدیم اقوام میں ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد وہ قوم عاد، ثمود اعمالقہ، طسم، جدلیس، امیم، جرہم، حضرموت اور سام بن نوح کی اولاد کی صورت خطہ عرب میں موجود تھی جنھیں عرب عاربہ کہا گیا۔ بعدازاں قوم عرب ان اقوام کی صورت رونما ہوئی جن کا نسب حمیر، کہلان اور تبع سے تھا۔ان کا نسبی تعلق عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام کی اولاد کے ساتھ بھی تھا۔ پھر اسی حالت میں ایک مدت گذری تب نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے عامر بن شالخ کی اولاد کو نبوت سونپی گئی کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی نسبت زیادہ صاحب علم تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابراہیم بن تارخ کو نبوت کے لیے مخصوص کیا گیا۔تارخ کا اصل نام آذر بن ناحور بن ساروخ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ملک عرب میں سکونت اختیار کی اور ایک عرب قبیلہ بنو جرہم کے ہاں شادی کی اور ان کی زبان اپنائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جرہم اور اعمالقہ کی طرف مبعوث کیا جو حجاز میں آباد تھے۔ ان میں سے بہت لوگ آپ پر ایمان لے آئے تا آنکہ ایک بہت بڑی نسل کو آپ سے نسبت حاصل ہوگئی جن میں ربیعہ، مضر

،ایاد، عک اور عدنان شامل ہیں۔حضرت اسماعیل ؑ کی نسل کے لوگ ان کو العرب التابعہ للعرب کہتے تھے اور ان کے جانشین عرب قبائل چٹیل میدانوں ریگستانوں اور کھلی زمینوں میں بدوی زندگی گذارتے تھے اور کبھی آباد جگہوں یعنی بڑے بڑے شہروں میں حجاز یمن اور مصر کے بالائی حصے نوبہ، حبشہ، شام، عراق، بحرین، فارس کرمان اور خراسان کے علاقوں میں زندگی کرتے تھے۔ان قبائل کے لوگوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ احاطے اور شمار میں نہ آتی تھی۔اگرچہ اہل عرب نے بہت سے اور بڑے بڑے عظیم شہر بسائے اور ان میں رہے مگر ان کی طبع میں بادیہ نشینی کی طرف میلان پایا جاتا رہا۔وہ شہری زندگی کے مقابلے میں بدوی طرزِ زیست کو پسند کرتے تھے۔چنانچہ لغت میں بادیہ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کوئی عمارت نہ ہو مثلاً گھر محل یا چار دیواری وغیرہ اور اسی کو بدو بھی کہا جاتا ہے اور بدوی اس کی اسم نسبت ہے اور بداوی کے معنی ہیں بادیہ میں اقامت گزیں ہونا جو حضارۃ یعنی شہری ہونے کی ضد ہے۔مورخ المسعودی نے اپنی تاریخ میں ان امور کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی وجہ سے اہل عرب بدوی زندگی کو حضروی زندگی پر ترجیح دیتے تھے وہ لکھتا ہے:

''کہ عربوں نے محسوس کیا کہ زمین میں اِدھر اُدھر دوڑتے رہنے اور مختلف اوقات میں زمین کے مختلف حصوں کا انتخاب کرتے رہنے میں عزت ہے اور یہ طریق خودداری کے قریب ہے عرب خود پہ کسی دوسرے کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔اس لیے جہاں ان کا جی چاہتا سکونت اختیار کر لیتے وہ زمین کے ایک ہی منظر سے اکتا جاتے تھے اس لیے ان کی طبع اور رجحان کے حوالے سے ان کا بدوی طرز زندگی ان کے مزاجوں سے موافقت رکھتا تھا۔وہ بادیہ نشینی کی آزادی اور نعمتوں سے آگاہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی عربوں کی سرشت میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ بلند مرتبہ ہوں ہمت اور قدر حاصل کریں اور خودداری کے اعلیٰ منصب پہ فائز ہوں۔انھیں عیب لگنے سے غیرت آئے اور وہ عار سے بھاگتے رہیں۔لہٰذا جب انہوں نے اپنی فردگاہوں کے بارے میں سوچا اور اپنے وطن کے چناؤ کا فیصلہ کیا تو آزاد اور تاحدِ نظر وسیع منظروں کا چناؤ کیا۔اس لیے کہ یہ خیال ان میں راسخ تھا کہ کچھ زمینیں جسموں کی طرح بیمار ہوتی ہیں اور ان پہ آفتیں آتی رہتی ہیں اور ضروری بات یہ ہے کہ جگہ کے چناؤ میں جگہ کی

صلاحیت کو مدنظر رکھا جائے۔اسی طرح انھوں نے شہروں اوراس کی آب و ہوا اوراس کی عمارتوں میں رہنے کے متعلق غور کیا تو اس میں ان کو نقص اور عیب نظر آیا۔وہ خیال کرتے تھے کہ جب کسی جگہ کی ہوا بھاری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مکینوں کے مزاجوں پہ اثر انداز ہوتی ہے اوراپنے باشندوں کے لیے نقصان کا باعث ہوتی ہے ان کی رائے اور رجحانات کو بدل دیتی ہے۔وہ سمجھتے تھے کہ عمارتیں اور دیواریں بنانے سے انسان زمین میں تصرف کرنے کے قابل نہیں رہتا۔اس کی صلاحتیں بھی ان دیواروں کی مقید ہو جاتی ہیں اوران کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔اہل عرب کے اندر جو خاص بات پائی جاتی تھی وہ نیکی اور شرف میں آگے بڑھنے کی امنگ تھی جس کو وہ دیواروں میں قید نہ کرنا چاہتے تھے اس لیے وہ کھلی فضاؤں کو پسند کرتے تھے اور انھی میں اپنے شب روز بتانے کو ترجیح دیتے تھے۔بلند دیواروں سے گھری جگہیں انسان کو اس کی خوارک سے بھی روک لیتی ہیں اوراس کی آزادی بھی چھین لیتی ہیں جس پہ عرب اپنی ہر شئے قربان کرنے کو تیار رہتے تھے"۔

××××××××

عرب کہتے کہ دیواریں ہوا روک لیتی ہیں آوازیں ان کے پیچھے گم ہو جاتی ہیں اور راستہ چلنے والے کے لیے راستوں کو آلودہ کر دیتی ہیں اور ایسی حالت پہ رہنے میں کوئی بہتری نہیں۔لہٰذا اہل عرب اپنی سکونت کے لیے دور جنگلوں میں ڈیرے ڈالتے۔صحرا کی وسعتوں میں خیمے لگاتے۔چانداور سورج سے براہ راست مخاطب ہوتے۔اس لیے کہ ویرانوں میں نہ تکلیف ہوتی اور نہ کسی تکلیف سے لڑنا پڑتا ہے۔وہاں نہ تکلف ہوتا اور نہ متکلف۔وہاں زندگی بدمزہ نہیں ہوتی ہوا تیز ہوتی ہے مگر اس کے دامن میں وباء نہیں ہوتی اوران جگہوں میں عقلیں مہذب ہوتی ہیں اور مختلف مسکنوں کی طرف منتقل ہوتے رہنے کی وجہ سے انسانی طبع پاکیزگی کی طرف مائل ہوتی ہے۔مزاج صحیح رہتا ہے اور عقل قوی،رنگ صاف ہوتا ہے اور جسم مضبوط رہتے ہیں کیونکہ عقلیں اور رائیں وہیں پیدا ہوتی ہیں جہاں سے ہوا پیدا ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ فضا ہی ہوا کی طبیعت ہوتی ہے اور فضا میں انسان بیماریوں اور دیگر بہت سے آلام سے بچا رہتا ہے۔چنانچہ اسی لیے عربوں نے بادیہ میں سکونت اختیار کرنے اور بیابانوں میں اترنے کو پسند کیا۔اسی وجہ سے وہ سب

لوگوں سے زیادہ قوی ہمت زیادہ مضبوط عقلوں والے، زیادہ تندرست جسموں والے، زیادہ قوی پڑوسیوں والے، عہد وپیاں کی زیادہ حمایت کرنے والے، زیادہ سخاوت کرنے والے، زیادہ مہمان نوازی کرنے والے شجاعت اور نیکی میں پہل کرنے والے، مظلوم کی زیادہ حمایت کرنے والے، زیادہ فصیح و بلیغ زبانوں والے، زیادہ علم وبیاں والے، زیادہ پند ونصائح والے، زیادہ شعر وقصائد والے، زیادہ حلم و عفت والے، زیادہ غیرت وحمیت والے، زیادہ علوم وفنون والے، زیادہ عفت وحیا والے، زیادہ عبقری نگاہ والے، زیادہ عزم وحوصلے والے تھے۔

اور یہ سب ان کو بیابانوں کی ان وسعتوں اور ان کی نکھری ہواؤں نے عطا کیا تھا۔شہروں میں انسانی بدنوں کے اجزاء اس گرد وغبار کی وجہ سے جو ان کے صحنوں اور ان کے رستوں میں موجزن رہتا اور کثیف کدورتوں اور گندگی کی تکالیف سے بھرا رہتا اور ایک جگہ عرصہ تک مقیم رہنے والے پانیوں سے اٹھتے بخارات ان کی بارش تک کو آلودہ کر کے رکھ دیتے جس کو عرب حقارت کی نگاہ سے دیکھتے کہ وہ تو ان بارشوں کے عادی تھے جو شیشے کی طرح چمکتے بادلوں سے ان کے بیابانوں پہ برستی ہیں اور ان کے خیموں سے اٹھنے والی مہک ان کو دیوانہ کئے دیتی ہے۔ پھر اہل عرب کو دیگر بادیہ نشین اقوام پہ اس لیے بھی فضیلت حاصل تھی کہ انہوں نے ہر رنگ کی جگہ کو اپنے لیے منتخب کیا اور مختلف مقامات اور وادیوں میں گھاس اور پانی کی کھوج میں نکلے رہے۔اس طرح وہ عرب کردوں اور ان درشت خو اقوام کی بدخوئی سے کنارہ کش رہے۔ وہ ان لوگوں کی صحبت سے بھی دور رہے جو زمین کے گڑھوں اور ہموار میدانوں میں رہتے تھے اور جو پہاڑوں کی وادیوں اور پستیوں اور بلندیوں میں مقیم رہتے تھے۔اس لیے کہ زمین کی بلندیاں اور پستیاں ان کے اخلاق پہ اثر انداز ہوتی تھیں اور زمین کا یہی عدم اعتدال ان کے مکینوں کے اخلاقی عدم اعتدال پہ دلیل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے اکثر قبائل نہایت درشت خو اور اعلیٰ انسانی اوصاف سے عاری نظر آتے ہیں۔ کسریٰ نوشیرواں شہنشاہ فارس کے دربار میں جب ایک بدوی کا شہنشاہ سے سامنا ہوا تو اس نے اس عرب بادیہ نشین سے پوچھا کہ بتا تم نے بادیہ نشینی کو کیوں اختیار کیا تو عرب بادیہ نشیں نے جواب دیا۔

اس لیے کہ وہ جن زمینوں کے مالک بنے تو ان کا مالک نہ بن سکا اور جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے تیری طرح خود کو دیواروں میں نہیں چنا، بلکہ ان دیواروں کی بجائے ان کا بھروسہ

اپنے بازوئے شمشیرزن پہ رہا، ان کو اپنے بھورے تیروں اور بوسیدہ کمانوں سے محبت ہے اس لیے وہ کسی قطعہ زمین پہ اترتے ہیں تو اس کے حسن پہ تو ضرور اتراتے ہیں مگر زمین کی ملکیت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جب ان کا جی بھر جائے گا تو یہ زمین ان کے لیے بیکار ہو جائے گی"

کسری نے اس سے پوچھا کہ تم کو آسمان میں سے کیا حصہ ملا تو اس بادیہ نشین نے جواب دیا:

"کہ فرقدان اور کہکشاں کی چوٹی سے نیچے اسدالجدی سے لے کر زمین پر جھانکتا ہوا چاندان کا ہے، بادلوں میں مصوری کے دلکش اور ہر پل بدلنے والے سارے لمحے ان کے ہیں ،موسلا دھار بارش اور شیر کی طرح چنگاڑتے بادل ان کے ہیں اور ان سے برستا پانی ان کی روحوں میں تازگی کا سبب ہے اور نیلے آسمان کی وسعتوں میں قطار اندر قطار پرندے ان کے لیے منظروں کو سجاتے ہیں، غرض سارا آسمان انہیں کا ہے اور تمہارا حصہ صرف اتنا ہے کہ جب تم نگاہ اٹھاؤ"

اور تمہاری ہوائیں کیا ہیں کسریٰ نے عرب بادیہ نشین سے پوچھا؟

ساری ہوائیں ہماری ہیں جن کے اور ہمارے بیچ کوئی دیوار ہے نہ کوئی اجنبیت ہماری ہوائیں پانچ ہیں اور پہچان کے لیے ہم نے ان کے نام رکھے ہوئے ہیں کہ سہیل سے لے کر فجر کی سفیدی کے کنارے تک چلنے والی ہوا کو ہم جنوب کہتے ہیں اور جوان دونوں کے مقابل ہو یعنی مغرب کی جانب سے سامنے کی طرف چلتی ہو اس کو ہم شمال کہتے ہیں اور جو کعبہ کی پچھلی طرف سے آئے اس کا نام دبور ہے اور جو کعبہ کے سامنے سے آئے وہ صبا ہے اور جو ہوا اپنی جہت بھولی ہوئی ہو وہ نکباء ہے۔

اور تمہاری خوراک اور خصائل کیا ہیں کسریٰ نے عرب بادیہ نشین سے پوچھا؟

عرب بادیہ نشیں نے جواب دیا کہ ہماری خوراک سادہ ہے اور ہم گوشت دودھ نبیز اور کھجور

کھاتے ہیں اور ہمارے خصائل یہ ہیں کہ ہم عزت کو پسند کرتے ہیں، اور شرف کی حفاظت کرتے ہیں بزرگی کے کام کرتے ہیں، مہمان کی خدمت کرتے ہیں، خوف زدہ کو پناہ دیتے ہیں اور پناہ حاصل کرنے والوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہم دیتیں اور تاوان ادا کرتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر اپنی جان قربان کرتے ہیں، ہم رات کے مسافر ہیں اور دن کو شیر کی طرح گذارتے ہیں، ہم خشکی کو آباد کرنے والے اور چٹیل میدانوں سے انس رکھنے والے ہیں ،ہمیں قناعت سے الفت ہے اور ہم مقام ذلت کو چھوڑ کے آگے نکل جاتے ہیں، ہم اپنا خون نہیں بھولتے اور بدلہ لینے والے ہیں، ہم عار سے خار کھانے والے اور عہد کی حمایت کرنے والے ہیں''

××××××

بہر حال عربوں نے بادیہ نشینی کی حقیقت کو پورے طور پہ سمجھا تھا اور اس کی لطافتوں سے کماحقہٗ آگاہ تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی سکونت کے لیے جنگلوں بیابانوں اور پہاڑی وادیوں کو منتخب کیا ان میں سے بعض نجد کے صحراؤں میں مقیم تھے اور کچھ قبائل نے تہامہ کی پست زمینوں میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ مثلاً غور، بیسان اور شام کے علاقوں میں یا فلسطین اور اردن کی زمینوں میں یا غزہ اور غور کی زمینوں میں، جہاں لخم اور جزام کے لوگ آباد تھے۔ تمام عربوں کے اپنے پانی تھے جہاں وہ اکٹھے ہوتے تھے، ماء ضارج، ماء العقیق، ماء السباط اور اسی قسم کے بہت سے نام ہیں جو ان پانیوں کے ہیں جو عرب قبائل کے تصرف میں تھے۔ علامہ زمخشری، ابو الغدیٰ اصفہانی اور دیگر آئمہ نے اپنی کتابوں میں بہ تفصیل ان کا ذکر کیا ہے جنھیں ہم طوالت کے خوف کی وجہ سے نظر انداز کرتے ہیں۔ اہل عرب جانتے ہیں کہ بادیہ نشینی کی زندگی اور شہری زندگی کے بنیادی طبائع میں بعد المشرقین ہے اور یہ فرق ہر انسانی پہلو کو محیط ہے۔ جیسا کہ حواسِ ظاہر اور حواس باطن میں صورتوں میں اخلاق میں قوت میں، ضعف میں، لب ولہجہ میں، ہاتھ کی سخاوت میں ، جرأت اور شجاعت وغیرہ میں پایا جاتا ہے اور جن کی تفصیل کے لیے بہت سا وقت چاہیے یہاں تک کہ جو شخص بادیہ کی نباتات اور شہری نباتات کے درمیان بھی موازنہ کرے گا وہ جانے گا کہ ان کے درمیان کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے اور یہی حال وہاں کے وحشی اور پالتو جانوروں اور پرندوں کا ہے کیونکہ یہ اپنے

اوصاف اور خواص میں شہری جانوروں سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں کئی فصلوں کے بیچ شہری اور بدوی زندگی کے اس فرق کو بیان کیا ہے جس کی بنیاد اخلاق اور اوصاف پہ رکھی ہے۔

''اور بادیہ نشینوں کی ایک برتری یہ ہے کہ وہ شہریوں کے مقابلے میں قدیم اور پہلے ہیں، اور یہ کہ بادیہ آبادی کی اصل ہے اور شہر بادیہ کے مددگار ہیں اس لیے کہ بدوی لوگ اپنے حالات میں صرف ان چیزوں پہ اکتفاء کرتے ہیں جو ان کے لیے ضروری ہوں اور جو چیز ان کی ضرورت سے زائد ہو وہ اس سے دستکش رہتے ہیں۔ شہری اپنی حاجات کے معاملے میں ناز و نعمت پر زور دیتے ہیں اور اپنے حالات اور عادات میں کمال تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یاد رہے کہ امور حاجات امور کمال پہ متقدم ہیں اس لیے بھی کہ ضروری اصل ہے اور کمال اس کی فرع، لہٰذا صحرا شہر اور شہری زندگی کی اصل ہیں اور اصول یہ ہے کہ انسان کا سب سے پہلا مقصد اس چیز کا حصول ہوتا ہے جو ضروری ہو اور لازم ہے کہ وہ صفت کمال تک تب ہی پہنچے گا جب ضروری چیزیں اسے پہلے سے حاصل ہوں لہٰذا بدویت کی تکلیف دہ زندگی شہر کی آرام دہ زندگی سے پہلے ہوگی اور بدوی لوگوں کی شہری لوگوں پہ ایک برتری یہ بھی ہے کہ وہ بدوی لوگ شہری لوگوں کے مقابلے میں نیکی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ جب نفس ابھی اپنی پہلی فطرت پہ قائم ہوگا تو وہ ان امور کو قبول کرنے کے لیے جو اس پہ وارد ہوتے ہیں زیادہ مائل ہوگا۔ چنانچہ خیر اور شر سے جو چیز بھی اور جس قدر بھی اس کے پاس پہلے آئی ہو گی اسی قدر دوسری چیز اس سے دور ہوگی اور اس کی طبع اس کے اکتساب سے میلان نہ کھائے گی۔ اس لیے ان بدوی لوگوں کے پاس جن کو نیکی کی عادت ہو اور انھیں اس کا ملکہ حاصل ہو وہ شر سے دور رہے گا اور شر کا راستہ مشکل سے پکڑے گا اور یہی اصول اس بری عادت والے پر بھی لاگو ہوگا جس کے پاس بدی نیکی سے پہلے پہنچی ہو۔ اور ان صحرا نشینوں کی اہل حضر پہ ایک برتری یہ بھی ہے کہ صحرا نشین لوگ شہری لوگوں کے مقابلے میں شجاعت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ناز و نعمت میں ڈوبے ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنے پہلوؤں

کو آرام وراحت کی عادت ڈال رکھی ہوتی ہے اور اپنے مال وجان کی حفاظت اپنے حاکموں کے سپرد کر رکھی ہوتی ہے جو ان پہ حکمران ہوتا ہے ان کا اعتماد ان حفاظتی فوجوں پہ ہوتا ہے جو حاکم نے اپنے مفاد کی خاطر تیار کر رکھی ہوتی ہیں اور ان کا اعتماد ان قلعوں اور ان فصیلوں پہ ہوتا ہے جو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل ہوتی ہیں لہٰذا انھیں نہ تو دشمن کی للکار جوش میں لاتی ہے اور نہ ان کا شکار بھاگتا ہے اور ذرا سے دباؤ پہ وہ غافل اور بے خوف ہو کر اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اسی حال میں جب ان کی کئی نسلیں گذر جاتی ہیں تو وہ ان عورتوں اور بچوں کی مانند ہو جاتے ہیں جو گھر کے مالک کے دست نگر ہوں۔ وقت گذرنے کے ساتھ یہی خصلت ان کے اندر پختہ ہو جاتی ہے جب کہ اس کے برعکس بدوی چونکہ عام معاشرے سے الگ تھلگ رہتے اور اطراف شہر میں تنہا ہوتے ہیں وہ کسی حفاظتی فوج سے دور ہونے اور دیواروں اور دروازوں سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے اپنی حفاظت خود کرتے ہیں وہ اپنا کوئی کام نہ کسی اور کے سپرد کرتے ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی پہ اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہر وقت ہتھیار اٹھائے رہتے اور راہ پر چلتے ان کی نظریں کسی عقاب سے بھی زیادہ تیز ہوتیں، وہ اپنے آرام وراحت اور نیند کو بھی اہمیت نہ دیتے بلکہ جس حال میں بھی ہوتے ذرا آنکھ لگا لیتے چاہے۔ وہ کوئی ویران راہ گزر ہو یا اونٹ کا پالان۔ انھیں اپنی ذات پہ بلا کا اعتبار ہوتا جس کے بھروسے وہ ویران اور بے آباد علاقوں میں بھی اپنے شکار کا پیچھا کرنے سے نہ ہچکچاتے اور جب کوئی پکارنے والا ان کو مدد کے لیے پکارے تو ایک لمحہ کی دیر بھی نہ لگاتے اور اس اجنبی کی مدد کو پہنچتے جس سے وہ ناآشنا ہوتے۔ وہ دشمن کی للکار اور دوست کی پکار میں فرق کرنا جانتے تھے اور شہری لوگوں کی بدوی لوگوں کے مقابلے میں تنزلی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حاکم کے حکموں سے خائف رہتے ہیں جس سے ان کی جرأت تباہ ہو کے رہ جاتی ہے اور ان کی قوت مدافعت جاتی رہتی ہے۔ چونکہ شہری کے لیے بادیہ کی سکونت ممکن نہیں اس لیے کہ وہاں کوئی بھی اپنی انفرادی حیثیت سے نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بدوی قبیلے کا فرد ہو، اور عرب بادیہ نشینوں کی اہل شہر پہ ایک برتری یہ ہے کہ وہ شہریوں کے مقابلے میں خالص نسب والے لوگ ہوتے ہیں جو شہروں میں ممکن ہی نہیں اور یہ کہ بادیہ کے لوگ غلبہ

پانے کی بہتر قدرت رکھتے ہیں ۔اور یہ کہ جب کوئی قوم بدوی اور غیر مہذب ہو تو اس کی حکومت زیادہ وسیع ہوتی ہے اور یہ کہ بدوی سیاست سے بہت دور ہوتے ہیں۔ بادیہ کے لوگ ان شہروں میں نہیں رہ سکتے جن کی آبادی زیادہ ہو۔ بادیہ نشینوں کا قبائلی اور سماجی نظام ہی ان کا قانون ہوتا ہے اور قبیلہ کا سردار ہی ان میں عدل کی نشانی ہوتا ہے اور ان کی جنگیں زیادہ تر مفاخرت پہ مبنی ہوتی ہیں اور دیگر بہت سے پہلو افتراق کے ہیں جو بادیہ نشینوں اور اہل حضر کے مابین موجود ہیں اور جو خاص ان کتابوں میں مذکور ہیں جو ان عنوانات پہ لکھی گئی ہیں۔ہم اسی بیان پہ اکتفاء کریں گے کہ پاک ہے خدا کی وہ ذات جس نے ہر قوم کو ان خصوصیات کے باعث ممتاز کر رکھا ہے جو اوروں میں نہیں پائی جاتیں اور ان کو وہ صفات عطا کر رکھی ہیں جو اوروں کے پاس نہیں جاتیں اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے نیز یہ کہ تمہاری زبانیں اور رنگ مختلف بنائے کہ اس میں بھی جہان والوں کے لیے نشانیاں ہیں[32*]۔

××××××

چونکہ بادیہ نشینی اس بات کی مقتضی تھی کہ اپنی عزت اور شرف کو بچایا جائے لہٰذا بیشتر عربوں نے اسے شہری زندگی پہ ترجیح دی ۔ وہ اکثر بادیہ کے ساتھ اپنی شیفتگی کا اظہار کرتے رہتے تھے اور وہاں کے وحشی جانوروں ، پرندوں ، ہواؤں ، بادلوں ، اپنے خیموں ، صحرا کی وسعتوں ، درختوں ، پست اور بلند زمینوں ، نخلستانوں اور پانیوں کی یاد میں شعر کہتے رہتے اور یوں خوئے بادیہ نشینی کی مدح میں قصائد مرتب ہوتے رہے مورخین نے عرب شعرا کے کلام کا بہت سا حصہ محفوظ رکھا ہے جس سے قصائد بادیہ کے چند نمونے پیش کرنا یہاں مقصود ہے جس کا آغاز امیر معاویہؓ کی بیوی کے اس قصیدے سے کرتے ہیں جو عرب شاعری کا ایک شاہکار ہے۔روایت یہ ہے کہ بحدل کی بیٹی جب امیر معاویہؓ کی بیوی بنی تو وہ اسے اپنے ساتھ ملک شام لے گئے جہاں ایک شام حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی بیوی کی زبان سے بادیہ کے لوگوں اور اس کے موسموں کی یاد سے معمور یہ اشعار سنے۔

لَبَيْتٌ تَخْفِقُ الْاَرْوَاحُ فِيهِ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قَصْرٍ مُنِيف

یقیناً وہ خیمہ جس میں ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہوں مجھے ایک بلند محل سے زیادہ پیارا ہے۔

وَ لُبْسُ عَبَاءَةٍ وَ تَقَرَّ عَيْنِی
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوف

اور میں ایک چوغہ پہنے رہوں اور میری آنکھوں کو قرار ہو یہ میرے لیے باریک کپڑے پہننے سے زیادہ محبوب ہے۔

وَ اَكْلُ كُسَيْرَةٍ فِی كِسْرِ بَيْتِی
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَكْلِ الرَّغِيف

اور خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھ کر روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھانا میرے لیے چپاتی کھانے سے زیادہ محبوب ہے۔

وَ اَصْوَاتُ الرِّيَاحِ بِكُلِّ فَجٍّ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَقْرِ الدُّفُوف

اور ہر پہاڑی راستے میں ہواؤں کی آواز کا سننا میرے لیے دف کے بجنے سے زیادہ محبوب ہے۔

وَ كَلْبُ يَنْبَحُ الطُرَّاقَ دُوْنِیْ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قِطٍ اَلُوفٍ

اور وہ کتا جو رات کے آنے والوں کو میرے آگے ہو کر بھونکے میرے لیے پالتو بلی سے زیادہ محبوب ہے۔

وَ بکْرُ یَتْبَعُ اْلَا ظَعْانَ صَعْبُ
اَحَبُّ اِلَیّ مِنْ بَغْلٍ اَلُوئفٍ

اور ایک اکھڑ اونٹ جو ہودوں کے پیچھے پیچھے جاتا ہو میرے لیے کسی تیز رفتار خچر سے بہتر ہے۔

و خِرقٌ مِنْ بَنِی عَمّی نَحِیْفُ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ عِلجٍ عَلِیْفٍ

اور میرے چچا کے بیٹوں میں سے ایک دبلا پتلا خوبصورت اور اچھی خصلت والا نوجوان مجھے ایک موٹے اور پیٹو آدمی سے زیادہ پیارا ہے[*33]''۔

چنانچہ یہی اشتیاق تھا جو صحرا نشینوں کے دل میں ہمیشہ آباد رہتا۔ چاہے وہ بادیہ میں سکونت پذیر ہوں یا شہر میں۔ مگر عام طور پہ دل کی گہرائیوں سے محبت کے نغمے تب ہی پھوٹتے ہیں جب دل کسی کے فراق میں تڑپ رہا ہو چاہے وہ اپنا وطن ہو یا وطن میں کوئی خاص ہستی ہو جس نے دل میں ڈیرے ڈال رکھے ہوں۔ اب ہم راغب اصفہانی سے قبیلہ ضبئی کی ایک عورت کا قصیدہ پیش کرتے ہیں جو بادیہ سے شہر کی طرف لائی

گئی تھی۔ روایت ہے کہ حسانہ نامی یہ عورت بہت خوبصورت تھی جس کی وجہ سے کوئی عرب سردار اس سے شادی کر کے اسے شہر میں لے آیا تھا۔ اس کا محل بہت ہی بڑا اور خوبصورت تھا۔ ایک دن جب حسانہ اپنے محل کے پائیں باغ میں نہایت ہی لطیف اور بارونق موسم میں پھولوں اور ریاحین کے درمیان بیٹھی تھی تو اس کی کسی کنیز نے اس سے اس کے وطن کے بارے میں سوال کیا۔ جواب میں حسانہ نے دیر تک سر جھکائے رکھا۔ جب سر اٹھایا تو اس کی زبان سے یہ شعر ادا ہوئے اِن کی فصاحت و بلاغت پر نظر رہے۔

اَقُوْلُ لِاَدْنیٰ صَاحِبِیَ اُسِرُّہٗ
وَلِلْعَیْنِ دَمْعٌ یُحدِرُ الکُحْلَ سَاکِبُہٗ

اور میں نے اپنے قریب ترین ساتھی کو راز کی بات بتائی اور میری حالت اس وقت یہ تھی کہ میری آنکھ سے بہنے والے آنسو میرا سرمہ دھو رہے تھے۔

لَعَمْرِیْ لَنَھْرٌ بِاللِّوٰی نَازِحُ القَذٰی
بَعِیدُ النَّوَاحِیَ غَیرُ طَرْقٍ مَشَارِبُہٗ

میری جان کی قسم یقیناً وہ نہر جو لویٰ کے مقام پر ہے اور جس سے تنکے دور رہتے ہیں اور بعید از اطراف ہیں اور جس کے گھاٹوں میں اونٹ نہیں گھسے ہوتے۔

اَحَبُّ اِلَیْنَا مِنْ صَھَارِیْجَ مُلِّئَتْ
لِلَعْبٍ وَلَمْ تَمْلُحْ لَدَیَّ مَلَاعِبُہٗ

ان حوضوں کے مقابلے میں میرے لیے زیادہ محبوب ہے وہ جنہیں کھیل کود کے لیے بھرا گیا مگر مجھے اس کی کھیلیں بھی اچھی نہ لگتی ہوں۔

فَيَاحَبَّذَا نَجْدٌ وَ طِيْبُ تُرَابِهِ
اِذَا هَضَبَتْهُ بِالعَشِيِّ هَوَاضِبُهُ

نجد اور اس کی مٹی کی پاکیزگی کے کیا کہنے جب کہ رات کے وقت اس کی زمینوں پہ بادل برسیں۔

وَا رِيْحُ صَبَا نَجْدٍ اِذَا مَا تَنَسَّمَتْ
ضُحىً اَوْسَرَتْ جُنْحَ الظَلَامِ جَنَائِبُهُ

اور نجد کی بادِصبا کے کیا کہنے جب یہ چاشت کے وقت چلتی ہے یا نجد کی جنائب نامی ہوارات کی تاریکی میں چلے۔

وَاُقْسِمُ لَا اَنْسَاهُ مَادُمْتُ حَيَّةً
وَمَادَامَ لَيْلٌ مِنْ نَهَارٍ يُعَاقِبُهُ

اور میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں اور جب تک رات اور دن باری باری آتے رہیں گے میں اس نہر کو نہ بھول سکوں گی۔

وَلَا زَالَ هٰذَا القَطْرُ يُسْفِرُ لَوعَةً
بِذِكْرَاهُ حَتّٰى يَتْرُكَ المَاءَ شَارِبُهُ

اور خدا کرے یہ بارش اس کی یاد میں دل کی جلن کا اظہار کرتی رہے تا آنکہ پانی پینے والا پانی پینا چھوڑ دے اور یقیناً ایسا کبھی نہ ہوگا[34*]''۔

عرب کے جاہلی شعرا میں سے ایک کا نام زیاد بن حمل بن سعد بن عمیرۃ بن حریث بتایا جاتا ہے۔ یہ وادیٔ نجد کا ایک بادیہ نشین تھا جسے حالات نے وادیٔ یمن کے ایک بہت بڑے شہر صنعاء میں لا پھینکا۔ زیاد کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ نجد کی وادیٔ اشی کی یاد میں جلنے لگا۔ تب اس کی زبان سے یہ شعر ادا ہوئے جنہیں ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

وَجَدًّا حِيْنَ تُمْسِى الرِّيْحُ بَارِدَةً
وَادِىْ أُشَيٍّ وَ فِتْيَانٌ بِهٖ هُضُمُ

اور جب رات کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو اس وقت اشی کی وادی اور وہاں کے سخی نوجوان کیا ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

يَا لَيْتَ شِعْرِى عَنْ جَنْبَىْ مُكَشَّحَةٍ
وَحَيْثُ تُبْنٰى مِنَ الْحِنَّاءَةِ الْاُطُمُ

کاش مجھے **مکشحہ** کے نخلستان کے دونوں پہلوؤں کے متعلق معلوم ہوتا اور اس مقام کے متعلق معلوم ہوتا جہاں حنا نامی ریت کے قریب قلعہ بنایا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

عَنِ الْاَشَاءَةِ هَلْ زَالَتْ مَخَارِمُهَا
وَ هَلْ تَغَيَّرَ مِنْ آرَامِهَا اِرَمُ

یعنی وادی اشیٰ کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ کیا اس کی پہاڑیوں کی چوٹیاں اپنے مقام سے ہٹ گئیں ہیں اور کیا اس کے ان پتھروں میں سے جو لوگوں کی راہنمائی کے لیے نصب کئے جاتے ہیں کوئی ایک پتھر بھی متغیر ہوا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَجَنَّةٍ مَا يَذُمُّ الدَّهْرَ حَاضِرُهَا
جَبَّارُهَا بِالنَّدٰى وَالْحَمْلِ مُخْتَزِمُ

اور اس جنت کے متعلق مجھے معلوم ہو جہاں کا رہنے والا کبھی بھی اس کی مذمت نہیں کرتا اور جس کے کھجور کے لمبے لمبے درخت رطوبت اور شگوفوں سے لدے ہوئے ہیں[35*]''۔

بنی قریط کا ایک سیاہ غلام بھی زبان و بیان کی کن بلندیوں پر فائز تھا۔اس کا اندازہ ذیل میں پیش کئے گئے ان اشعار سے کیا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے وطن سے فراق میں کہے۔

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً
وَصَدَّاءُ مِنِّیْ وَالْبِیَاضُ بَعِیْدُ

کاش مجھے معلوم ہو کہ کیا میں ایک رات بھی اس طرح گزاردوں گا جبکہ صدا اور چشمہ اور بیاض شہر مجھ سے دور ہوں گے۔

بِوَادٍ مِنَ اللَّعْبَاءِ اَعْلَاهُ عَوْسَجٌ
وَاَسْفَلُهُ رِمْثٌ عَلَيْهِ جَهِيْدُ

لعباء کی وادی جہاں اوپر کے حصے میں جھاڑیاں اور نچلے حصے میں اونٹوں کے کھانے کی رمث نامہ کھٹی بوٹی ہے جسے اونٹ بہت پسند کرتے ہیں۔

وَ هَل اَسْمَعَنَّ الدَّهرَ اَصْوَاتَ فِيْۃٍ
بِذِی الْھُوْزَوَی مِنْ نَاشِی وَ وَلِیْدٖ

اور کیا میں ذی الہوزی کے مقام پر ان لوگوں کی آوازیں سن سکوں گا جن میں کچھ جوان ہیں اور کچھ بچے۔

اَیَا جَبَلَیْ غوْرَیْ تِھَامَۃَ کُلَّمَا
تَطَالَلْتَ نَجْدًا اَشْرَفَتْ لِیْ ذُرَاکُمَا

اے تہامہ کی دونوں پست زمینوں کے دو پہاڑو جب بھی گردن لمبی کر کے نجد کو دیکھتا ہوں تو تمہاری چوٹیاں میرے لیے چمک اٹھتی ہیں۔

عَدِمْتُکُمَا لَایُوْنِسَ النَّاظِرُ الَّذِیْ
بِہٖ الشَّوقُ شَیْئًا دُوْنَہٗ قُلَّتَاکُمَا

خدا کرے میں تمہیں معدوم پاؤں، میری نگاہِ اشتیاق کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جس کے سامنے تمہاری دونوں چوٹیاں ہوں۔

اَصَابَکُمَا مِنْ حُبِ نَجْدٍ حَرّارَۃٌ
وغُلٌّ فَلَا یَرْوِیْ بِمَاءٍ صَدَا کُمَا

خدا کرے تمہیں نجد کی محبت میں حرارت اور ایسی پیاس لگے کہ تمہاری پیاس پانی سے نہ بجھے۔

مَتَی العِیسُ مِنْ مِصرٍ بِنَا رَ اَفِعَاتُنَا
اِلَی نَجْدَ اوَ بَادٍ لِعَیْنِی قِلَالُهَا

اور سفید اونٹ ہمیں کب مصر سے نجد تک جلدی سے پہنچا دیں گے یا کب اس کی چوٹیاں میری آنکھ کے سامنے ظاہر ہوں گی۔

وَ مُزْجٍ اِلَیْهَا الطَّرْفَ حَتّٰی یَرُدَّهٗ
قَمُوْسُ القُریٰ فِی الْبُعدِ یَخْفِقُ آلُهَا

اور بلند دکھائی دینے والی بستیاں کب ہماری نگاہ اس طرف دھکیل دیں گی اور دور سے ان کے سراب حرکت کرتے دکھائی دیتے ہوں گے۔

عَلَی مِنْ عَادِیٍ کَاَنَّ اَمَارَهٗ
رِجَالٌ تُنَادِیْ اَفلَتَتهَا جِمَالُهَا

ایک پرانے اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر جو اس قدر تیز چل رہا ہو کہ یوں معلوم ہو رہا ہو کہ اس نے ان دو آدمیوں سے وعدہ کر رکھا ہے جن کے اونٹ چھوٹ گئے ہوں اور وہ لوگوں کو پکار رہے ہوں۔

خَلِیلَیَّ اِ ءْنْ حَانَتْ بِمِصرٍ مَنِیَّتِیْ
وَاَزْمَعْتُمَا اَنْ تَحْفِرَ اِلَی بِهَا قَبِرَا

اور اے میرے دوستو! اگر مصر میں میری موت کا وقت آ جائے اور تم میرے لیے قبر کھودنے کا اردہ کرو تو۔

فَلَا تَنْسَيَا اَنْ تَقْرَاٰ عَلَى الْغَضٰى
وَ نَجْدٍ سَلَامًا لَا قَلِيْلًا وَ لَا نَزْرًا

تو تم میری طرف سے **غضیٰ** (جھاؤ کی قسم کا ایک درخت ہے) اور نجد کو سلام کہنا نہ بھول جانا (اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ سلام) کم نہ ہو۔

وَاِنْ سِيْرتُمَا سُبْحَانَ رَبِّى بِالْغَضٰى
اَوِ الْمَرْتِ مِنْ نَجْدٍ مُخَيَّةً صُعْرًا

سبحان اللہ! اگر تم **غضیٰ** میں یا نجد کے بے آب و گیاہ جنگل میں چلو جب اونٹ نڈھال ہو چکے ہوں اور ان کے چہرے مڑ چکے ہوں۔

اَلَا لَيْتَ شِعْرِى هَلْ اَبِيْتَنَّ لَيْلَةً
بِصَحْرًا مَابَيْنَ الْجُثُومِ اِلَى شِعْرًا

کاش مجھے معلوم ہو کہ کیا میں جثوم اور شعر کے درمیان صحرا میں ایک رات بھی گذاروں گا۔

وَهَلْ اَرِدَنَّ الْعَيْنَ وَ الشَّمْلُ جَامِعٌ
مُقِيْمُ النَّوٰى قَدحَانَ ذَاكَ عَامَى قَدَرِىْ

اور کیا میں چشمے پر ایسی حالت میں وارد ہوں گا کہ جب میری پراگندہ جماعت ایک جگہ اکٹھی ہوگی اور سفر کے بعد مقیم ہوگئی ہوگی اور میری تقدیر میں ایسا وقت آ گیا ہوگا۔

وَ هَلْ اَرَيَنَّ الَّرمْلَ يَا اُمَّ خَالِد
رَمِيْثَ اللّوىٰ مِنْ قَصْدِ مُطَّلِعِ الفَجْرُ

اے ام خالد! کیا رمل کے مقام پر موڑ پہ اگنے والی رمث کی بوٹی کو جسے اونٹ بہت پسند کرتے ہیں میں پھر کبھی صبح طلوع ہونے کے وقت دیکھ سکوں گا۔

فَكَيْفَ وَلَمْ اُصْبِحْ اُحَدِثُ فِتْيَةً
كِرَامَ المَسَاعِيْ مِنْ رَبِعْيَةَ اُوَوُبْر

اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ میں نے نوجوانوں سے بات ہی نہیں کی جو قبیلہ ربیعہ اور وبر میں اچھے کاموں کی کوشش کرنے والے تھے۔

حَمىٰ سَرْبَهُمْ فِى كُلّ يَوْمِ كَرِيْهَةٍ
مَصَاعِيْبُ اَمثَال الْمعَبَّدَةِ الْزُّهْرِ

اور ان کے مال اور مویشیوں کو ہر جنگ کے دن وہ نر مرد بچاتے ہیں جو مطیع اور روشن لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔

اَلَآيَا دِيَارَ الْحَىّ وَا لْحَىُّ جِيْرَةٌ
بِحَيْثُ تَنَهَّتْ فِى الْعرُوْقِ جُبُوبُهَا

اے میری محبوبہ کے قبیلے کے گھر وجب کہ ان کا قبیلہ ہمارے پڑوس میں آکر ٹھہرا تھا اس مقام پر جہاں گڑھوں کا پانی جڑوں تک پہنچ جاتا ہے۔

سَقَتْكَ نِجَاءٌ مِنْ رَبِيْعٍ تَتَابَعَتْ
عليَكَ وَهَبَّتْ غَيْرُ نَحْسٍ جُنُوْبُهَا

خدا کرے تجھے موسم ربیع کے وہ بادل سیراب کریں جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں خدا کرے بادِ جنوب خوش بختی لے کر چلتی رہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَلَا لَيْتَ شِعْرِى هَلْ يَعُوْدَنَّ مَامَضٰى
لَنَا فِيْكَ اَمْ هَلْ تَغْفِرَنَّ ذُنُوبُهَا

کاش مجھے معلوم ہو کہ آیا وہ زمانہ جو ہم تمہارے اندر گذار چکے ہیں پھر لوٹ کر آئے گا یا کیا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَقَدْ كَانَ بِلَّدِ هٰنَا حَيَاةٌ لَذِيْذَةٌ
وَمُخْتَطَبٌ لَايُشْتَرَى بِالدَّرَاهِمِ

اور دھنا کی زندگی کتنی مزے کی ہوا کرتی تھی اور وہاں ایندھن کاٹنے کی جگہ تھی جسے پیسوں سے نہیں خریدا جاسکتا[36*]"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

ایک اور بادیہ نشین شاعر اپنے وطن کی یاد میں بے قرار ہوا تو اس کی زبان سے یہ شعر ادا ہوئے شاعر کا نام صدقہ بن نافع عقیلی بیان کیا گیا ہے۔

اَرِقْتُ بِحَرَّانَ الْجَزِيْرَةِ مَوْهِنًا
لِبَرْقٍ بَدَا اِلٰى نَاضِبٍ مُتَعَالِىْ

اور میں رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد جزیرہ کے حران شہر میں جاگتا رہا بادلوں کے بیچ اس چمکتی ہوئی بجلی میں۔

بَدَا مِثْلَ تَلْمَاعِ الْفَتَاةِ بِكَفِّهَا
وَمِنْ دُوْنِهٖ نَاءٍ وَعَبْرُ قِلَالِ

اور یہ بجلی اس طرح ظاہر ہوئی کہ جس طرح کوئی لڑکی اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے اور اس کے اور ہمارے درمیان بعید مسافت اور چوٹیوں کو عبور کرنا تھا۔

فَبِتُّ كَانَّ الْعَيْنَ تَكْحَلُ فِلْفِلًا
وَبِىْ مَسَّ حُمًّى بَيِّنٌ وَمَلَالِ

اور رات بھر میری یہ حالت رہی جیسے میری آنکھوں میں سیاہ مرچ کا سرمہ لگا دیا گیا ہو یا مجھے واضح طور پہ بخار اور بیماری کی وجہ سے بے چینی ہو۔

فَهَلْ يَرْجِعَنْ عَيْشٌ مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ
وَاَظْلَالُ سِدْرٍ يَانِعٍ وَسَيَالِ

کیا وہ زندگی جو گذر چکی ہے پھر لوٹ کر آئے گی اور کیا پکی ہوئی بیریوں اور سیال جھاڑی کے سائے بھی پھر لوٹ کے آئیں گے۔

وَهَلْ تَرجِعَنَّ اَيَّامُنَا بِمَتَالِعٍ
وَشُرْبٌ بِاَوْشَالٍ لَهُنَّ ظِلَالٍ

اور کیا وہ دن جو میں نے متالع کے مقام پر گذارے ہیں پھر آ جائیں گے اور کیا میری محبوبہ کے سایہ دار اور کم گہرے پانیوں پہ ہم پھر سے پانی پی سکیں گے۔

وَبِيْضٍ كَاَمْثَالِ الْمَهَا يَسْتَبِيْنَنَا
بِقِيلٍ وَمَامَعْ قِيلِهَا سِهِنَّ فَعَالٍ

اور بہت سی سفید چہرے والی عورتیں ہیں جو جنگلی گائیوں کی طرح ہیں اور ہمیں اپنی باتوں سے موہ لیتی ہیں حالانکہ ان باتوں کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہوتا[37*]''۔

پھر عرب کے جاہلی معاشرے میں اسلام کی روشنی پھیل گئی مگر ان میں پھر بھی بادیہ سے محبت کم نہ ہوئی اور اسلامی عہد کے شاعر جب جاہلی شاعروں کے طریقے پر چلتے ہیں تو ان سے بھی آگے نکل جاتے ہیں ۔چنانچہ اموی عہد کا ایک شاعر اپنے نجدی اور عراقی اشعار میں ایسے ایسے نکات پیدا کرتا ہے کہ کسی نے کیا کیے ہوں گے۔

وَاَسْرِیْ بِعِيْسٍ كَالْاَهِلَّةِ فَوْقَهَا
وُجُوْهٌ مِنَ الْاَقْمَارِ اَبْهٰى وَاَنْوَرُ

اور میں ایسے سفید اونٹوں کو لے کر رات کے وقت نکلتا ہوں جو چلتے چلتے چاند کی طرح کبڑے ہو گئے ہیں اور ان کے اوپر جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کے چہرے چاند سے زیادہ بارونق اور

چمکدار ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَ یُعْجِبنِیْ نَفْعُ الْعَرارِ وَ رُبمَّا
شَمَخْتُ بِعِرْ نِیْنِی وَفَدْفاح عَنْبَرٌ

اور مجھے عرار کی مہک پسند آتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب عنبر کی خوشبو آنے لگتی ہے تو میں اپنی ناک کو اوپر اٹھاتا ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَیَخْدِشُ عُمدِی بِالحِمٰی صَفْحَۃ الثَّرٰی
اِذَا جَرَّ مِنْ اِذْ یَا لِہ الْمُتَحَضِّرٌ

اور میری میان حمٰی کے مقام پر زمین کی سطح کو چھیلتی چلی جاتی ہے جب کوئی شہری اپنا دامن گھسیٹتا ہوا گذرتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَمَا الْعَیْشُ اِلَّا الضَّبُّ یَحْرِشُہُ الفَتٰی
وَ وِرْدٌ بِمُسْتَنِّ الیَرَ بِیْعِ اَکَدَرٌ

زندگی کا مزہ تو اسی میں ہے کہ انسان گوہ کا شکار کرتا رہے اور اس گدلے گھاٹ پر آ کر پانی پئے جہاں یر بوع دوڑتے پھرتے ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بِحَیْثُ یَلُفُّ الْمَرءُ اَطْنَابَ بَیْتِہٖ
عَلَی الْعِزِّ وَالْکُومُ الْمَرَا سِیْلُ تُنْحَرٌ

جہاں انسان اپنے خیمے کی طنابیں عزت کے عالم میں لپیٹتا ہو اور بڑی کوہان والی آرام سے چلنے والی اونٹنیاں ذبح کی جاتی ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَیُغْشٰی ثَرَاهُ حِیْنَ یُسْتَتَغْمَتَمُ الْقِریٰ
وَ یَسْمُوْ اِلَیْهِ الطارق الْمُتَنَوِّرُ

اور جب دوسرے افراد ضیافت کرنے میں دیر لگاتے ہوں تو لوگ اس شخص کے پاس آتے ہیں اور رات کا آنے والا اور آگ کو دیکھنے والا اسی طرف نگاہوں کو لگائے رکھتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

خَلِیْلَیَّ هٰذَا رَبْعُ لَیْلٰی بِذِی الْغَضٰی
سَقَی اللّٰهُ لَیْلٰی وَالْغَضٰی وَسَقَاکُمَا

اے میرے دونوں دوستو! ذوالغضیٰ کے مقام پر لیلی کا مکان ہے خدا لیلی غضیٰ اور تم دونوں کو سیراب کرے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَقَدْ کُنْتُمَا لِی مُسْعِدَیْنِ عَلَی الْبُکَا
فَمَا لَکُمَا لَا تُسْعِدَانِ أَخَاکُمَا

اور میں روتا تھا، تو تم میری مدد کیا کرتے تھے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرتے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَظَلُّ وَ حِداً لَا اَرَی مِنْ اُحِبُّہٗ
فَھَلْ بِالحِمٰی لِی مِنْ خَلِیْلٍ سِوَا کُمَا

میں دن بھر اکیلا رہتا ہوں اور کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھتا جس سے مجھے محبت ہے کیا حمیٰ میں تمہارے سوا میرا کوئی اور دوست بھی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَوْغَابَ عَنِی وَاحِدٌ مِنکُمَا وَھَتْ
قُوَّی الصَّبْرِ لَا وْھَی الزَّمَانُ قُوَاکُمَا

اگر تم میں سے ایک بھی غائب ہو جاتا ہے تو میرے صبر کی طاقت کمزور ہو جاتی ہے خدا کرے کہ زمانہ قویٰ کو کمزور نہ کرے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَکَیْفَ اَزُوْدُ الھَمُ عَنّی تَجَلُّدًا
وَقَدْ غِبْتُمَا عَنْ اَرضِ نَجْدٍ کِلَاکُمَا

اور میں صبر وقوت کے ساتھ غم کو اپنے سے کیسے دور کر سکتا ہوں جب کہ تم دونوں نجد کی زمین سے غائب ہو گئے ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بِمَنْشَطِ الشِیّح مِنْ نَجْدٍ لَنَا وَطَنٌ
لَمْ تَجرِ ذِکْرَ اہُ اِلاَّ حَسَّنُ مُعْتَرِبُ

ہمارا وطن نجد کی زمین میں اس جگہ پہ ہے جہاں خوشبودار شیح گھاس نکلتی ہے اور جب بھی اس کا ذکر آتا ہے تو مسافر کو وہاں واپس جانے کا اشتیاق گھیر لیتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذَا رَاَی الاُفقَ بِالظَّلْمَاءِ مُخْتَمِرًا

اَمْسٰی وَ نَاظِرُہٗ بِالدَّمْعِ مُنتَقِبٗ

اور جب وہ افق کو تاریکی میں چھپا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں کا نقاب اوڑھ لیتی ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَ نَشقَۃٌ مِنْ عَرَارٍ ھَزَّلِمَّتَہٗ

رُوَیحَۃٌ فِیْ سُرَاھَا مَسَّھَا لَغَبٌ

اور اس اعرار بوٹی کا سونگھنا جو اپنے گیسوؤں کو حرکت دے اس شام سے ذرا پہلے جس کی رات کے سفر میں اسے تھکان ہوئی ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَشفِیْ غَلِیْلًا بِصَدْرِیْ لَایُزَحْزِحُہٗ

دَمْعٌ تُھِیْبُ بِہٖ الاَشوَاقُ مُنْسَکِبٗ

میرے سینے کی پیاس کو تسکین دیتا ہے ایسی پیاس کہ جسے آنسوؤں سے دور نہیں کر سکتے جو بہہ رہے ہوں اور شوق انہیں دعوت دے رہا ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَنَفْحَۃٌ مِنْ رُبَی ذِی الاَثْلِ فَاَبْلَنِیْ

بِھَا نَسِیْمُ یَزِیْدُ القَلْبَ اَحْزَانَا

اور ان ٹیلوں کی مہک جہاں جھاؤ کے درخت ہیں مجھے سامنے سے آئی وہاں ایسی نسیم پائی جاتی ہے جو دل کے غموں میں اضافہ کرتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَكَمْ يَطِبْ تُرْبُهَا مِنْ رَوْضَةٍ اُنُفٍ
فَهَاجَ رَيَّاهُ اَطْرَابًا وَّ اَشْجَانًا

اوران ٹیلوں کی مٹی اس باغ کی وجہ سے عمدہ نہیں جہاں ابھی تک کوئی داخل نہیں ہوا لہٰذا اس کی مہک سے طرب اورغم بھڑک اٹھتے ہیں۔

لٰكِنَّ ذَا الاثلَ طَابَ الوَ ادِيَانِ بِهٖ
حِيْثُ الرَّبَابُ تَجرُّ لَذَيْلَ اَحْيَانًا

لیکن یہ جھاؤ کا جو درخت ہے اس سے تو دونوں وادیاں بھلی لگنے لگی ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں میری محبوبہ اپنا دامن گھسیٹ کر کبھی چلا کرتی تھی

وَلَمْ يَكُنْ لِىَ اَكنَافُ الحِمٰى وَطَنًا
وَلَا الفَوَارِسُ مِنْ نَبْهَان جِيْرَانًا

اور حمیٰ کے اطراف کا علاقہ میرا وطن تو نہ تھا اور نہ ہی قبیلہ نبہان کے شاہسوار میرے میرے پڑوسی تھے (38*)

توہم جہالت کی ایک حالت کا نام ہے اور توہم پرستی اُس روایت کو کہا جائے گا جو اس ضمن میں سارے معاشرے میں رواج پا جائے۔عرب کی نسل در نسل توہم پرستی کے کچھ نظائر کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

عربوں کے توھمات

توہم پرستی بنیادی طور پہ اس خلا کا نام ہے جو اخلاق کے پست ہونے اور عقائد کے مفقود ہونے کی دلیل ہے۔ابتدا میں اہل عرب محکم عقائد پہ کاربند تھے اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔تاہم عمرو بن لحئی نے جب ان کے اندر بت پرستی کو رواج دیا تب سے وہ توہم کی ان وادیوں میں جا نکلے جہاں ان کے اعلیٰ اوصاف بھی ان کی عقلوں کو سہارا دینے میں ناکام رہے۔ وہ اپنی شجاعت، سخاوت اور مہمان نوازی جیسی اعلیٰ عادات کے مقابل ان کے پست توہمات کسی حیرت انگیز منظر سے کم نہ تھے۔ان کے توہمات کسی عقلی اساس کی بجائے روایت پرستی اور آباء پرستی کے کمزور ستونوں پہ استوار تھے ان کے توہمات نے اس مذہب کے بطن سے جنم لیا تھا جو خرافات کے کسی پلندے سے کم نہ تھا۔کاہنوں کی افترا پردازیاں اور ملک کے باہر سے درآمد کئے جانے والے وہ جاہلانہ اور احمقانہ خیالات جنھوں نے اہل عرب کے سماج میں عادات اور اعمال کے اس پہلو کو جنم دیا جس کے پیچھے کوئی دلیل نہ تھی اور نہ ہی کسی نے ان اعمال کے پس پردہ حقائق کو

جاننے میں کوئی دلچسپی لی۔بس ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی لوگوں نے ان بہت سے افعال کو اپنا لیا تھا جس کا نہ کوئی فائدہ تھا اور نہ ہی وہ اعمال عقل کی حقیقی کسوٹی پہ پورے اترتے تھے۔اہل عرب کے ہاں اگرچہ دانش کی کمی نہ تھی مگر خالق سے دوری اور عقائد سے انحراف نے ان کو وہ کمزور احساس عطا کیا جس کی بنا پر وہ بہت سی احمقانہ حرکات کو بامعنی اور مفید قرار دینے لگے۔اور یہی وہ خیالات تھے جو نسل در نسل ان میں منتقل ہوتے رہے اور لوگ ان پہ پورے اہتمام اور وثوق سے عمل پیرا ہوگئے۔ان کے آنگن میں اسلام کی روشنی پہنچنے سے قبل عرب معاشرہ توہمات اور قبیح رسموں کے اس شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا جس نے ان کی زندگیوں سے خوشی اور اطمینان کے بیشتر اثاثے چھین رکھے تھے۔تب اسلام کی روشنی نے جہاں ان کے دل آباد کئے ان کو محکم عقائد اور نظام اخلاق فراہم کیا وہیں ان کی جان توہمات اور قبیح رسموں کے ان شکنجوں سے بھی چھڑائی جو انسانیت کے نام پہ کسی داغ سے کم نہ تھے۔عرب کی تاریخ سے مانوس لوگ جانتے ہیں کہ توہمات کی وہ وادی بہت وسیع اور فراخ تھی جہاں اہل عرب اپنی توانائیاں اور مال ضائع کررہے تھے۔ذیل کے صفحات میں اہل عرب کے انھیں توہمات سے کچھ آشنائی حاصل کرنا مقصود ہے۔

بلیہ کی رسم

اہل عرب کے ہاں دوسری بہت سی قباحتوں سمیت ایک قباحت یہ بھی تھی کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی مرتا تو اس کے لیے رسم و رواج مختلف تھے اور جب کوئی عام آدمی مرتا تو اس لیے خاص اہتمام نہ کیا جاتا بلکہ اسے یوں ہی دفن کر دیا جاتا۔ چنانچہ اہل عرب کے ہاں کوئی بڑا اور ذی عزت آدمی مرتا تو اس کی اونٹنی کو بغیر خوارک کے کھلا چھوڑ دیتے پھر اس کی گردن کو پشت کی طرف پھیر کر اسے باندھ دیتے اور اسے کسی گہرے گڑھے میں دھکیل دیتے جو بھوک اور پیاس سے تڑپتی رہتی اور وہیں مرجاتی۔ اسی اونٹنی کو بلیہ کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات اونٹنی کے مرجانے کے بعد اسکی کھال اتار کر اس کے اندر تمامہ بھر دیتے۔ ان کی اس لغو عادت کے پیچھے یہ جاہلانہ تصور کارفرما تھا کہ جس شخص کے مرنے کے بعد اس کی بلیہ نہ بنائی جائے وہ قیامت کے دن پا پیادہ اٹھے گا اور جس کی بلیہ ہوگی وہ اپنی بلیہ پر سوار ہو کر اٹھے گا۔ اہل عرب کے ہاں بعض اوقات مرنے والے کی روح کے سکون اور اپنے خاندانی تفاخر کی خاطر بھی اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ ایک عرب سردار اپنے وارثوں کو وصیت کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے اونٹ کو کھلا چھوڑ دینا کوئی اس پہ سواری نہ کرے کہ مبادا میرے دشمن کو طعن کا موقع ملے۔ ایک عرب سردار حربیہ بن الاشیم الفقعسی اپنے بیٹوں کو بلیہ کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَا سَعْدُ اِمَّا اَهْلِكَنَّ فَاِنَّنِي
اُوْصِيْكَ اِنَّ اَخَا الْوَصَاةِ الْاَقْرَبُ

اے سعد! اگر میں مرجاؤں تو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کیونکہ نصیحت کرنے والا قریب ترین

شخص ہوتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

لَا اَعْرِ فَنَّ اَبَاكَ يُحْشِرَ خَلفَكُمْ
تَعِبًا يَخِرُّ عَلَى الْسَيدَيْنِ وَيَنكُبُ

تمہارے بعد میں تمہارے باپ کو ایسا نہ دیکھوں کہ جب اسے اٹھایا جائے تو وہ تھکا ہوا کبھی ہاتھوں کے بل گرتا ہو اور کبھی راستے سے ایک طرف کو ہٹ جاتا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَاحْمِلْ اَبَاكَ عَلَى بِعيْرٍ صَالِحٍ
اَنقِ الخطِيَّةَ اِنَّهُ هُوَا اَصْوَبُ

اور اپنے باپ کو ہمیشہ تندرست اونٹنی پر سوار کرنا اور اس کے لیے خوب موٹی تازی اونٹنی چننا یہی درست عمل ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَ لَعَلَّ لِى مِمَّا جَمَعْتُ مَطِيَّةٌ
فِى الحَشْرِ اَرْكَبُهَا اِذًا قِيلَ ارْكَبُوا

شاید جو مال میں نے جمع کیا ہے اس میں سے قیامت کے دن مجھے سوار ہونے کے لیے ایک سواری مل جائے جب سوار ہونے کو کہا جائے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِذا مِتُّ فا دفِنِّى بِجَدآ ءَ مَا بِهَا
سِوَى الاَ ضرَ خَيْنَ اَو يُفَوِّ زَ رَاكِبُ

اور جب میں مر جاؤں تو مجھے بنجر زمین میں دفن کرنا جہاں دو چلانے والے کوؤں کے سوا اور کوئی نہ ہو یا یہ کہ کوئی بھٹکا ہوا سوار ادھر سے گذرے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَاِنْ اَنْتَ لَمْ تَعْقِرْ عَلَی مطِیَّتِیْ
فَلَا قَامَ فِی مَالٍ لَکَ الدَّھْرَ حَالِبُ

اور اگر تو میری قبر پر میری سواری کو ذبح نہ کرے گا تو خدا کرے تمہارے مال میں کوئی دودھ دوہنے والا کبھی کھڑا نہ ہو سکے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَا تَدْ فِنَنِّیْ فِی صُویً وادْفِنَنِّیْ
بِدَ یْمُو مَۃٍ تَنْزو عَلَیْھَا الجنادِبُ

اور مجھے سخت اور اونچی زمین میں دفن نہ کرنا بلکہ ایسے بیابان میں دفن کرنا جہاں ٹڈیاں اچھلتی پھرتی ہوں[39*]"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

شہرستانی لکھتا ہے کہ اہل عرب اونٹنی کا سر پچھلی جانب موڑ کر پشت یا سینے یا پیٹ کے قریب کر دیتے تھے اور ایک پا کھرلے کر اس کے درمیانی حصے کو باندھتے اور پھر اس کی گردن میں ڈال دیتے تھے اور پھر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیتے تا آنکہ وہ قبر کے پاس ہی مر جاتی تھی۔ ابن السید نے جو کچھ **"کامل المبرد"** میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ بلیہ کی رسم کے معاملے میں مختلف الرائے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قبروں پہ لوگ جو اونٹ ذبح کیا کرتے تھے اس کا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے کہ یہ فعل ایک قسم کی مکافات اور میت کے لیے جزا ہوتی تھی کیونکہ وہ زندگی میں مہمانوں کے لیے اونٹ ذبح کیا کرتا تھا اس لیے اس کی موت کے بعد بھی اس کی سخاوت کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عرب یہ فعل میت کی تعظیم کی خاطر کیا

کرتے تھے جس طرح بتوں کے لیے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو اونٹ انھیں کھا جایا کرتا ہے تو گویا وہ اس فعل سے اونٹوں سے میت کا بدلہ لیا کرتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اونٹ چونکہ عربوں کا بہت ہی قیمتی مال ہوا کرتا تھا اس لیے اونٹ ذبح کرنے سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ میت کے مرنے سے مصیبت ان پہ اس قدر شدید ہو گئی کہ اونٹوں جیسی قیمتی چیز بھی ان کی نظر میں حقیر ہو گئی ہے۔ تاہم جب اسلام کی روشنی نے ان کے دل منور کیے تو اہل عرب ان توہمات سے باز آ گئے۔ عمرو بن زید المتمنّی نے جاہلیت میں اپنے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ کہا تھا جس میں اس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ مرنے کے بعد اس کو رسوا نہ کرنا اور میری قبر پہ تیز رفتار اونٹنیاں اور باوقار گھوڑے ذبح کرنا تا کہ میرے دشمنوں کی رسوائی ہو۔ چنانچہ قالی نے ان اشعار کو "**ذیل الامالی**" میں نقل کیا ہے اور ابن خلکان نے بھی ان میں سے بیشتر اشعار درج کئے ہیں جس میں زید کے والد مہلب کی سرداری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زید کے پچاس سے زیادہ شعروں میں سے نمونے کے صرف چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

اَبُنَیَّ زُوِّدنِی اِذَا فَارَقْتَنِی
فِی القَبْرِ رَاحِلَۃً بِرَحْلٍ فَاتِرِ

بیٹا! جب تو مجھے قبر میں چھوڑ کر چلا جائے تو مجھے ایک سواری دینا جس کے ساتھ ایسا پالان ہو جو اس کی پیٹھ پر ٹھیک بیٹھتا ہو۔

لِلبَعْثِ اَرْکَبُھَا اِذَا قِیلَ اظْعَنُوا
مُسْتَوِثِقَیْنَ مَعًا لِحَشْرِ الحَاشِرِ

قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے کے لیے تا کہ میں اس پہ سوار ہوں سکوں جب حکم ہوگا کہ روانہ ہو جاؤ در آنحالیکہ ہم دونوں نے قیامت کے روز جمع ہونے کے لیے ایک دوسرے سے پکا وعدہ کر رکھا ہوگا۔

اَبنِیَّ لَا تَنْسَ البَلِیَّۃَ اِنَّھَا
لِاَبِیْكَ یَومَ نُشُورِہٖ مَرکُوبُ

اور بیٹا! بلیہ کو نہ بھولنا کیونکہ قیامت کے دن یہ تمہارے باپ کی سواری ہوگی۔

کَالْبَلَا یَارَؤُوسُھَا فِی الوَلَایَا
مَنِحَاتِ السَّمُوْمِ حُرَّ الخُدُوْدِ

اور بلیہ اونٹنی کی طرح جن کے سر پا کھروں میں ہوتے ہیں اور وہ اپنے چہروں کو بادِ سموم کے سپرد کردیتی ہیں۔

قُلْ لِلقَوَافِلَ والغُزَاۃِ اِذَا غَزَوْا
وَالبَاسَکِرِیْنَ وَلِلْمُجِدِّ الرَّائِحِ

اور قافلہ والوں کو، غازیوں کو جب وہ جنگ کے لیے نکلیں، صبح کو نکلنے والوں کو اور کوشش سے واپس آنے والوں کو کہہ دو۔

اِنَّ الشَّجَاعَۃَ والسَّمَاحَۃَ ضُمِّنَا
قَبْرًا بِمَرْوَ عَلَی الطَّرِیقِ الوَاضِحِ

کہ شجاعت اور سخاوت تو اس قبر کے اندر ہیں جو مرو میں ایک شاہراہ پر واقع ہے۔

فَاِذَا مَرَرْتَ بِقَبْرِهٖ فَاعْقِرْ بِهٖ
كُوْمَ الْجِلَادِ وَكُلَّ طِرْفٍ سَابِحٍ

لہٰذا جب تو اس کی قبر کے پاس سے گذرے تو وہاں بڑی کوہان والی بڑی اونٹنیوں اور تیز رفتار گھوڑوں کو ذبح کرنا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَانْضَحْ جَوَانِبَ قَبْرِهٖ بِدِمَائِهَا
فَلَقَدْ يَكُوْنُ أَخَا دَمٍ وَذَبَائِحٍ

اور اس کی قبر کے اطراف میں ان کا خون چھڑک دینا کیونکہ مغیرہ خود بھی خونوں والا اور جانوروں کو ذبح کرنے والا تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

نَفَرَتْ قَدُوْصِي عَنْ حِجَارَةِ حَرَّةٍ
بُنِيَتْ عَلَى طَلْقِ الْيَدَيْنِ وَهُوْبٍ

اور میری اونٹنی سیاہ پتھریلی زمین کے ان پتھروں سے بھاگ گئی جو ایک کھلے ہاتھوں والے سخی انسان پر رکھے ہوئے تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَا تَنْفِرِيْ يَا نَاقَ مِنْهُ فَإِنَّهٗ
شِرِّيْبُ خَمْرٍ مِسْعَرٌ لِحُرُوْبٍ

اے میری اونٹنی تو اس سے بھاگ نہیں سکتی کیونکہ یہ شخص تو بہت شراب پینے والا ہے اور جنگوں کو خوب بھڑکانے والا تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَوْلَا اَلسِّفَارُ وَبُعْدُ خَرْقٍ مَهْمَةٍ
لَتَرَ كَتُهَا تَجُو عَلَى العُرقُوْبِ

اگر سفراور وسیع بیابان کی مسافت نہ ہوتی تو میں اس کے گھٹنے کاٹ دیتا اور اسے گھٹنوں کے بل رینگتا چھوڑ دیتا۔

وَعَطِّلْ قُلُوصِی فِی الرِّ کَابِ فَانَّهَا
سَتُبْرِ دُ اِکبَا داً و تُبکِی بَوا کِیَا

اور سواریوں میں سے میری اونٹنی کو معطل کر دینا کیونکہ اس سے کچھ جگر ٹھنڈے ہوں گے اور کچھ لوگوں کو رلایا جائے گا[40*]''۔

ھامتہ

قتل کا بدلہ لینا عربوں کے ہاں غالباً سب سے اہم امر تھا۔جس کے پیچھے ان کی دیوانگی کی آخری حد کو جا چھوتی۔ بڑے بڑے قبیلے ایک دوسرے سے برسر جنگ ہو جاتے،قبائل سے جوانوں کے لاشے نکلتے رہتے مگر انتقام کی یہ آگ ٹھنڈی نہ ہوتی۔ان کے ہاں یہ تصور موجود نہ تھا کہ زید نے بکر کو قتل کیا ہے تو اب زید کو قتل کرنا ضروری ہے بلکہ ان کے نزدیک زید کا پورا قبیلہ قاتل ہے اور قبیلے کے کسی بھی فرد کو قتل کیا جاسکتا ہے۔اس طرح جاہلی عرب معاشرے میں انتقام کی ایک آگ تھی جس کے شعلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔عرب بھر کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس آگ کی آنچ سے محفوظ ہو۔ھامہ کا تصور ان کے ہاں ایک ایسی چیز ہے جس کی مثال دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں پائی جاتی۔ھامہ ایک ایسا جاہلی تصور تھا جس میں مقتول کے وارثوں کو انتقام پر اکسایا جاتا ہے۔ھامہ پہ اعتقاد عربوں کے ہاں متفقہ اور گہرا تھا۔اور ھامہ کیا تھا؟ ھامہ دراصل ایک تصوراتی پرندہ تھا جو مقتول کی قبر کے سرہانے پکارتا رہتا کہ مجھے خون پلاؤ میں پیاسا ہوں ۔بعض کہتے ہیں کہ ھامہ الو نما ایک جانور ہے جو مقتول کے سر سے نکلتا ہے اور مقتول کی قبر کے سرہانے اس وقت تک براجمان رہتا ہے جب تک کہ اس کے قتل کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔علامہ المسعودی نے **"مروج الذھب"** میں لکھا ہے کہ بعض عربوں کے خیال میں ھامہ ایک پرندہ ہے جو تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور جب کوئی شخص مرجاتا ہے یا قتل ہو جاتا ہے تو وہ وحشت زدہ ہو کر اس کے گرد چکر لگاتا ہے،اس کی قبر پہ ہر وقت چلاتا رہتا ہے۔وہ کہتے کہ پہلے یہ پرندہ چھوٹا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ اتنا بڑا ہو جاتا جتنا کہ ایک الو ہوتا ہے یہ وحشت کے مارے ہمیشہ چلاتا رہتا ہے۔ھامہ عام طور پر بے آباد جگہوں،مقتول کی قتل گاہ یا اس کی قبر کے نزدیک پایا جاتا ہے۔پھر جب مقتول کے قاتل کو قتل کرنے میں دیر لگتی تو ھامہ مقتول کے وارثوں کو بھی نظر آتا تا کہ ان کو احساس دلا سکے کہ ان کے مقتول کے قاتل آزاد پھر رہے ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں

کہ ھامہ الو کی مادہ ہوتی ہے۔

۵ چنانچہ ایک شاعر اپنے بیٹوں کو پکارتا اور کہتا ہے کہ:

وَلَا تَزْقُوْنَ لِیْ هَامَةً فَوْقَ مَرْقَبٍ
فَإِنَّ زُقَاءَ الْهَامِ لِلْمَرْءِ عَائِبُ

اور میرا ہامہ اونچی جگہ پر بیٹھ کر ہرگز نہ چیخے کیونکہ ہام کا چیخنا انسان کے لیے عیب ناک ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

تُنَادِی أَلَا اسْقُوْنِی وَ كُلُّ صَدًى بِهِ
وَ تِلْكَ الَّتِی تَبْيَضُّ مِنْهَا الذَّوَائِبُ

اور یہ اسقونی (یعنی مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ) پکارتا رہتا ہے حالانکہ ہر قسم کی پیاس تمہارے باپ کو لگی ہوگی اور یہی وہ بات ہے جس سے سر کے بال تک سفید ہو جاتے ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

مرقب اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے محافظ دیکھتا رہتا ہے اور اسے مرقبۃ بھی کہا جاتا اور ان شعروں میں باپ بیٹے کو کہہ رہا ہے کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو تم میرے خون کا بدلہ لیے بغیر نہ رہنا کیونکہ اگر تو نے میرا بدلہ نہ لیا تو میرا ھامہ چلاتا رہے گا کہ اسقونی مجھے خون پلاؤ کیونکہ تمہارے باپ کو ہر قسم کی پیاس لگی ہوگی۔ صدی سے مراد یہاں پیاس ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی دشواری اور شدت کی وجہ سے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے نوخیز بچوں کے سر بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ احتمال یہ ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ اس کے بیٹے کے لیے یہ ایک سخت دشوار عمل ہوگا۔

ایک عرب شاعر ذوالاصبع کہتا ہے کہ:

يَا عَمْرو اِن لَا تَدَ عَ شَتَمِىْ و مَنْقَصَتِى
اَضْرِبْكَ حَيْثُ تَقُولُ الْهَامَةُ اسْقُونِى

اے عمرو ! اگر تو مجھے گالیاں دینا اور میری بے عزتی کرنا نہ چھوڑے گا تو میں تجھے تلوار کی ایسی ضرب لگاؤں گا کہ تیرا ہامہ اسقونی چلاتا رہ جائے گا۔

اور ایک عرب سردار جو ایک قبیلے کا مورث اعلیٰ تھا اور جس کا نام مغلس فقعسی تھا نے یہ شعر کہے۔

وَاِنَّ اَخَاكُمْ قَدْ عَلِمْتَ مَكَانَهٗ
بِسَفْحِ قُبَا تَسْفِىْ عَلَيْهِ اَلَا عَاصِر

اور تمہاری قوم کا ایک فرد جس کے مقام کا تمہیں علم ہے قبا کے دامن میں پڑا ہے اور جھکڑ اس پہ مٹی ڈال رہے ہیں۔

لَهٗ هَامَةٌ تَدْعُوْ اِذَا الَّيْلُ جَنَّهَا
بَنِىْ عَامِرٍ هَلْ لِلهِلَالِىِّ ثَائِر

جب رات چھا جاتی ہے تو اس کا ہامہ یہ پکارتا ہے کہ اے بنی عامر کیا کوئی ہلالی کا بدلہ لینے والا نہیں ہے۔

ایک اور عرب شاعر توبہ بن حمیر کہتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ لَيْلَى الاخيلِيَّة سَلَّمَت
عَلَيَّ ودُوْنِي جَنْدَلٌ و صَفائِح

کہ اگر لیلیٰ اخیلیہ آکر مجھے سلام کرلے جب کہ میرے اوراس کے درمیان پتھر اور پتھر کی سلیں ہیں۔

لَسَلَّمْتُ تَسْلِيمَ البَشَاشَةِ اَوْ زَقَا
اِلَيْهَا صَدىً مِنْ جَانِبِ القَبْرِ صَائِح

تو میں ضرور خوش ہوکر اس کے سلام کا جواب دوں گا یا کم از کم میری قبر کے ایک پہلو سے چلانے والا الو ہی چیخ اٹھے گا۔

وَلَوْ تَلْتَقِي اَصْدَاو ئُمَا بَعْدَ مَو تِنَا
وَمِنْ دُوْنِنَا رَمْس مِنَ الارْضِ اَنْكَبُ

اور اگر فرض کرلیا جائے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری صدی آپس میں ملیں اور ہم دونوں کے درمیان ایک طرف کو جھکی ہوئی قبر ہوگی۔

لَظَلَّ صَدَى رَمسِيْ وَاِنْ كُنْتُ رِمَّةً
بِصَوْتِ صَدَى لَيْلىٰ يَهشُّ وَيطْرُبُ

تو میری قبر کا صدی خواہ میں بوسیدہ ہڈیاں کیوں نہ ہو چکا ہوں لیلیٰ کی صدی کی آواز کو سن کر ضرور خوش ہوگا اور حالتِ طرب میں ہوگا[41*]''۔

تعشیر

عربوں کے قدیمی توہمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا تو وہ وہاں کے جن سے پناہ طلب کرتا۔اس کی منت کرتا کہ وہ اس بستی وادی یا قریہ میں عارضی طور پہ رکا ہے اس لیے وہ نہ تو اسے کوئی نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی وادی کے جن کے متعلق اس کے دل میں کوئی میل ہے اس لیے وہ توقع کرتا ہے کہ وادی کا جن بھی اس پہ رحم کرے گا اور اس کی رات خیریت سے گذرے گی ،اس کے لیے وہ طرح طرح کی احمقانہ حرکات کرتا۔کبھی گدھے کی طرح رینگتا،کبھی اپنے گلے میں خرگوش کا ٹخنہ لٹکاتا اور کبھی گدھے کی آواز نکالتا۔چنانچہ اہل عرب خرگوش کے اس ٹخنے کو تعشیر یا نھیق کا نام دیتے جو انھیں نئی وادی کی وبا یعنی بیماری اور جن کے عتاب سے محفوظ رکھے گا۔تاہم یہ ایک ایسا جاہلانہ تخیل تھا کہ جس کو عرب بھر میں مقبولیت حاصل نہ تھی بلکہ معاشرے کے جہلا عموماً ایسی حرکات میں ملوث پائے جاتے ۔اہل دانش ایسے افعال سے اپنی کراہت کا اظہار کرتے جیسا کہ عرب کے جاہلی شعرا کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔چنانچہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ وہ اور عروہ بن الورد ایک بار غلہ لینے کے لیے خیبر روانہ ہوئے جب ہم لوگ خیبر کے قریب پہنچے تو لوگوں نے گدھے کی آواز نکالی جس سے عروہ نے نفرت کا اظہار کیا اور اپنی زبان سے یہ شعر ادا کئے۔

وَلَا يَنْفَعُ التَّعْشِيْرُ اِنْ حُمَّ وَقِعٌ
وَلَا زَعْزَعٌ يُغْنِى وَلَا كَعْبُ اَرْنَبِ

اور اگر کوئی واقعہ میری تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو گدھے کی طرح رینگنا مجھے کوئی نفع نہ دے گا نہ تندھوا نہ خرگوش کا ٹخنہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

لَعَمْرِیَ اَنْ عَشَّر تُ مِنْ خِیْفَۃِ الرَّادَی
نُھَاقَ حَمِیْرٍ اِنَّنِی لَجَزُوْعٗ

اپنی جان کی قسم اگر میں موت کے خوف سے گدھے کی طرح چیخوں تو میں بہت ہی کم صبر کرنے والوں میں سے ہوں۔

فَلَا وَ اَلَتْ تِلْكَ النُّفُوْسُ وَلَا اَتَوْا
قُفُوْلَا اِلَی الْاَوْطَانِ وَھِیَ جَمِیْعٗ

تو خدا کرے یہ لوگ نہ تیزی سے اپنے وطن کو جائیں اور نہ جمیعت کی صورت میں لوٹ کر آئیں۔

وَقَالُوا اِلَا انْھِقَ لَا تَضُرَّكَ خَیْبَرٌ
وَ ذٰلِكَ مِنْ فِعْلِ الْیَھُوْدِ وُلُوْعٗ

اور انھوں نے کہا کہ گدھے کی طرح رینگو ،تا کہ خیبر کی وباء تمہارے لیے ضرررساں نہ ہو مگر یہ فعل تو یہودیوں کی جھوٹی باتوں میں سے ہے"۔[*42]

رتم

عربوں میں ایک بری عادت یہ تھی کہ جب ان میں سے کوئی سفر کو نکلتا تو ایک دھاگا لے کر اسے کسی درخت کی ٹہنی یا تنے کے ساتھ باندھ دیتا اور خیال کرتا کہ اس کی واپسی پہ اگر یہ دھاگا کھلا ہوا تو اس کی بیوی نے اس کی غیر موجودگی میں اس کی امانت حفاظت نہیں کی اور اس کے ساتھ خیانت کی مرتکب ہوئی ہے۔ وہ صرف اسی صورت اپنی بیوی کے ساتھ دوبارہ رجوع کرتا اگر اس کا دھاگہ جوں کا توں بندھا ہوتا۔ دھاگا باندھنے کی اس رسم کو اہل عرب کے ہاں رتم کہا جاتا۔ یہ ان توہمات کا ایک تسلسل تھا جس نے عرب معاشرے کو اخلاقی زوال میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ابن الاعربی نے کہا ہے کہ جب کوئی عرب سفر کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو آگاہ کرتا کہ خبردار کوئی ایسی ویسی حرکت مت کرنا کیونکہ میں رتمہ باندھ کے جا رہا ہوں۔ تاہم عجیب بات یہ ہے کہ معاشرے کی ہر برائی میں شامل اور ان کے ہر توہم کے حصہ دار جاہلی عرب شعرانے رتم کی اس رسم کو ناپسندیدگی اور کراہت کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنے معاشرے کو بتایا ہے کہ اس طرح کے اعمال کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ یہ محض تمہاری توہم پرستی ہے۔

عرب کے جاہلی ادب میں شعرانے کافی بڑا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔

طوالت کے خوف سے رتم کے ضمن میں ہم ان کے صرف چند اشعار پہ اکتفاء کریں گے۔

هَل يَنْفَعُكَ اليَوْمَ اِنْ هَمَّتْ بِهَمٍ
كَثْرَةٌ مَا تُوصِىْ و تَعْقَادُ الرَّتَمُ

اگراس عورت نے کسی بات کاارادہ کیاہوتو تمہاری یہ بہت سی نصیحتیں اور رتم کا گرہ لگانا تجھے کیا فائدہ دے گا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

خَانَتَهُ لَمَّا رَاَتْ شَيْبًا بِمَفْرِقِهٖ
وَغَرَّةٌ حَلْفُهَا والعَقْدَ لِلرَّتَمُ

جب اس عورت نے اس کے سفید بال دیکھے تو اس نے خیانت کی راہ اپنائی اور خاوند کو اس کے حلف اٹھانے اور رتم کو گرہ لگانے کے باوجود دھوکا دیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَا تَحْسِبَنَّ رَتَا ئِماً عَقَّدْ تُهَا
تُنَبِّئُكَ عَنْهَا بِالْيَقِيْنَ الصَّادِقِ

اور جن رتموں کو تو نے گرہ لگائی ہے ان کے متعلق یہ خیال کبھی نہ کرنا کہ وہ تمہیں یقینی اور سچی بات سے آگاہ کریں گے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

يُعَلِّلُ عَمْرُو بِالرَّ تَائِمِ قَلْبَهُ
وَفِى الحَيِ ظَبْىٌ قَد اَحَلَّتْ مَحَارِمَهُ

اگرچہ عمرو اپنے دل کو رتم کے ساتھ بہلاتا ہے حالانکہ قبیلہ میں ایک ہرنی ہے جس نے اس کی حرام کردہ اشیا کو جائز سمجھ رکھا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَمَا نَفَعَتْ تِلْكَ الْوَصَايَا وَلَا جَنَتْ
عَلَيْهِ سِوَى مَا لَا يُحِبُّ رَتَائِمُهْ

ان کی نصیحتوں نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ بھی ان افعال کی مرتکب ہوئیں جنہیں ان کے خاوند کے رتم پسند نہ کرتے تھے۔

مَا الَّذِيْ تَنْفَعُكَ الرَّتَائِمُ
اِذْ اَصْبَحَتْ وَعِشْقُهَا مُلَازِمٌ

تجھے یہ رتم کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں جبکہ اس کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ اس کا عشق اسے چھوڑتا ہی نہیں۔

وَهِيَ عَلَى لَذَّاتِهَا تُدَاوِمُ
يَزُوْرُهَا طَبُّ الْفُؤَادِ عَارِمُ

اور یہ بدستور اپنی لذت پر ڈٹی ہوئی ہے اور اس کے پاس دل کے علم میں مہارت رکھنے والا اور ایک بدخلق انسان آتا جاتا ہے[*43]"۔

مقلاۃ

عرب معاشرے میں مقلاۃ اس عورت کو کہا جاتا جس کے ہاں اولاد تو ہوتی مگر وہ زندہ نہ رہتی۔ چنانچہ ان کے ہاں اس توہم نے راہ پائی کہ ایسی عورت جس کی اولاد مر جاتی ہو اگر کسی لاش کو الانگے تو اس کی اولاد زندہ رہے گی۔ چنانچہ السکیت نے حکایت بیان کی ہے کہ اگر کسی عورت کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ کسی شریف مقتول کی لاش روندے تب اس کی اولاد زندہ رہے گی۔ ابوعبیدہ کہتا کہ وہ عورت جس کی اولاد مر جاتی ہو اگر کسی مقتول کی لاش کو سات بار پھلانگے تو اب اس کی اولاد زندہ رہے گی۔ ابن الاعربی کے مطابق عورت کا اس لاش کے پاس سے گذر جانا اور اس کے گرد گھومنا بھی اسی لیے ہے کہ اس کی اولاد زندہ رہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ:

تَرَكْنَ الشعْثَمَيْنَ بِرَمْلِ خَبْثٍ
تَزُورُهُمَا مَقَالِيتُ النِّسَاءِ

اور انھوں نے شعثمان بن ماویہ کو قتل کر کے پست زمینوں کی ریت پہ چھوڑا جب کہ وہ عورتیں جن کے بچے زندہ نہیں رہتے اس کی زیارت کے لیے آتیں تھیں۔

بِنَفْسِي الذى تمْشِى المَقَالِت حَوْلَهٗ
يَطَانَ لَهٗ كَشْحاً هَضِيْمَا مُهَشَّمَا

میری جان اس شخص پہ قربان ہو جس کے گرد وہ عورتیں چلتی ہیں جن کے بچے زندہ نہیں رہتے اور وہ اس کی باریک اور ٹوٹی ہوئی کمر کو روندتی ہیں۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

تَبَا شَرتِ المَقَا لِتُ حِيْنَ قَالُوْا
ثَوَى عَمْرُ وَبْنُ مُرَّ ةَ بِا لحَفِيْرُ

جب لوگوں نے کہا کہ عمرو حفیر کے مقام پر پڑا ہوا ہے تو ان عورتوں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی جن کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے[44*]‘‘۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

غراب البین

عرب کوے سے خوف کھاتے تھے اور ہر بد فال اسی سے لیتے تھے۔ وہ اسے غراب البین یعنی جدائی کا کوا کہتے۔ کیونکہ وہ اس وقت ان کی فرد گاہوں کی طرف آتا جب دو قبائل ایک دوسرے سے جدا ہونے لگتے تھے۔ اہل عرب کے ہاں یہ تصور راسخ تھا کہ دنیا بھر میں جتنی بھی منحوس چیزیں ہیں کوا ان میں سب سے زیادہ منحوس ہے۔ وہ کہتے کہ کوے کی آواز میں کئی پیام پنہاں ہوتے ہیں اور یہ کہ کوا سب سے زیادہ بے خیر ہے۔ ان کے ہاں اگرچہ کوے سے کبھی کبھی نیک فال بھی لیتے تھے مگر عمومی طور پر ان کے ہاں کو انحوست ہی کی علامت تھا۔ چنانچہ جب وہ کوے سے فال لینے کے لیے اسے اڑاتے تو اگر کوا دائیں جانب کو نکل جائے تو بولتے بارح اور اگر کوا بائیں جانب نکل جاتا تو اسے منحوس خیال کرتے اور اس کام سے رک جاتے جس کے لیے انھوں نے کوے کو اڑایا تھا۔ اور کوے کے متعلق عربوں نے بہت شعر کہے اتنے کہ ان کا بیان مشکل ہے۔ اگرچہ کوے کے علاوہ اور بہت سے پرندے بھی ہیں جن سے عرب نیک یا بد فال لیتے تھے۔ کوے سے متعلق اہل عرب کے توہمات کے بارے میں عرب شعرا کچھ اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

حَرِقُ الجَنَاحِ كَاَنَّ لَحُيَىُ رَاسِهٖ
جَلَمَانِ بِالاُ خَبَار حَشّ مُولَعٌ

اس کے پر جلے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کے سر کے دونوں جبڑے قینچی کے دو پروں کی طرح خبریں دینے میں چست اور حریص ہیں۔

وَصَاحَ غُرَابٌ فَوْقَ اَعْوَادِ بَانَةٍ
بِاَخْبَارِ اَحبَابِی فَقَسَّمَنِی الفِکْرُ

اور بید کے درخت کی ٹہنیوں پر بیٹھ کر کوے نے چلا کر میرے احباب کو خبر دی جس سے مجھے قسم قسم کے خیالات سوجھنے لگے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

رَاَیْتُ غُرَاباً سَاقِطاً فَوْقَ قَضبَۃٌ
مِنَ القَضْبِ لَمْ یَنبُتْ لَھَا وَرَقٌ خُضْرٌ

اور میں نے ایک لمبی ٹہنیوں والے ایک درخت پر جس کے ابھی پتے بھی نہیں نکلے تھے ایک کوے کو بیٹھے دیکھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَقُلْتُ غُرَابٌ لِاغْتِرَابٍ وَاَ قَضْبَۃٌ
لِقَضْبِ النّوٰیَ ھٰذِی العِیَافَۃُ وَالزَّجْرُ

میں نے کہا کہ غراب کا مطلب تو مسافرت ہوتا ہے اور قضب سے مراد جدائی کے لیے جانور پر سوار ہونا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَھَبَّتْ جَنُوبٌ بِاجْتِنَابِکَ مِنْھُمْ
وَنَفْعُ الصَّبَا تِلکَ الصَّبَابَۃُ وَالْھَجْر

بادِ جنوب چلی تو محبوبہ سے تمہاری دوری کی فال لے کر چلی اور بادِ صبا کا چلنا تو اس سے عشق اور جدائی مراد ہوتی ہے[45*]‘‘۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

> عربوں میں صدیوں سے پھیلی توہم کی چادر اس قدر دبیز تھی کہ اسلام کی روشنی نے بھی بمشکل اس ردائے توہم کو چاک کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اسلام کے بعد لوگوں نے اپنے خیالات کو مطہر کر لیا۔

توھمات، مزید تذکرہ

اہل عرب کے توہمات کی فہرست بہت طویل ہے کچھ کا بیان گذر چکا اور کچھ کا مختصر بیان آگے آتا ہے۔ مقصدِ بیان صرف اتنا ہے کہ انسان اگر مخلوق ہے تو یقیناً اس کا کوئی خالق بھی ہوگا اور یہ خالق ہی کا حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو بتائے کہ خیر کا راستہ کون سا ہے، فلاح کی منزل کہاں ہے، خوشی کے گل کہاں کھلتے ہیں، خوابوں کی تعبیر کیسے ملتی ہے، مہکتے گل کہاں کھلتے ہیں، سُکھ کی سوغات کہاں ملتی ہے امن کی وادی کون سی ہے، سلامتی کے طور کیا ہیں، راحت کے جہاں کہاں ہیں، سکون کی آبشاریں کہاں بہتی ہیں، مسکان کے رنگ کیوں کر بکھرتے ہیں، بہار کے موسم کیونکر آتے ہیں، تکمیل آرزو کو کون سی گلی جاتی ہے، ابدی کامرانی کا راز کیا ہے، امن وآشتی کی راہیں کہاں ہیں، دلنوازی کے موسم کہاں ہوتے ہیں، حسرت ویاس سے نجات کیسے ممکن ہے، محرومیوں سے پاک جہاں کون سا ہے تشنگی سے سیرابی تک کا سفر کیسے طے ہوتا ہے، زخمی روحوں کو مسیحائی کہاں سے ملتی ہے، علم کا گلستاں کہاں ہے، دانش کے گل کہاں کھلتے ہیں، مقدس تصورات کی منزل کو کون سی گلی جاتی ہے، شفق کے رنگ کہاں کھلتے ہیں، حکمت کے جواہر کس جوہری کے پاس ہیں

،اسرار کی دیوار کے اس پار کیا ہے آیام کی تلخی کب تک ہے، مسافت روز و شب کی منزل کیا ہے، مقصدِ زیست کہاں پنہاں ہے، صحن تمنا کے گل افسردہ کیوں ہیں ،خزاں کے موسم طویل کیوں ہیں، دل کی تنگی کا سبب کیا ہے، عافیت کے لمحات کہاں کھو گئے ہیں، یاس کی ویران راہگذر کے اس پار کیا ہے ،نفرت کا پھیلاؤ اتنا شدید کیوں ہے، محبت کی راہیں دشوار گذار کیوں ہیں، احساسات کی سرزمین بنجر کیوں ہے، شرف کا احساس مفقود کیوں ہے، داستان حیات کا ورق ورق منتشر کیوں ہے، کوچہ کوچہ قریہ قریہ وحشت رقص کناں ہے تو آخر کیوں؟ یہ اور اس جیسے ہزاروں سوال ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے انسانی ذہن کا احاطہ کئے رکھا ہے اور انسان کا آزار بنے رہے ہیں۔مگر حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ ان سوالوں کے جواب لے کر جب بھی کوئی انسان کسی بستی میں اترا اور اس نے اعلان کیا کہ میں تم میں خیر بانٹنے پر معمور کیا گیا ہوں میری طرف آؤ مجھ پہ ایمان لاؤ اور اپنے دل کو حکمت کی اس روشنی سے معمور کرو جس کے بعد تمہیں سوالوں کی تشنگی سے نجات مل جائے گی تو لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس سے جھولیاں بھر بھر کر خیر لوٹتے اس کا انکار کیا۔اس کو ایذا پہنچائی ،اس کو جھوٹا کہا ،اس کو پتھر مارے ،اس سے مقاطعہ کیا اس کو جلاوطن کیا حتیٰ کہ بعض اقوام تو اپنے انبیاء کو قتل تک کرتی رہیں۔چنانچہ اپنے اس عمل کے بعد اگر انسان خالق سے گلہ کرے کہ اس کی زندگی سکون و عافیت سے خالی ہے تو اس کو سادگی نہیں عیاری کہا جائے گا۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے رویے کی اس کجی کو یوں بیان کیا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الروم ۳۰ ؛ آیات ۴۱)

ترجمہ:

”کہ یہ جو خشکی اور تری میں تم کو فساد نظر آتا ہے تو یہ انسان کے اپنے ہی ہاتھ کی کمائی ہے“۔

×××××××

حقیقت یہ ہے جب بھی انسان نے خالق کی تعلیمات سے منہ موڑا ہے تو وہ توہمات کی اسی دلدل میں جا اترا ہے جس میں اہل عرب جا اترے تھے۔اس لیے کہ ان کا آبائی دین تو دین ابراہیمی تھا۔مگر انھوں نے

اس سے انحراف کی راہ پنائی اور اپنی زندگی آزار کے سلگتے صحراؤں کو سونپ دی۔ اوپر ان کے توہمات کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔ تاہم اہل عرب کی توہم پرستی ایک طویل داستان کی طرح ہے جس کے کچھ مزید نظائر پیش کرنا یہاں مقصود ہے۔ عربوں کے ہاں ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب ان کے ہاں بارش نہ ہوتی اوران کو خشک سالی کا خطرہ پیدا ہو جاتا تو وہ آک کے خشک درختوں کی لکڑیاں اکٹھی کرتے اور انھیں کسی گائے کی دم کے ساتھ باندھ کر آگ لگا دیتے اور گائے کو دشوار گذار پہاڑی رستے پہ چھوڑ دیتے اور خود اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور اپنے دیوتاؤں سے بارش کی دعا کرتے۔ گائے کی دم کے ساتھ بندھی لکڑیوں کو آگ لگانے سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اس امر سے نیک فال حاصل کریں اور آگ سے ان کی مراد بجلی کی چمک ہوتی اور دیگر جہتوں کو چھوڑ کر وہ گائیوں کو صرف مغرب کی طرف ہانکتے۔

چنانچہ ایک بدوی شاعر کہتا ہے کہ:

شَفَعْنَا بِبَيقُوْرٍ اِلٰى هَاطِلِ الحَيّا
فَلَمْ يُغْنِ عَنَّا ذَاكَ بَل زَادَنَا جَدْهَا

اور ہم نے گائیوں کی جماعت کے ذریعے زور سے برسنے والی بارش کے پاس سفارش کرائی مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ خشک سالی اور بڑھ گئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَعُدْنَا اِلٰى رَبِّ الحَيَا فَاجَارَنَا
وَصَيَّرَ جَدْبَ الاَرضِ مِنْ عِنْدِهٖ خِصبًا

تب ہم لوٹ کر بارش والے رب کی طرف گئے تو اس نے ہمیں پناہ دی اور خشک سالی کو اپنی رحمت سے سرسبزی وشادابی میں بدل دیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ان کے توہمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ مار گزیدہ کے گلے میں زیور اور گھنٹیاں لٹکا دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس سے مار گزیدہ کو افاقہ ہوگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیور اور گھنٹیاں اس کے گلے میں اس لیے لٹکائیں جاتی تھیں کہ وہ سمجھتے کہ اگر مار گزیدہ سو گیا تو زہر اس کے جسم میں سرایت کر جائے گا اور وہ مر جائے گا۔ لہذا نیند کو اس سے دور رکھنے کے لیے وہ اسے زیور اور گھنٹیوں کی آواز کے ساتھ مشغول رکھتے۔ یہ نظر بن شمیل کا قول ہے جب کہ بعض دیگر کہتے ہیں کہ اگر مار گزیدہ کے گلے میں سونے کے زیور لٹکائے جائیں تو اسے آرام آجائے گا۔ اگر سکہ یا سکے کا زیور لٹکائیں تو وہ مر جائے گا کسی نے ایک بدوی سے پوچھا کیا تم یہ چاہتے کہ مار گزیدہ بیدار رہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ زیور تو اسے بیدار نہیں رکھ سکتا مگر یہ ایک رسم ہے جو صدیوں سے نسل بہ نسل چلی آرہی ہے۔

فَبِتُّ كَانِّی سَاوَرَتْنِیْ ضَئِیْلَةٌ
مِنَ الرُّقْشِ فِی اَنْیَابِهَا السَّمُّ نَاقِعٌ

رات بھر میری یہ حالت رہی کہ جیسے ایک کڑیالے سانپ نے جس کے دانتوں میں قاتل زہر ہو اور وہ مجھ پر حملہ کر رہا ہو۔

يُسَهَّدُ مِنْ لَيْلِ التَّمَامِ سَلِيْمُهَا
بِحَلْيِ النِّسَاءِ فِیْ يَدَيْهِ قَعَاقِعُ

کہ جس کے کاٹے کو رات بھر سونے نہیں دیا جاتا اور اس کے ہاتھوں میں عورتوں کے زیوارت کی جھنکار ہوتی ہے۔

كَأَنِّيْ سَلِيْمٌ نَالَهُ كَلْمُ حَيَّةٍ
تَرٰى حَوْلَهُ حَلْيَ النِّسَاءِ مُوْضَعًا

گویا میں مارگزیدہ ہوں جسے سانپ نے زخم لگایا ہو اور جس کے گرد عورت کے زیورات کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہوں [46*]"۔

ان کے ہاں ایک رسم بد یہ بھی تھی کہ جب ان کے کسی اونٹ کو خارش کی بیماری لگ جاتی تو گلے میں سے بجائے اس کے کہ خارش زدہ اونٹ کو داغیں گلے کے صحت منداونٹ کو داغ دیتے اور ان کا خیال تھا کہ اس طرح خارش کی بیماری ان کے اونٹوں سے چلی جائے گی اور ان کا یہ توہم اسی طرح کا تھا جس طرح کہ وہ موت کے ڈر سے خرگوش کے ٹخنوں کو اپنے گلے میں لٹکا لیتے اور نظر بد سے بچنے کے لیے نر اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتے۔ اصمعی اور ابو عمرو سمیت اکثر لغت دانوں کا یہی قول ہے۔

عربوں کے تخیلات اور رسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کی حکایت ابن عربی نے کی ہے وہ کہتا ہے کہ عربوں کے یہاں یہ طریقہ بھی تھا کہ جب ان کا کوئی اونٹ بدک جاتا تو لوگ اس کے پاس آ کر اس کی ماں کا نام لیتے تو وہ پرسکون ہو جاتا۔

اور عربوں کے ہاں ایک خیال یہ بھی تھا کہ انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جب کسی انسان کو بھوک لگتی ہے تو یہ سانپ انسان کی پسلی کے کنارے اور جگر کو کاٹتا ہے بنی عبس کا ایک شاعر اپنے ہم قبیلہ قیس بن زہیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب اس نے لوگوں کو چھوڑ کر بیابانوں میں رہنا شروع کر دیا اور جانوروں سے مانوس ہو گیا تو ایک رات اس نے دور سے آگ دیکھی اور وہ اس طرف روانہ ہو گیا۔ پھر

اس کی ناک نے گوشت کی خوشبو سونگھی اور گوشت کھانے کی خواہش نے اسے اس طرف ہانکا مگر اس نے اپنی خواہش پر قابو پالیا اور اس پر غالب آ گیا۔ وہ سلم کے ایک خاردار درخت کے نیچے رک گیا اور اس کے پتے اور ٹہنیاں کھاتا رہا تا آنکہ وہ مر گیا۔

تب اس کے شاعر دوست نے اس کا مرثیہ لکھا جس کے کچھ شعر درج ذیل ہیں۔

اِنَّ قَیْسَاً کَانَ مِیْتَتَہُ
کَرَمٌ والحیُّ مُنْطَلِقٌ

قیس کی موت تو ایک کریمانہ موت تھی حالانکہ اس کا قبیلہ آزادانہ پھر رہا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

شَامَ نَاراً بِالهَوَیٰ فَهَوَیٰ
وَشُجَاعُ البَطْنِ یَخْفِیقُ

اس نے مقام ہوا میں آگ دیکھی اور اس کی خواہش کی جب کہ اس کے پیٹ کا سانپ حرکت کر رہا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فِی دَرِیْسٍ لَیْسَ یَسْتُرُہُ
رَبَّ حِرٍّ ثَوبُہُ خَلَقٌ

اس کے کپڑے بہت ہی پھٹے پرانے تھے اور بہ مشکل اس کے جسم کو ڈھانپتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے شریف پھٹے پرانے کپڑوں ہی میں ہوتے ہیں [47*]''

❖❖❖❖❖❖❖❖

عربوں کے توہمات اور خرافات کے دفتر میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کے ہاں جب کسی بچے کا دانت گر جاتا تو وہ اسے انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کے درمیان رکھ لیتا۔ جب سورج طلوع ہوتا تو اس کی طرف منہ کر کے اسے سورج کی طرف پھینک دیتا اور کہتا کہ اے سورج اس کے عوض مجھے اس سے بہتر دانت دے۔

××××××××

عربوں کے توہمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب انہیں ڈر ہوتا کہ فلاں شخص کو جنوں کا مرض لاحق ہو جائے گا یا ارواح خبیثہ اسے نقصان پہنچائیں گی تو وہ اس کے گلے میں گندگی ڈال دیتے۔ مثلاً حیض کے چیتھڑے اور مردوں کی ہڈیاں وغیرہ اور وہ کہتے کہ بہتر یہ ہے کہ حائضہ عورت خود اس کے گلے میں مردوں کی ہڈیاں ڈالے اور گھوم کر چلی جائے اور پھر انھیں نہ دیکھے تو انسان کو آسیب سے نجات مل جاتی ہے۔

××××××××

ان کے طریقوں میں ایک یہ بھی تھا کہ جب ان میں سے کوئی کسی پہ عاشق ہو جاتا اور اس کا عشق جنون میں بدل جاتا تو ان میں سے کوئی شخص اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لیتا جس طرح بچوں کو اٹھایا جاتا ہے پھر کوئی دوسرا شخص لوہے کی گرم سلاخ گرم کرتا اور اس سے عاشق کے چوتڑوں کے درمیان داغ دیتا اس طرح ان کے خیال میں مذکورہ شخص سے عشق کا بھوت اتر جاتا۔

××××××××

ان کے مذہب میں یہ بھی شامل تھا کہ جب وہ خواہش کرتے کہ یہ مسافر جوان سے رخصت ہوا ہے اب لوٹ کے کبھی واپس نہ آئے تو وہ اس کے پیچھے آگ جلاتے اور دعا کرتے کہ خدا اسے تباہ و برباد کرے اور وہ کبھی لوٹ کے نہ آئے۔

××××××××

اور یہ بھی کہ جب عرب کے لوگ سفر پہ روانہ ہوتے تو آگ جلاتے اور جو کھانا پکانا ہوتا پکا کر رکھ لیتے پھر منزل پہ پہنچنے سے قبل آگ نہ جلاتے اور اپنے اس فعل سے وہ شگون لیتے کہ وہ خیریت کے ساتھ اپنے گھر واپس لوٹ آئیں گے۔

×××××××

اور ان کے توہمات میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اپنے بچوں کے گلے میں لومڑ یا بلی کا دانت لٹکا دیتے تا کہ کوئی جن ان کا بچہ اٹھا کر نہ لے جا سکے۔

×××××××

ان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی کسی زمین سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتا تو وہ رخصت ہوتے وقت ناک کی سیدھ میں دیکھتا کیونکہ ان کے ہاں معروف تھا کہ اگر کوئی مسافر اپنے دائیں بائیں دیکھے گا تو اسے واپس آنا پڑے گا۔ چنانچہ ان کے ہاں صرف وہ مسافر اپنے ارد گرد دیکھتے جن کو عشق کا روگ ہوتا اور ان کی خواہش ہوتی کہ وہ واپس اسی وطن میں آ سکیں۔

×××××××

اور ان کے توہمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر کسی مجوسی کا بیٹا اپنی بہن کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو تو وہ نملہ کی بیماری کے لیے اکثیر ہے اور وہ کسی بیمار پہ لکیر کھینچ دے تو اسے آرام آ جاتا ہے اور اس کے زخم مندمل ہو جاتے۔

×××××××

ان کے ہاں ایک توہم یہ بھی تھا کہ جب عربوں کا کوئی بادشاہ بیمار ہوتا تو لوگ اسے باری باری اپنے کندھوں پہ اٹھاتے اور بھاگتے حتی کہ اسے آرام آ جاتا اور اس امر کا راوی نابغہ ذبیانی ہے جو عرب کا مقبول شاعر تھا۔ اس نے خود بیان کیا ہے کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان کے ہاں نابغہ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ اس

کے خواص اور ندیموں اور انیسوں میں تھا۔تب لوگوں نے اس کی یہ قدر و منزلت دیکھ کر اس سے حسد کرنا شروع کر دیا۔لہٰذا لوگوں نے نابغہ پہ تہمت لگائی جس سے نعمان ناراض ہو گیا اور اسے سزا دینا چاہی ۔تاہم نابغہ کا ایک دوست عصام بن شہیر تھا جو نعمان کا دربان تھا۔اس نے نابغہ کو بتا دیا کہ بادشاہ نے اسے دکھ پہنچانے کا ارادہ کر لیا ہے لہٰذا تو یہاں سے چلا جا۔چنانچہ نابغہ خاموشی سے حیرہ سے شام کی جانب نکل گیا اور غسانی خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاں پناہ لی۔اس نے نعمان کو ترک کر دیا اور شاہ غسان کا قصیدہ کہنے لگا۔نعمان بن منذر کو یہ بات بہت بری لگی لہٰذا اس نے نابغہ کی طرف اپنا قاصد روانہ کیا کہ تیرے لیے خود تیری اپنی قوم میں حفاظت اور جائے پناہ موجود تھی مگر تو اسے چھوڑ کر ان لوگوں کی طرف چلا گیا جنہوں نے میرے دادا کو قتل کیا تھا اور میرے اور ان کے درمیان جو عداوت ہے تو اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ظاہر ہے کہ نعمان اور اس کے باپ نے نابغہ کی بہت عزت کی تھی اسے شرف بخشا تھا اور اسے بہت سا مال و زر عطا کیا تھا۔چنانچہ جب نابغہ کو خبر ملی کہ نعمان سخت بیمار ہے اور اس کے بچنے کی امید نہیں تو نابغہ نے حیرہ کا رخ کیا جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دو آدمی نعمان کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اسے اس کے دو محلوں کے درمیان اٹھائے پھرتے ہیں جس سے ان کا یہ تصور وابستہ تھا کہ اس امر سے ان کا بادشاہ تندرست ہو جائے گا اور میں نے دیکھا کہ وہ چند ہی دن بعد ٹھیک ہو گیا۔اس کے بعد نعمان نے نابغہ کی خطا معاف کر دی اور اس پہ انعام و اکرام کی بارش کر دی۔چنانچہ حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نعمان کے ہاں گیا تو میں نہیں جانتا کہ ان تین باتوں میں سے میں کس بات پہ نابغہ سے زیادہ حسد کرتا ہوں،ایک تو اس بات پہ کہ نعمان نے اس کے باوجود اس کا اکرام کیا ہر چند کہ وہ اسے چھوڑ کے جا چکا تھا،دوسری یہ کہ اس کے شعر نہایت عمدہ تھے،تیسرے اصافیر کے وہ سو اونٹ جو نعمان نے نابغہ کو عطا کئے تھے۔

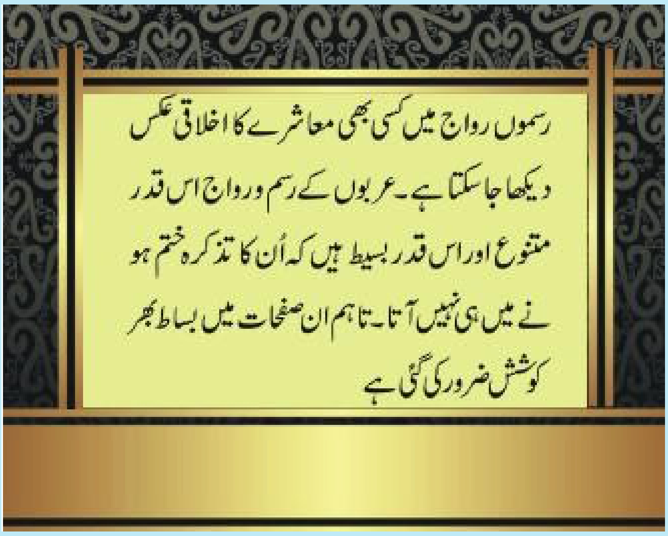

ہر معاشرے کی کچھ روایات محکم ہوتی ہیں جن پہ اس کی اخلاقی بنیادیں استوار ہوتی ہیں ۔ اہل عرب میں بھی بہت سی اعلیٰ اقدار اور اوصاف موجود تھے جس کی وجہ سے ان کا معاشرہ قائم تھا۔اپنے عصر کی دیگر اقوام کے مقابلے میں اہل عرب کے اخلاق یقیناً بلند تھے اس لیے کہ ان کے ہاں ایک سادہ طرز زندگی پایا جاتا تھا جس نے ان کو تصنع اور بناوٹ سے دور رکھا۔ وہ زندگی کے اس مصنوعی پن سے محفوظ رہے جو معاشرتی اقدار کو کھوکھلا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ بالخصوص شجاعت اور سخاوت میں تو دنیا کی کوئی قوم ان سے مقابلے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔وہ جتنے جفا کش تھے اتنے ہی دریا دل تھے وہ جتنے شجاع تھے اتنے ہی رحم دل بھی تھے۔صحرا کی وسعتوں اور شدتوں نے ان کے اندر ان اوصاف کو جنم دیا جن سے دوسری اقوام بے بہرہ تھیں۔ان کے علوم کی جہت بھی قدرے مختلف تھی اگر چہ لوگ انھیں ان پڑھ یا اجڈ ہی کہتے رہے۔ مگر زبان کی فصاحت اور علم انساب میں ان کی برتری بالکل واضح تھی۔وہ اپنے گھوڑے اور اونٹ تک کی

کئی کئی نسلوں کو یاد رکھتے تھے۔ ان کی زبان کا اعلیٰ معیار انھیں دوسری اقوام سے ممتاز کرتا تھا۔ ان کے قصائد اتنے فصیح اور پر دانش ہوتے کہ عجمی لوگ ششدر رہ جاتے۔ مفاخرت بھی انھی کا خاصہ تھی۔ وہ ذرا سی بات پہ اپنے کل مال ومتاع کو لٹا دیتے۔ وہ تلوار کے دھنی تھے اور کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔ ان کی شجاعت کی داستان الف لیلیٰ جیسی ہے کہ اس کا اختتام ہی نہیں ہوتا۔ پھر جب اسلام کی روشنی ان کے آنگن میں اتری اور وہ اخوت کی اس لڑی میں پروئے گئے جو اسلام نے ان کے لیے تیار کی تھی تو ان کے اوصاف کھل کے سامنے آگئے اور قیصر و کسریٰ جیسی عظیم ریاستیں ان کے سامنے ریت کے قلعے بن کے رہ گئیں۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں بھی اعلیٰ اوصاف ہی غالب نظر آتے ہیں اس لیے کہ اس معاشرے کی مجموعی ہیت سخاوت شجاعت اور رحم دلی سے مزین تھی۔ طلوع اسلام سے قبل اگرچہ اہل عرب شرک کی بیماری میں بری طرح مبتلا نظر آتے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں کے اہل دانش میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو جانتے تھے کہ ان کے آباء نے جو مذہبی عقائد وراثت میں ان کے لیے چھوڑے ہیں ان کی بنیاد عقل کی بجائے کمزور روایت پہ رکھی ہے۔ اہل عرب کا معاشرہ توہمات اور رسم ورواج کے اس گورکھ دھندے میں الجھا ہوا تھا جس نے عوام کو اخلاقی زوال کی طرف مائل کر دیا تھا اور بت پرستی نے انہیں ذلت محض میں مبتلا کر رکھا تھا جس کا احساس قوم کے اہل دانش میں پایا جاتا تھا اور مختلف مواقع پہ وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

ان کے معاشرے میں بت پرستی کے خلاف کوئی بڑی تحریک غالباً اس لیے نظر نہیں آتی کہ ان کے پاس کوئی متبادل نظام زیست موجود نہ تھا جسے وہ اپنے لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ اس لیے وہ بت پرستی سے محض اپنی کراہت اور بیزاری تک ہی محدود رہ جاتے۔ معاشرے کی نچلی سطح پر البتہ توہمات اور رسم ورواج کا ایک ایسا گھورکھ دھندہ موجود تھا جس نے معاشرے کو اخلاقی تنزل اور ابتلا میں ڈال رکھا تھا۔ ہر معاشرے کی طرح اہل عرب کے ہاں بھی رسم ورواج کے دو طریق تھے جن میں اچھی اور اعلیٰ اقدار بھی شامل تھیں اور پست اور بے دلیل رسم ورواج بھی موجود تھے جن کی پیروی اس لیے کی جاتی کہ وہ ان کے ہاں صدیوں سے مروج تھیں۔ چنانچہ ان صفحات میں اہل عرب کے انھی رسم ورواج سے بحث مطلوب ہے جنھوں نے اعلیٰ اخلاقی اوصاف رکھنے کے باوجود اس قوم کو کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ کرنے دیا اور اقوام عالم میں اسلام سے قبل وہ چند منتشر قبائل کا نام تھا جن کے ہاں کوئی سیاسی اور سماجی نظام موجود نہ تھا

اور پوری قوم سرداری اور قبائل نظام میں جکڑی نظر آتی تھی۔

قسامت

اہل عرب کے ہاں قسامت کا دستور تھا۔اور یہ ان امور میں سے تھا جن میں اہل عرب متفق تھے۔قسامت دراصل ایک قسم تھی جو تب کھائی جاتی جب کسی مقتول کا قاتل پردہ اخفاء میں ہوتا۔مگر جب مقتول کے وارث کسی پہ شک کا اظہار کرتے اور اگر قاتل قبیلہ دیت ادا نہ کرتا تو اسے قسم کھانی پڑتی۔اگر تو قبیلے کا سردار خود قسم کھانے پر آمادہ ہوتو اس کی قسم قبول کرلی جاتی اور یہ قسم اللہ کے گھر حرم پاک میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھائی جاتی۔دوسری صورت میں قسامت قاتل قبیلہ کے سو یا پچاس لوگوں پہ تقسیم کردی جاتی اسی لیے اس دستور کو قسامت کہا جاتا ہے۔تب لوگ اجتماعی قسم کھاتے اور اپنے قبیلے کی بریت کا اظہار کرتے۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں پہلی قسامت بنی ہاشم میں ہوئی جس کا محرک یہ واقعہ بنا کہ اہل عرب کا ایک تاجر تھا جس کا نام خداش تھا اس کا ایک ملازم قبیلہ قریش کی شاخ بنو ہاشم سے تھا۔ایک دفعہ اس کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا تب اس کے ہمراہ قبیلہ قریش کا وہ ملازم بھی تھا جو اپنے مالک کے اونٹ لے کر روانہ ہوا۔راستے میں جب وہ عرب کے صحرا سے گزر رہا تھا تب بنی ہاشم کا ایک اور آدمی اپنے اونٹ پہ سوار اس کے قریب سے گزرا۔اس سوار کے تھیلے کی رسی ٹوٹ گئی تھی جس سے کپڑے گر گر جاتے تھے۔تب اس سوار نے خداش کے ملازم سے درخواست کی کہ وہ اسے رسی کا ایک ٹکڑا دے دے جس سے وہ اپنے تھیلے کا منہ باندھ سکے۔خداش کے ملازم نے اسے اونٹ باندھنے کی رسی دے دی جس سے اس نے اپنے تھیلے کا منہ باندھا اور روانہ ہوگیا۔سارے دن کے سفر کے بعد خداش کا قافلہ پڑاؤ کے لیے اترا۔خداش کے قریشی ملازم نے سب اونٹوں کے پاؤں باندھ دیئے مگر ایک اونٹ کو یونہی کھلا چھوڑ

دیا جس پہ خداش نے اپنے قریشی ملازم سے استفار کیا کہ اُس نے اِس اونٹ کے پاؤں کیوں نہیں باندھے۔تب اس نے جواب دیا کہ بنی ہاشم کا ایک شخص میرے پاس سے گذرا تھا جس کے تھیلے کی رسی ٹوٹ گئی تھی اس نے میرے پاس فریاد کی تو میں نے اونٹ باندھنے کی ایک رسی اسے دے دی تھی۔

اپنے ملازم کا یہ بیان سن کر خداش غصے میں آ گیا اور اپنی لاٹھی پوری قوت سے اس کے سر پہ دے ماری جس سے وہ نیچے گر گیا۔اس کے سر سے خون تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اسے گہری ضرب آئی تھی۔خداش نے اس کو یونہی تڑپتا چھوڑا اور اپنے قافلے کو لے کر آگے نکل گیا۔تب شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور اہل قریش کا وہ فرد بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا۔تب اسے آہٹ کا احساس ہوا اس نے اپنی پوری قوت استعمال کی اور مدد کے لیے چلایا دور سے گذرتے ایک سوار نے اسے دیکھا اور اس کی طرف چلا آیا۔وہ اپنے اونٹ سے اترا اور اس کی مدد کو بڑھا۔سوار نے اس سے پوچھا تم کون ہو اور تمہیں کس نے زخمی کیا ہے۔

قریش کے اس فرد نے جواب دیا کہ وہ سوال نہ کرے

بلکہ صرف اس کی بات سنے کیونکہ اس کے پاس وقت کم ہے،سوار نے کہا بولو۔

زخمی نے کہا کیا حج کو جاتے ہو؟

سوار نے کہا ابھی تو نہیں جا رہا مگر اکثر جاتا ہوں اور یمن کا رہنے والا ہوں۔

زخمی نے کہا تو جب بھی حج کو جائے تو قبیلہ قریش تک میرا پیغام پہنچا دینا کہ خداش نے مجھے اونٹ باندھنے کی ایک رسی کے عوض مار ڈالا۔

اس کے بعد زخمی مر گیا اور یمنی مسافر نے اسے دفن کر دیا۔

کئی سال تک وہ حج کے لیے نہ جا سکا۔

ادھر خداش کا قافلہ مکہ کو واپس لوٹا تو قریش کا وہ شخص اس کے ساتھ نہ تھا جو اس کا ملازم تھا اس کے اہل خانہ کو تشویش ہوئی اور انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے خاندان کے سربراہ ابو طالب سے کیا جنہوں نے خداش کو طلب کیا اور پوچھا کہ ہمارے آدمی کا کیا ہوا۔

خداش نے جواب دیا کہ وہ راستے میں سخت بیمار ہو گیا تھا ہم نے اس کی خوب تیمارداری کی مگر وہ جانبر نہ ہو سکا پھر ہم نے اسے دفن کر دیا۔

تم پر اس کا یہی حق تھا جسے تم نے ادا کر دیا۔

ابو طالب نے جواب دیا۔

انھوں نے خداش کے جواب کو سچ سمجھا تھا اور کوئی دوسرا خیال ان کے دل میں نہ آیا تھا۔

پھر کچھ وقت اور گذر گیا اور وہ یمنی مسافر حج کو آیا۔

اس نے خود کو ایک بلند مقام پر واضح کیا اور زور سے پکارا۔

اے اہل قریش میری بات سنو:

لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ ہیں اہل قریش۔

تب اس نے پکارا اے بنو ہاشم۔

لوگوں نے اسے بتایا ہم ہیں بنو ہاشم۔

تب اس نے پکارا تم میں سے ابو طالب کون ہیں؟

لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ ہیں ابو طالب۔

وہ یمنی مسافر بلندی سے اتر کر ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ ایک دن جب میں سفر پہ تھا تب ایک شخص نے ان کے لیے ایک پیغام دیا تھا۔ وہ پیغام یہ ہے کہ خداش نامی آدمی نے بنو ہاشم کے فلاں شخص کو اونٹ باندھنے کی ایک رسی کے بدلے قتل کر دیا تھا۔ جب اس کے سانس پورے ہوئے تو میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔

تب ابو طالب نے اپنے خاندان کے ذی عزت لوگوں کو ساتھ لیا اور خداش کے ہاں جا اترے۔

ابو طالب نے کہا؛ اگر تو چاہے تو ہمیں سو اونٹ ادا کر دے کہ تو نے ہمارے آدمی کو مارا ہے پھر اگر تو چاہے تو اللہ کے گھر میں قسامت ادا کر۔

گر تو اس سے انکار کرتا ہے تو ہم اپنے آدمی کے قصاص میں تجھے قتل کر دیں گے۔ خداش نے ابو طالب سے کچھ وقت مانگا اور اپنے قبیلے کی طرف گیا۔ ان سے مشاورت کے بعد واپس لوٹا اور کہا کہ وہ قسامت پہ راضی ہے۔

تب قسامت کی تاریخ طے کر دی گئی جس میں خداش کے قبیلے کے پچاس افراد نے کعبۃ اللہ میں حلف اٹھانے کا عزم ظاہر کیا۔

قسم اٹھانے سے کچھ دن قبل خداش کے قبیلے کی ایک عورت ابو طالب کے پاس آئی اور کہا کہ وہ عبدالعزیٰ بن ابی قیس العامری کی بیوی ہے، میرے بیٹے کا نام حویطب ہے جو ارکان قسامت میں شامل ہے۔اے ابو طالب میں چاہتی ہوں کہ جب تو اس سے قسم لے تو اس پہ آسانی فرما اور اس کو سخت الفاظ ادا کرنے پر مجبور نہ کر۔

ابو طالب نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ ایسے ہی کریں گے۔

اس عورت کے رخصت ہونے کے بعد خداش کے قبیلے کا ایک اور آدمی ابو طالب سے ملنے آیا اس کے ساتھ دو اونٹ بھی تھے اس نے کہا؛

اے ابو طالب تو یہی چاہتا ہے نا کہ سو اونٹ کے عوض پچاس آدمی قسم اٹھائیں تو میری طرف سے یہ دو اونٹ قبول کرلو اور مجھے قسامت سے فارغ کردو۔

ابو طالب نے اس سے دو اونٹ لے لیے اور اسے قسامت سے بری کردیا۔

پھر مقررہ تاریخ پر خداش سمیت اس کے قبیلے کے اڑتالیس آدمیوں نے رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھائی اور خداش کو اس قتل سے بری الذمہ قرار دیا۔اس طرح رسم قسامت ادا ہوگئی مگر اس قسامت کا ہولناک انجام ابھی باقی تھا۔حرم پاک کا تقدس اور رتبہ زمان و مکاں سے ماوراء ہے۔اس لیے فاکہی نے روایت کی کہ ابن نجیح نے اپنے باپ سے سنا کہ کچھ لوگوں نے بنو ہاشم کے ایک شخص کے قتل پہ خانہ کعبہ میں داخل ہو کر جھوٹی قسم کھائی اور مسکراتے ہوئے ہمارے سامنے سے گذر گئے۔جب کہ مقتول کے لواحقین نوحہ میں مصروف تھے۔خداش اور اس کے ساتھی حرم پاک سے نکلے اور اپنی سواریوں پہ سوار ہو کر وادی سے نکل گئے اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے ہر چند کہ ہمارے ہتھیار ہماری میانوں کے بیچ بے چین تھے اور ان کی پھنکار ہم تک پہنچ رہی تھی۔مگر ہم بے بسی سی محسوس کر رہے تھے کہ انہوں نے عرب کے رواج کے مطابق قسامت ادا کر دی تھی۔ان سواروں کو جب صحرا کی دھوپ چاٹنے لگی تو وہ ایک چٹان کے نیچے جا ٹھہرے جو کچھ ہی دیر بعد ان کے سروں پہ آگری اور جھوٹی قسم کھانے والے تمام لوگ ہلاک ہوگئے۔علامہ آلوسی نے "**بلوغ الارب**" اور ابن عبدربہ نے "**العقد الفرید**" میں اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا ہے۔جبکہ ابن الکلبی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ خداش اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد ان کے سب

مکانات حویطب کی ملک ہوگئے تھے۔اس لیے حویطب ایک ایسا شخص تھا جو مکے میں سب سے زیادہ مکانوں کا مالک تھا۔ابن عباسؓ نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔

حمس

اہل عرب کے ہاں احساسِ تفاخر اس قدر زیادہ تھا کہ تکبر کی حدوں کو چھوتا تھا۔حمس جیسی رسم نے بھی اسی کے بطن سے جنم لیا۔حمس بھی احساسِ تکبر اور خود پسندی کی ایک شکل تھی جو ان کے ذہن میں آئی اور انھوں نے اسے اختیار کرلیا۔اسے عام کردیا اور کہا کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور دوسرے لوگوں کے مقابل زیادہ قابل احترام ہیں۔ہم اللہ کے گھر کے والی اور مکہ کے رہنے والے ہیں اس لیے جیسا حقِ سرفرازی ہمارا ہے کسی اور کا نہیں اور نہ ہی دوسرے عرب ہماری ہم سری کا دعویٰ کریں۔اس لیے کہ شعائر حرم اور تعظیم حرم کے متعلق جس قدر ہم جانتے ہیں دوسرے عرب نہیں جانتے۔لہٰذا اللہ کے ہاں ہماری جو قدر و منزلت ہے وہ ممتاز ہے اس لیے کہ ہم حمس ہیں۔ہم اہل حرم ہیں۔چنانچہ اول اول اس رسم کا اجراء اہل قریش تک محدود تھا۔پھر بنو کنانہ اور بنو خزاعہ بھی ان حقوق میں شامل ہو گئے اور آخر میں ابن صعصعہ بھی احماس میں شامل ہو گئے جس کا ثبوت عمرو بن معدیکریب کے اس شعر سے ملتا ہے جس میں اس نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کیا ہے۔

اعَبَّاسُ لَوْ كَانَتْ شِيَاراً جِيَادُنَا
بِتَثْلِيثَ مَانَا صَيْتَ بَعْدِي الأَحَامِسَا

اے عباس! اگر ہمارے گھوڑے تثلیث کے مقام پر عمدہ اور موٹے ہوئے تو میرے بعد احماس کے ساتھ گتھم گتھا نہ ہو جانا۔

چنانچہ انھوں نے کہا کہ اللہ کے گھر کے حقوق تو صرف ہم جانتے ہیں اور اللہ کے گھر یعنی حرم سے باہر کی کسی بھی چیز کی تمہیں اس قدر تعظیم نہ کرنی چاہیے کہ جس قدر حرم کی کرتے ہو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو عرب تمہارے احترام کو معمولی بات سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ لوگ تو حرم سے باہر کی جگہوں کی بھی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح حرم کی۔ لہٰذا انھوں نے عرفہ میں ٹھہرنا اور وہاں سے روانہ ہونا ترک کر دیا حالانکہ وہ جانتے تھے اور اعتراف کرتے تھے کہ وقوف عرفات شعائر حج اور دین ابراہیم میں سے ہے۔ انھوں نے کہا کہ سارے عربوں کو واجب ہے کہ وہ میدان عرفات میں ٹھہریں اور وہاں سے روانہ ہوں مگر ہم اہل حرم ہیں یعنی حمس ہیں اس لیے ہم پہ واجب نہیں کہ ہم احاطہ حرمت سے باہر جائیں اور نہ ہی ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم حرم سے باہر کی جگہوں کی بھی اس طرح تعظیم کریں جس طرح اللہ کے گھر کی کرتے ہیں۔ اسی طرح قریش نے کچھ اور باتیں بھی گھڑ لیں تھیں جو دین ابراہیم کا حصہ نہ تھیں بلکہ ان کی بنا ان کے احساس تفاخر پہ رکھی تھی۔

انھوں نے کہا کہ حمس اقوام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ پنیر تیار کریں یا گھی بگھاریں جب تک کہ وہ احرام میں ہیں اور نہ ہی ان کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ خیموں میں رہیں اور اگر ضرورت ان کو مجبور ہی کرے تو وہ صرف چمڑے کے خیمے کے سائے میں بیٹھیں ورنہ اس وقت تک سائے میں نہ بیٹھیں جب تک کہ وہ حالت احرام میں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حج وعمرہ کے لیے آنے والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو وہ اپنے ساتھ لائیں ہیں اور نہ وہ اللہ کے گھر کا طواف کریں ان کپڑوں میں جو انھوں نے پہن رکھے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی حمس کے کپڑے پہنیں اور طواف کریں اگر وہ دستیاب نہ ہوں تو ننگے طواف کریں۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ ایک صورت یہ تھی کہ اگر کوئی انھی کپڑوں میں اللہ کے گھر کا طواف کر لیتا جنہیں وہ گھر سے پہن کر آیا تھا تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ طواف کے بعد ان کپڑوں سے جان چھڑا لے اور انھیں اتار کر ایک طرف پھینک دے اور پھر ان سے کوئی بھی فائدہ نہ اٹھائے عرب ان کپڑوں کو "**لقی**" کہا کرتے۔ چنانچہ حمس یعنی اہل حرم نے جو قواعد وضوابط وضع کیے اسے عرب کے سب قبائل کی حمایت حاصل ہو گئی جس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ اہل عرب کے ہاں اہل حرم کو عزت وجاہ کا مقام حاصل تھا اور یہ بھی کہ وہ دوسرے عرب قبائل سے طاقتور تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے گھر کے والی تھے۔ چنانچہ عربوں نے ان کی اطاعت کی بلکہ خود کو ان کی اطاعت پہ مجبور پایا۔ اور

انھوں نے میدان عرفات میں قیام بھی کیا اور وہاں سے روانہ بھی ہوئے۔عورتوں اور مردوں نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف بھی کیا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے کھانوں سے اجتناب بھی کیا اور حج وعمرہ کے وہ سب طریقے اختیار کر لیے جو اہل قریش نے مقرر کئے تھے اور ان طریقوں میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہ آئی جب تک کہ ان کے درمیان آنحضرت محمد ﷺ مبعوث نہ ہوئے۔

انھوں نے قوم کو اندھیروں سے اجالوں کی طرف بلایا، پستیوں سے رفعتوں کی طرف بلایا، جہالت سے علم کی طرف بلایا، خزاں سے بہار کی طرف بلایا، یاس سے آس کی طرف بلایا، برائی سے نیکی طرف بلایا، بد امنی سے امن کی طرف بلایا، تباہی سے سلامتی کی طرف بلایا، آگ سے نجات کی طرف بلایا، مدہوشی سے ہوش کی طرف بلایا، جنوں سے خرد کی طرف بلایا، غم سے خوشی کی طرف بلایا دکھ سے راحت کی طرف بلایا، انتشار سے اقتدار کی طرف بلایا، انارکی سے استحکام کی طرف بلایا بے بسی سے قوت کی طرف بلایا ،شرک سے توحید کی طرف بلایا، رسموں سے نجات کی طرف بلایا بتوں سے اِلٰہ کی طرف بلایا، بغاوت سے اطاعت کی طرف بلایا، وہم سے یقین کی طرف بلایا، جہل سے دانش کی طرف بلایا، تنگ دستی سے آسودگی کی طرف بلایا، فقر سے فراغت کی طرف بلایا، ظلم سے عدل کی طرف بلایا، ناتوانی سے قوت کی طرف بلایا، گلہ بانی سے جہاں بانی کی طرف بلایا، دشواری سے آسانی کی طرف بلایا، جھوٹ سے سچ کی طرف بلایا ،مشکل سے آسانی کی طرف بلایا، سیاہ سے سفید کی طرف بلایا، غلاظت سے طہارت کی طرف بلایا، بخل سے سخاوت کی طرف بلایا، توہم سے نجات کی طرف بلایا، بددیانتی سے دیانت کی طرف بلایا، صحرا سے نخلستان کی طرف بلایا، تنگی سے وسعت کی طرف بلایا، ناانصافی سے انصاف کی طرف بلایا، ظلم سے ترحم کی طرف بلایا، کانٹوں کی راہگذر سے گل پوش روِشوں کی طرف بلایا، جہنم سے جنت کی طرف بلایا، زنا سے نکاح کی طرف بلایا بدی سے فلاح کی طرف بلایا، انکار سے اقرار کی طرف بلایا، بیماری سے شفا کی طرف بلایا، عداوت سے محبت کی طرف بلایا، آگ سے شفاعت کی طرف بلایا، زحمت سے رحمت کی طرف بلایا، تفاخر سے عجز کی طرف بلایا، بے کسی سے حکم کی طرف بلایا، بہمیت سے شرف کی طرف بلایا، تشنگی سے آسودگی کی طرف بلایا، لغو سے مقصد کی طرف بلایا، تیرگی سے شفق کی طرف بلایا، زمین سے آسمان کی طرف بلایا، انارکی سے تسخیر جہاں کی طرف بلایا، کفر سے ایمان کی طرف بلایا اور دینِ جہل سے قرآن کی طرف بلایا تو ان کے صحن میں اجالا ہونے لگا۔صدیوں کے بنے ہوئے توہم کے جالے بکھرنے

لگے۔رسموں کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں اورلوگ حقیقت کی طرف آنے لگے تو اللہ کے گھر اوراس گھر سے متصل عبادات کا طریق بھی شفاف ہونے لگا۔

××××××××

زمانہ پھر سے طورِ ابراہیم ؑ کی طرف لوٹ گیا۔چنانچہ قرآن نے ان کے ہراس عمل کی اصلاح کی جو دین ابراہیم ؑ میں ملاوٹ کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔انھی میں ایک حُمس کی باطل روایت بھی تھی جس سے نجات کے لیے قرآن حکیم میں حکم جاری ہوا اور حضرت ابراہیم ؑ کی سنت پھر سے جاری ہوگئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ واسْتَغْفِرِ واللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ ۲ / ۹۹)

ترجمہ:

"اس کے بعد جہاں سے اورلوگ روانہ ہوکر منتشر ہوجاتے ہیں تم بھی وہیں سے روانہ ہو اور اللہ سے مغفرت طلب کرو کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے"۔

××××××××

پھر حج وعمرہ کے بہت سے احکام نازل ہوئے جن میں ان تمام توہمات کی تردید کی گئی جو دین ابراہیمی میں تحریف کے ذریعے داخل کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدھی راہ دکھائی۔

چنانچہ قرآن مجید ارشاد ہوتا ہے:

يَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲/ ۱۰۳)

ترجمہ:

اے بنی آدم! جب مسجد میں جاؤ تو کپڑے پہن کر جاؤ اور کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا آپ انھیں فرما دیجئے کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے نیز عمدہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں ایمان لائے یہ چیزیں قیامت کے دن خالص انھی کے لیے ہوں گی اور ہم اپنی آیات کی تفصیل جاننے والوں کے لیے اسی طرح بیان کرتے ہیں"۔

نسئ

عرب کے جاہلی معاشرے کی ایک رسم نسیّ کی تھی جس میں وہ حرام مہینوں کو اپنی خواہش کے تابع کر دیتے تھے۔ یعنی جب ان کے لیے کسی حرام مہینے میں قتل و غارت گری ناگزیر ہوتی تو وہ حرام مہینے کو مؤخر کر دیتے۔ مورخین نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ عربوں کے سال کی ابتدا اور انتہا ایرانی سال کے مطابق ہوتی تھی اس لیے ان کے حالات میں اس طرح کے ردوبدل پیدا ہوئے کہ شاہ اغطس کی حکومت کے چھٹے سال ان کے ہاں سال کبس میں خرابی پیدا ہو گئی تھی اور کبس ایرانی زبان کا لفظ تھا جس کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ سال سے بچے ہوئے وقت کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملایا جائے کہ پورا ایک دن بن جائے اور یہ وقت چار سال میں پورا ہوتا۔ چنانچہ اہل ایران نے فروری کے مہینے میں چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ کر دیا اور اس کے بعد فروری کا مہینہ انتیس دنوں کا ہوا کرتا۔ جب اہل عرب میں سال کبس کی خرابی پیدا ہوئی تو یہ ان وقتوں کی بات ہے جب ذوالقرنین کی حکومت کو دو سو اسی سال اور چالیس دن گذر چکے تھے۔ لہٰذا انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر سال کے ساتھ ایک ربع دن ملا دیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ وقت گذرنے کے بعد ان کا سال محفوظ ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رسم پر ہی چلتے رہے اور سال میں کسی قسم کا اضافہ نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یثرب میں یہودی آ کر ان کے پڑوسی بن گئے تب اہل عرب نے چاہا کہ ان کا حج سال کے اس زمانے میں ہو جس کی وہ خواہش کریں اور وہ دوسرے امور سے فارغ ہوں اور یہ کہ حج کے ایام ایسے دنوں میں آئیں جب تجارت کے لیے ان کا نکلنا آسان ہو اور حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہو اس لیے انھوں نے یہودیوں سے اپنے سال میں اضافہ کرنا سیکھ لیا۔ بیان

کیا گیا کہ عمرو بن لحئ الخزاعی پہلا شخص تھا جس نے اہل عرب میں مہینوں کو مؤخر کرنا شروع کیا، بحیرہ کے کان کاٹے، سائبہ کو کھلا چھوڑا اور وصیلہ کو وصیلہ بنایا اور حامی کی پیٹھ کو سواری سے محفوظ بنایا اور یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے اہل عرب کو بتوں کی پوجا کی طرف بلایا اور دین ابراہیم کو بدل کے رکھ دیا۔ نسیٔ کے معنی ہیں ایک مہینے کی حرمت کو کسی دوسرے ماہ تک اٹھا رکھنا۔ اس لیے کہ اشہر حرم کی تعظیم کرنا ان کے عقائد میں شامل تھا اور اشہر حرم چار ہیں، محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ چنانچہ اہل عرب ان مہینوں کے احترام میں غارت اور جنگ سے خود کو بچائے رکھتے۔ تاہم ان کے چند قبائل ان مہینوں میں جنگ کرنا جائز رکھتے اور اپنے حالات میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے اس حرام مہینے کی جگہ کسی اور مہینے کو حرام قرار دے لیتے اور اپنی خواہش پوری کر لیتے۔ لہٰذا وہ محرم کو مؤخر قرار دے کر اس کو حلال کر لیتے اور صفر کو حرام قرار دے لیتے۔ اگر ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی تو پھر سے صفر کو بھی مؤخر کر دیتے اور اگلے ماہ کو حرام کر دیتے اور وہ اسی طرح کرتے رہتے حتیٰ کہ سال پورا ہو جاتا مگر ان کی غارت گری کم نہ ہوتی تو سال میں ہی اضافہ کر لیتے اور سال کو تیرہ یا چودہ مہینوں تک کھینچ لیتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اسلام آیا تو قرآن وسنت میں مہینوں کی تعداد کو متعین کر دیا گیا اور کہا گیا کہ سال میں بارہ مہینے ہیں اور یہ ان کے خودسری کے اسی نظام کا نتیجہ تھا کہ حج کے اوقات مختلف ہو گئے اور ہجرت کے نویں سال جب حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے حج کیا تو وہ ذوالحجہ کی بجائے ذوالقعد میں آیا اور اس سے اگلے سال جب نبی اکرم ﷺ نے حج کیا تو زمانہ اپنا چکر پورا کر چکا تھا اور امسال حج ذوالحجہ کے ماہ میں ہوا اسی لیے آنحضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ زمانہ چکر کاٹ کر پھر سے اسی ہیت پہ آ گیا ہے جس ہیت پہ وہ اس دن تھا جس دن اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا تھا اور سال بارہ ماہ کا ہے جس میں چار مہینے حرمت والے ہیں جن میں تین تو لگاتار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

چنانچہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب "**تفصیل الازمنہ**" میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے یہ الفاظ مارچ کے مہینے میں ارشاد فرمائے تھے اور یہی ماہ آذار بھی ہے جسے قبطی زبان میں برمہات بھی کہتے ہیں اور اسی مہینے سورج برج حمل میں اترتا ہے اور دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور زمان سے مراد سال ہے اور کھیہتہ کے معنی یہ ہیں کہ سال اپنا چکر کاٹ کر پھر پہلی حالت پر آ گیا ہے اور چکر کاٹنے سے

مراد یہ ہے کہ ذوالحجہ کی نویں تاریخ بعینہٖ اس وقت پہ واقع ہوئی ہے جس وقت دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔آنحضرت نبی اکرم ﷺ نے رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ وہ آخیر وقت تک اس کی تعظیم پہ کاربندرہے جبکہ دیگر عربوں نے ایسا نہ کیا تھا اور وہ مختلف مہینوں کا احترام کرتے تھے۔جیسا کہ ربیعہ رجب کی بجائے رمضان کی تعظیم کرتے تھے جبکہ بعض عرب قبائل رجب اور شعبان میں وہی کچھ کرتے تھے جس کا ذکر محرم اور صفر میں ہو چکا ہے۔چنانچہ وہ رجب کو حلال قرار دے کر شعبان کو حرام قرار دے لیتے تھے۔

نسئی ہی کے ضمن میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ عرب دو سال ایک ہی ماہ میں حج کیا کرتے تھے جیسا کہ دو سال محرم میں حج کر لیا اور دو سال ذوالحجہ میں حج کر لیا۔اسی طرح دیگر مہینوں میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو حج کیا تھا وہ ان کے اسی طریقے کے مطابق تھا۔یعنی اس سے پہلا حج بھی ذوالقعدہ میں ہی ادا کیا گیا تھا اور سیرۃ النبویہ کے قدیمی سیرت نگار ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ اہل عرب کے جاہلی معاشرے میں سب سے پہلے جس نے عربوں کے لیے مہینوں کو موخر کیا اس کا نام قلمس تھا اور ان کے لیے جس مہینے کو چاہا حلال کر دیا اور جس مہینے کو چاہا حرام کر دیا۔قلمس کا اصل نام حذیفہ بن فقیم تھا جس کا تعلق بنی کنانہ سے تھا۔اس کے بعد اس کے بیٹے عباد کو یہ منصب سونپا گیا کہ وہ عربوں کے لیے مہینوں کو مؤخر کیا کرے۔عباد کے بعد اس کا بیٹا قلع اس کے بعد اس کا بیٹا امیہ پھر امیہ کا بیٹا عوف پھر عوف کا بیٹا ابوثمامہ جنادہ بھی عربوں کے لیے مہینوں کو موخر کرتے اور ابوثمامہ ہی کے دور میں اسلام ظہور پذیر ہوا۔اہل عرب کے ہاں رواج تھا کہ جب وہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں اکٹھے ہوتے تو ابوثمامہ جمرۃ العقبۃ کے پہاڑ پر کھڑا ہو جاتا اور بلند آواز سے پکارتا کہ اے خدایا ! مجھے نہ تو عیب لگایا جا سکتا ہے اور نہ گناہ کا الزام اور جن امور کا فیصلہ تو کر چکا ہے ان کو کوئی بدل نہیں سکتا اور میں نے عربوں کے لیے فلاں مہینے کو حلال قرار دیا ہے اور اشہر حرم میں سے اس مہینے کا نام لیتا جس میں غارت گری پر عرب متفق ہو چکے ہوتے اور کہتا کہ میں نے فلاں مہینے کو اگلے سال تک اس کی بجائے حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ جس کو حلال کہتا اس کو حلال سمجھا جاتا اور جس کو وہ حرام قرار دیتا اس کو حرام تصور کیا جاتا اور اگر وہ اس مہینے کو حلال قرار دیتا جس میں وہ کھڑے ہوتے تو وہ اپنی کمانوں کی تانتیں کھول ڈالتے اور بھالوں کو نیزوں کی نوکوں پر چڑھا دیتے اور غارت ڈال دیتے۔امام سہیلی نے اپنی کتاب "**الروض الانف**

"میں بیان کیا ہے کہ اہل عرب دو طرح سے نسیٔ کیا کرتے تھے ایک اس طرح کہ چونکہ انھیں غارت ڈالنے اور بدلہ لینے کی ضرورت ہوتی تھی اس لیے محرم کے مہینے کو صفر تک موخر کر دیا کرتے تھے۔ دوسرے اس طرح کہ حج کو اپنے وقت سے پیچھے کر دیتے تھے تاکہ شمسی سال پورا ہو جائے اور وہ حج کو ہر سال گیارہ دن پیچھے کیا کرتے تھے تاکہ تینتیس سال میں دور پورا ہو جائے اور وقت پھر سے اپنی اصل حالت پہ لوٹ آئے۔

چنانچہ جب ہجرت کا نواں سال تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حج کرایا تو ان کا حج ذوالقعدہ کے مہینے میں ہوا تھا۔ پھر اگلے سال جب نبی اکرم ﷺ نے حج فرمایا تو اتفاق سے ایام حج لوٹ کر اپنی اصل حالت پہ آ چکے تھے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا؛ مہینوں کو موخر کرنے والا ایک قبیلہ تھا جو مالک بن کنانہ سے تھا اور آخری شخص جس نے عربوں کے لیے مہینوں کو موخر کیا اس کا نام قلمس تھا جو اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور امام سہیلی نے اس کے متعلق "**الروض الانف**" میں لکھا ہے کہ قلمس تو اس کا نام تھا مگر اس کا لقب جذل الطعان تھا۔ اس کا قد نہایت لمبا تھا اور اس کا ذکر مقلی الظعن میں ہوتا ہے یعنی ہودے میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو بوسہ دینے والا۔ اشارہ اس کے حسن کی طرف ہے اور اس کو جذل الطعان کہتے کہ یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جنگ میں اس طرح کھڑا رہتا جس طرح کسی مضبوط درخت کا تنا کھڑا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ اشارہ اس کی دانش کی طرف ہے کہ عرب اس سے مشورہ کرنے آتے اور اس کی رائے ان کے لیے شفاء اور راحت کا سبب بنتی۔ چنانچہ بنی کنانہ کا ایک شاعر کمیت ان مہینوں کو موخر کرنے کی وجہ سے عربوں پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے:

لَقَدْ عَلِمَتْ مَعَدٌّ اِنَّ قَوْمِیْ
کِرَامُ النَّاسِ اِنَّ لَهُمْ كِرَامَا

قبیلہ معد کو معلوم ہے کہ میری قوم شرفاء کی قوم ہے کیونکہ ان کے آباء کریم تھے اور ان کے اخلاق کریمانہ ہیں۔

فَاَیُّ النَّاسِ فَا تُوْنَا بِوُتْرٍ
وَاَیُّ النَّاسِ لَمْ نَعْلِكْ لِجَامَا

کون سے لوگ ہیں جو ہم سے بچ کے نکل سکے ہیں اور وہ ہمارے انتقام سے محفوظ رہے ہیں اور وہ کون سے لوگ ہیں جن کے منہ میں ہم نے لگام نہ ڈالی ہو۔

اَلَسْنَا النَّاسِئِیْنَ عَلَی مَعَدٍّ
شُهُوْرَ الحِلِّ نَجْعَلُهَا حَرَاماً

کیا ہم وہی نہیں ہیں جو معد قبیلے کے لیے حلال مہینوں کو حرام قرار دے کر مہینوں کو موخر کر دیا کرتے تھے۔

اَتَزْعَمُ اَنِّیْ مِنْ فُقَیْمِ بْنِ مَالِكٍ
لَعَمرِیْ لَقَدْ غَیَّرتَ مَاکُنْتُ اَعْلَمُ

اور کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں فقیم بن مالک سے ہوں اپنی جان کی قسم تو نے اس بات کو بدل دیا ہے جس کا مجھے علم تھا۔

لَهُمْ نَاسِیٌ یَمْشُوْنَ تَحْتَ لِوَائِهٖ
یُحِلُّ اِذَا شَاءَ الشُّهُوْرَ وَ یُحَرِمُ

ان کے مہینوں کو موخر کرنے والا تو ایک شخص ہے جس کے جھنڈے کے نیچے وہ چلتے ہیں اور وہ جب چاہتا ہے مہینوں کو ان کے لیے حرام یا حلال قرار دے لیتا ہے[48*]''۔

قاموس میں بیان کیا گیا کہ ان کے ہاں مہینوں کو موخر کرنے والا کہتا کہ خدایا! میں مہینوں کو موخر کرنے والا ہوں اور انہیں ان کی جگہ پہ رکھنے والا ہوں نہ تو مجھ پہ اس کا عیب لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس گناہ کا الزام دیا جاسکتا ہے اور میں نے دو صفروں میں سے ایک کو حلال قرار دے دیا ہے اور پچھلے صفر کو حرام قرار دیا ہے۔اسی طرح دونوں رجبوں کو کیا ہے اور شعبان کو اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ، پھر جب اسلام آیا تو اس کی نرمی اور ملائمت نے اہل عرب کے دلوں کو نرم کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے اپنے تمام برے افعال سے تائب ہو گئے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ان کی رسم نسئی کی ممانعت کر دی گئی اور ان کو اللہ کے احسان کی طرف بلایا کہ یہ اسی کا حق ہے کہ وہ تم پہ رحم کرے اور تمہارے لیے نظام الاوقات مرتب کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ ۲/)

ترجمہ؛

”جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اسی دن سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرض کر دیا ہے کہ مہینوں کی تعداد بارہ ہے ان میں سے چار اشہر حرم ہیں اور یہی سیدھا دین ہے۔ان اشہر حرم میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کیا کرو اور تم سب مل کر مشرکوں سے اسی طرح جنگ کرو جس طرح وہ تمام کے تمام مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور مہینوں کو پیچھے کر دینا کفر میں اور اضافہ کرنا ہے جس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے اور تم ایک مہینے کو ایک سال تو حلال قرار دیتے ہو اور ایک سال حرام تاکہ

اللہ کی حرام کردہ تعداد سے مطابقت پیدا ہو جائے اور وہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال بنا لیں شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کے لیے خوبصورت بنا رکھا ہے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

نوحہ گری

میت پہ نوحہ کرنا اہل عرب میں امرِ معروف تھا۔ان کے ہاں دستور تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو وصیت کر جاتے کہ مرنے کے بعد ان کے وارث ان کی میت پر نوحہ اور ماتم بپا کریں۔وہ کسی عزیز کے مرنے پر سر پہ خاک ڈال لیتے ،اپنا گریبان پھاڑ ڈالتے ،اپنی گالوں اور سینوں کو پیٹتے ،اس کے علاوہ وہ میت پہ ندب بھی کرتے جس کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جائیں،اہل عرب کے ہاں یہ رسم اتنی محبوب اور مقبول تھی کہ اہل عرب کے اہلِ دانش بھی اس کو از حد ضروری قرار دیتے تاہم اسلام آنے کے بعد ان کے رویوں میں نمایاں تبدیلی آئی۔چنانچہ عرب کے معروف شاعر ابن لبیدؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو مخاطب کر کے کہا:

تَمَنّٰى ابْنَتَایَ اِنْ یَّعِیْشَ اَبُوْ هُمَا
وَهَلْ اَنَا اِلَّا مِنْ رَبِیْعَةَ اَوْ مُضَرْ

میری دونوں بیٹیوں کی تمنا تھی کہ ان کا باپ زندہ رہے مگر میں بھی تو بنو ربیعہ اور مضر میں سے ہوں۔

فَقُوْ مَا وَقُوْلَا بِا لَّذِیْ تَعْلَمَا شَعَرْ
وَلَا تَخْمَشَا وَجْھًا وَلَا تَحْلِقَا شَعَرْ

لٰہذا تم اٹھواور جن باتوں کا تمہیں میرے متعلق علم ہے انہیں ہی بیان کرو مگر نہ تو اپنا چہرہ نوچنا اور نہ ہی سر کے بال مونڈنا۔

وَقُو لَا ھُوَالْمَرْءُ الَّذِیْ لَا صَدِیْقَہٗ
اَضَا عَ وَلَا خَانَ الْاَ مِیْنَ وَلَا غَدَرْ

اور کہنا کہ یہ وہ شخص تھا جس نے کبھی اپنے کسی دوست کو ضائع نہیں کیا اور نہ ہی امانت سے خیانت کی اور نہ دھوکا کیا۔

اِلَی الْحُوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَا مِ عَلَیْکُمَا
وَمَنْ یَبْكِ حُوْلًا کَا مِلًا فَقَدِ اعْتَذَرْ

اور ایک سال تک ایسا ہی کرتے رہنا اس کے بعد تم دونوں پر سلام کہ جس نے ایک سال رو لیا اس کا عذر قبول ہے [*49]"۔

چنانچہ حضرت ابن لبیدؓ کی وفات کے بعد اس کی دونوں بیٹیاں روزانہ نئے کپڑے پہن کر اپنے قبیلے کے سردار جعفر بن کلاب کی مجلس میں آتیں اور باپ کا مرثیہ کہتیں مگر چیخ و پکار نہ کرتیں، پورا سال ان کا یہی معمول رہا۔ ازاں بعد وہ اپنے اس عمل سے دستبردار ہو گئیں۔ لبیدؓ نے اپنے اشعار میں جو یہ کہا کہ میرے آباؤ اجداد تمام کے تمام خواہ وہ مضر سے تھے خواہ قبیلہ ربیعہ سے سب کے سب مر گئے کہ موت سے کسی کو مفر

نہیں اس لیے لامحالہ مجھے بھی مرنا ہے اور عرب کے بعض مفسرین نے سال بھر تک ندب کرنے کا جواز یہ پیش کیا ہے ان کے ہاں ایک روایت تھی کہ مردوں کی روحیں ایک سال تک اپنے لواحقین کے ہاں آتی رہتی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لبیدؓ نے ایک سال کی یہ مدت اس لیے مقرر کی تھی کہ اہل عرب کے ہاں نوحہ کی مدت ایک سال ہی تھی۔ تاہم متعدد اہل لغت نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے اس لیے کہ ان الفاظ کا کہنے والا ایک صحابی ہے جن کے اشعار سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عرب کی قدیم رسم نوحہ سے تائب ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی بیٹیوں کو صرف ندب کی اجازت دی تھی۔

تاہم قبل از اسلام اہل عرب کی حالت بہت بری تھی اور نوحہ کی رسم ان میں دور تک سرایت کر چکی تھی۔

چنانچہ اصمعی نے بیان کیا ہے کہ نوحہ کے سلسلے میں ان کی ایک عادت یہ تھی کہ جب عربوں کا کوئی صاحب قدر و منزلت شخص مر جاتا تو ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں میں چکر لگاتا اور کہتا کہ فلاں شخص بڑی عظمت اور رفعت والا تھا، اس میں یہ اور یہ خوبیاں تھیں۔ افسوس کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہا تو اے لوگو آؤ! اور اس کے ندبہ میں شامل ہو جاؤ۔

چنانچہ عربوں کا مقبول شاعر ہذلی کسی کا ندبہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اَقُوْلُ لِمَا اَتَيَانِی النَّا عِيَانِ بِهٖ
لَا يَبْعُدُ الرِّمَحُ ذُو النَّصْلَيْنِ وَالرَّجُل

جب دو خبر دینے والے اس کی موت کی خبر لے کر میرے پاس آئے تو میں نے کہا خدا کرے دو بھالوں والا نیزہ اور یہ شخص ہلاک نہ ہو۔

رُمْحٌ لَنَا كَانَ لَمْ يُفْلَلْ نَنُوءُ بِهٖ
تُوفِىْ بِهِ الحَرْبُ والضَرّٓءُ والجُلَلُ

اور یہ ہمارا ایسا نیزہ تھا جو کند نہیں ہوا تھا جسے اٹھانے میں مشکل پیش آتی تھی اور اس کی بدولت

ہم جنگ مصیبت اور اہم امور پہ غالب آجایا کرتے تھے۔

رَبَّاءُ شَمَّاءُ لَا یَا وِیْ لِقُلَّتِهَا
اِلَّا السَّحَابُ وَلَا الاَوْبُ والسَّبَلُ

اور یہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر ہماری پاسبانی کیا کرتا تھا ایسا بلند ٹیلا کہ اس کی چوٹی پر بادلوں، شہد کی مکھی اور بارش کے سوا کوئی پناہ نہیں لے سکتا[50*]"۔

تاہم اسلام کے آنے کے بعد اس رسم کی شدید ممانعت آگئی اگرچہ خود ہمارے معاشرے میں بھی نوحہ اور ماتم ہندومت کے راستے سے منتقل ہو گیا ہے جو اب آخری دموں پہ ہے اور صرف دور دراز کے دیہات تک محدود ہو کے رہ گیا ہے ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے نوحے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس نے رخسار پیٹا، گریبان پھاڑا اور اہل جاہلیت کے سے انداز میں پکارا وہ ہم میں سے نہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صالقہ یعنی بلند آواز سے نوحہ کرنے والی عورت اور حالقہ یعنی گریبان پھاڑنے والی عورت سے میں بے زار ہوں اور اس عورت سے بھی جو مصیبت میں اپنے بال مونڈ ڈالے۔ صحیحین میں ام عطیہ سے مروی ہے اور وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت لینے کے وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہ کریں گی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں دو باتیں پائی جاتیں ہیں اور ان کی یہ دونوں باتیں کفر ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ کسی کے نسب پہ طعن کیا جائے اور دوسرے یہ کہ کسی کی میت پہ نوحہ کیا جائے۔ رہا ندب تو وہ ماتم کرنے والی کا بلند آواز سے میت کی خوبیاں بیان کرنا ہے۔ یاد رہے کہ اسلام میں رقت

رحمت اور دکھ سے رونا ممنوع نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اپنے بندوں کے دل میں رحم ڈال رکھا ہے اور اللہ اپنے انھی بندوں پہ رحم کرتا ہے جو دوسروں پہ رحم کرتے ہیں۔

معاقرت

تمدنِ عرب میں مفاخرت کا جو مقام تھا اس سے سب آگاہ ہیں اور معاقرت بھی اسی احساسِ تفاخر کا شاخسانہ تھا جس کا اظہار اہل عرب مختلف مواقع پہ کرتے رہتے اور معاقرت یہ تھی کہ ایک عرب سردار کسی دوسرے عرب سردار کو للکارتا اور اپنے اونٹوں میں سے کچھ اونٹ ذبح کرڈالتا۔ اب دوسرا سردار اٹھتا اور پہلے سردار سے زیادہ اونٹ ذبح کرتا کہ اسی میں اس کے قبیلے کی عظمت پہناں تھی اور اگر وہ مغلوب ہوگیا تو مدتوں لعنت وملامت کا ہدف رہے گا۔ اگرچہ تاریخ عرب میں اہل عرب کی معاقرت کے بہت سے مواقع بیان کئے گئے ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم صرف ایک ہی واقعہ کے بیان پہ اکتفاء کریں گے۔ یہ اسلام کے ابتدائی سالوں کی بات ہے کہ عرب کے مشہور شاعر فرزدق کا باپ غالب اپنے قبیلے کا سردار تھا اور کوفہ میں مقیم تھا جب قحط نے ان کے ہاں ڈیرے ڈالے اور بہت سے قبیلوں کے لوگ آبادیوں سے نکل کر جنگلوں کی طرف چل دیئے تو غالب کی قوم سماوہ نامی ایک جگہ پر اکٹھی ہوئی جو بنی کلب کا علاقہ تھا جو کوفہ سے ایک دن اور رات کی مسافت پہ تھا۔ چنانچہ غالب نے اپنے لوگوں کے لیے ایک اونٹنی ذبح کی اور اس کا کھانا تیار کیا۔ ازراہ ترحم اس نے کچھ گوشت بنی تمیم کے لوگوں کی طرف بھی بھیجا۔ تاہم غالب کا یہ فعل بنی تمیم کے سردار سحیم کو برا لگا۔ اس نے کہا کہ غالب کو کہنا کہ ہم لینے والے نہیں بلکہ دینے والے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن اس نے اپنے لوگوں کے لیے دو اونٹ ذبح کئے اور اس کی اطلاع غالب کو کرنے کے لیے اس کا کچھ حصہ ان کے ہاں بھی بھیجا جسے غالب نے قبول کرلیا اور گوشت لانے والے آدمی کے سامنے تین اونٹنیاں ذبح کیں۔ چنانچہ وہ شخص اپنے قبیلہ میں واپس آیا اور ماجرا بیان کیا۔ بنی سحیم نے غالب کے

مقابلے کے لیے اب چار اونٹنیاں ذبح کیں۔ تب غالب کے لوگوں نے ان کی چار اونٹنیوں کے مقابل سو اونٹ ذبح کئے اور اس کی اطلاع بنو تمیم کو کی جس پہ بنو تمیم خاموش ہو رہے ہے کیونکہ اب ان کے پاس غالب کا جواب دینے کی قوت نہ تھی۔ پھر قحط کا وہ دور گذر گیا اور فارغ البالی کا دور آیا۔ تب بنو تمیم نے اس ادھار کو تین سو اونٹ ذبح کر کے چکایا اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس گوشت کو نہ کھائیں کیونکہ یہ گوشت غیر اللہ کے ذبیحہ میں داخل ہے۔ اسراف اور نمائش ہے۔ تفاخر اور فخر و مباہت ہے۔ جس کا مقصد صرف ذاتی اَنا کی تسکین ہے اور اللہ نے جاہلیت کے تمام فخر و مباہات کو معطل کر دیا ہے۔ چنانچہ بنو تمیم کے یہ تین سو اونٹ مہینوں تک کوفہ کے باہر پڑے رہے جنہیں کتے اور گدھ نوچتے رہے مگر لوگوں نے اس سے گوشت کا ایک ٹکڑا تک نہ کاٹا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ معاقرت بھی جاہلی عرب معاشرے کی ایک ایسی مکروہ رسم تھی جو قابل مذمت ہے اور شرف انسانیت کے بھی خلاف ہے کیونکہ جانوروں کا اتنی بڑی تعداد میں ذبح کرنا اور وہ بھی صرف اس بنا پہ کہ لوگ ان کو سخی اور بڑا کہیں کسی بھی اخلاقی معیار پہ پورا نہ اترتی تھی اس لیے اسلام نے ان کی ایسی تمام بری رسومات کو بہ یک جنبش قلم ختم کر دیا اور ان کی تربیت اس انداز سے کی ان کے ندازِ تفاخر کو بدل کے رکھ دیا۔ اسلام نے لوگوں میں مساوات قائم کی اور جاہلی تفاخر کو اس کی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسلام نے ان کے دلوں میں احساس تفاخر کے اس نئے تصور کو جنم دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی اور اب ان کے ہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور آگے بڑھ کر پیروی کرنے کو ہی احساس تفاخر گردانا جاتا تھا۔

چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے کہ:

تَعُدُّوْنَ عَقْرَ النِّیْبِ اَفْضَلَ مَجْدِکُمْ
بَنِیْ ضَوْ طَرَیٰ لَوْلَا الْکَمِیَّ الْمُقَنَّعَا

اے نکمے لوگو! تم اونٹوں کے ذبح کرنے کو اپنی بہترین بزرگی سمجھتے ہو حالانکہ بزرگی تو ہتھیار باندھنے اور خود پہننے والے کو قتل کرنے میں ہی ہے اگر تم جانو۔

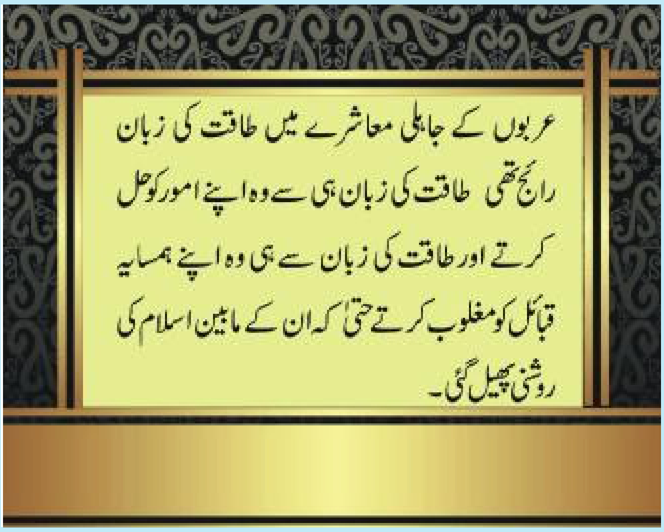

عہد جاہلیت میں عرب طاقت ہی کو قانون سمجھتے تھے اور طاقتور کی زبان سے نکلا ہر حرف ان کے لیے ایک قانون کی مانند تھا۔ جس کو یہ قانون پسند نہ ہو وہ خود طاقت حاصل کرے اور طاقتور کا مقابلہ کرے اور اپنی فکر کو قانون قرار دے لے۔ عرب کی سرزمین سرسبز و شاداب نہ تھی اس لیے ان کو اپنے جانوروں کے لیے غلے کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اگر کسی زمین پہ تھوڑی سی روئیدگی ہوتی تو اس پہ کوئی طاقتور شخص قبضہ جما لیتا اس طرح کمزور قبیلوں کا استحصال ہوتا۔ عہدِ جاہلیت میں قبیلہ ربیعہ کا سردار کلیب بن ربیعہ بن الحرث بن زہیر چراگاہوں پہ قبضہ کرنے میں مشہور تھا۔ اسی کو کلیب بنوائل بھی کہا جاتا، اس کی عادت تھی کہ جب اسے کوئی چراگاہ پسند آجاتی تو وہ اپنے کتے کو لے کر چراگاہ کی بلندی پر پہنچتا اور اپنے کتے کو چوٹ لگاتا جس کی وجہ سے وہ بھونکنا شروع کر دیتا۔ پھر ہر جہت میں جہاں تک اس کے کتے کی آواز پہنچتی وہ اس کو اپنے لیے محفوظ چراگاہ قرار دے لیتا۔ اس پہ مزید ظلم یہ روا رکھتا کہ دوسری چراگاہوں میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک رہتا۔ آخر یہی بات اس کے قتل کا سبب بنی۔ اس کے قتل پر عباس بن مرداس نے قصیدہ لکھا

جس کے چند شعر پیش ہیں۔

كَمَا كَانَ يَبْغِيهَا كُلَيْبٌ بِظُلْمِهِ
مِنَ العِزِّ حَتّٰى طَاحَ وَهُوَ قَتِيلُهَا

کہ جس طرح کلیب اپنی قوت کی وجہ سے ظالمانہ مطالبہ کیا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ مقتول ہو کے گرا۔

عَلَى وَائِلٍ اِذْ يَتْرُكُ الكَلْبَ نَابِحًا
يَمْنَعُ الاَفْنَاءَ مِنهَا حُلُوْلَهَا

اور یہ مطالبہ قبیلہ وائل سے کیا جاتا درآنحالیکہ وہ کتے کو بھونکنے کی حالت میں چھوڑ دیتا اور دیگر ہر قسم کے لوگوں کو وہاں اترنے سے روک دیتا۔

کلیب بن وائل ربیعہ کا سردار تھا اور بہت طاقتور تھا۔اس کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کسی چراگاہ پہ اپنے کتے کو باندھ کر چھوڑ دیتا تو پھر کسی کو ہمت نہ پڑتی کہ وہ اس چراگاہ یا چشمے کے نزدیک بھی پھٹکے۔وہ شکاری پرندوں اور جانوروں کو پناہ دیتا اور کسی کی جرأت نہ تھی کہ کوئی انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دیتا۔جب وہ کسی کیاری کے پاس سے گزرتا یا اسے پانی کا کوئی تالاب پسند آجاتا تو وہ اس کو اپنے لیے منتخب کر لیتا اور وہاں اپنا کتا باندھ دیتا۔جس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ مقام کلیب کے لیے مخصوص ہے اور اس کی قوت اور عزت کی ایک بات یہ تھی کہ اس کی آگ کی موجودگی میں کوئی اور آگ نہ جلائی جاسکتی تھی اور نہ ہی کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر یا اس سے پہلے پانی کے گھاٹ پر جاسکتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص اس کی مجلس میں اونچی آواز سے بات کرسکتا تھا اور نہ ہی اکڑوں بیٹھ سکتا تھا اسی لیے اس کے قتل پر عرب کے مشہور شاعر مہلہل نے اس کا قصیدہ لکھا۔بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ مہلہل اس کا سگا بھائی تھا۔چنانچہ وہ کہتا ہے

کہ:

نُبِّئْتُ اَنَّ النَّارَ بَعْدَكَ اُوقِدَت
وَاسْتَبَّ بَعْدَكَ يَا كُلَيْبُ الْمَجْلِسُ

اور مجھے بتایا گیا کہ تمہارے بعد آگ بھی جلائی گئی اور تمہارے بعد اہل مجلس نے ایک دوسرے کو گالی بھی دی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَتَكَلَّمُوْا فِيْ اَمْرِ كُلِّ عَظِيْمَةٍ
لَوْ كُنْتَ شَاهِدَهُمْ بِهَا لَمْ يَنْبِسُوْا

اور انہوں نے ہر عظیم اور اہم کام کے ضمن میں گفتگو بھی کی اگر تو وہاں موجود ہوتا تو کوئی شخص بات نہ کرسکتا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

كَفِعْلِ كُلَيْبٍ كُنْتُ خُبِّرْتُ اِنَّهُ
يُخَطِّطُ اَكْلَاءَ الْمِيَاهِ وَيَمْنَعُ

اور کلیب کے فعل کی بابت مجھے بتایا گیا کہ وہ سیراب گھاس کے گرد لکیر کھینچ دیتا تھا اور لوگوں کو وہاں جانور چرانے سے منع کر دیا کرتا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

يُجِيْرُ عَلَى اَفْنَاءِ بَكْرِ بِنْ وَئِلٍ
اَرَنِبَ ضَاحٍ وَ الظِّبَاءَ فَتَرْتَعُ

وہ ضاح کے خرگوشوں اور ہرنوں کو بکر بن وائل کے مخلوط لوگوں کے خلاف پناہ دیتا اور وہ اس کی سرسبز چراگاہوں میں چرتے رہتے اور کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ کوئی ان کا شکار کرے"[*51]۔

قلیب بن وائل کو جساس بن مرہ شیبانی نے قتل کیا تھا۔ پھر اسلام نے چراگاہوں پہ لوگوں کے قبضے کی مذمت کی اور اسے سب لوگوں کے لیے محفوظ بنایا۔ خود نبی اکرم ﷺ نے نقیع کی چراگاہ کو محفوظ قرار دیا تھا اور سنن ابی داؤد میں ابن شہاب کی روایت "**لَا حِمَى اِلَّا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ**" پہ بحث کرتے ہوئے سنن کے شارح امام خطابی نے کہا کہ آپ کے اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ محفوظ چراگاہ صرف اسی صورت ہو سکتی ہے جس صورت میں اسے اللہ کے نبی ﷺ نے جائز قرار دیا ہے۔ دراصل تو اس حدیث میں اہل جاہلیت کے اس فعل کی تردید کی گئی ہے جس میں عربوں کے طاقتور قبائل گھاس کے سارے میدانوں پہ خود قابض ہو جاتے اور لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیتے۔ رہی وہ چراگاہ جسے نبی اکرم ﷺ نے اپنے لیے محفوظ قرار دیا تھا تو اس کے متعلق روایات میں آیا کہ یہ کوئی وسیع قطعہ زمین نہ تھا جس سے دوسرے لوگوں کے لیے چراگاہ تنگ ہو جاتی۔ اس کا دوسرا مصرف یہ تھا کہ اس قطعہ زمین میں زکواۃ میں وصول کیے گئے وہ اونٹ چرتے جو دبلے پتلے اور کم خوراکی کا شکار تھے۔ اس لیے نقیع کی چراگاہ کو محفوظ قرار دینا تو دراصل لوگوں کے مال کا تحفظ تھا۔ اور حکمرانِ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایسے اقدامات کرے جس سے لوگوں کی فلاح وابستہ ہو۔ چراگاہوں کے بارے میں امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ چنانچہ شریعت میں اس جاہلانہ طریقے کو باطل قرار دے دیا گیا جس پہ دورِ جاہلیت میں ان کا عمل تھا۔ نقیع کی چراگاہ کے بارے میں میں نے ایک اور کتاب "**الحکام السلطانیہ**" میں ایک بحث دیکھی ہے جس کو ماوردی نے تحریر کیا تھا جس کا لب لباب یہ ہے

کہ ابو عبید نے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نقیع کے مقام پر ایک بلندی پر چڑھے اور اپنے دستِ مبارک سے نچلے میدان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اس چراگاہ کو میں نے محفوظ کیا ہے اور نقیع کا میدان تقریباً ایک میل چوڑا اور چھ میل لمبا تھا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے اسے مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے محفوظ کیا تھا اور خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی چراگاہوں کو محفوظ بنانے کا عمل جاری رہا اگرچہ خلافت راشدہ میں محفوظ کی گئی چراگاہوں پہ علما کے ہاں بحث جاری رہی ہے۔ اور وہ باہم متفق نہ ہو سکے۔

چنانچہ انہوں نے بیان کیا کہ اگر مسلمانوں کا خلیفہ ساری کی ساری غیر مقبوضہ زمین کو محفوظ چراگاہ قرار دے دے تو یہ امر جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ کسی خاص زمین کا کوئی خاص حصہ کچھ خاص لوگوں کے لیے مخصوص کر دے تو یہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اگر خلیفہ تمام مسلمانوں کے لیے یا صرف فقرا اور مساکین کے لیے کوئی چراگاہ مخصوص کر دے تو اس بارے میں علماء کی دو رائے ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ چراگاہ خاص اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ہوگی۔ صعب بن جثامہ کی روایت میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نقیع کی چراگاہ کو محفوظ کیا تو فرمایا کہ "چراگاہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے محفوظ نہیں ہو سکتی۔

اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے بعد خلفاء کا چراگاہ کو محفوظ قرار دینا اسی طرح جائز ہے جس طرح خود نبی اکرم ﷺ کے لیے جائز تھا۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی چراگاہ کو لوگوں کی بہبود کے لیے محفوظ قرار دیا تھا نا کہ اس امر سے ان کی اپنی کوئی ذاتی غرض وابستہ تھی اور یہی حکم ان کے خلفاء پر بھی لاگو ہوگا جو لوگوں کی مصلحت کی خاطر آنحضرت ﷺ کے قائم مقام ہوئے۔

چنانچہ مسلمانوں کے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقام زبدہ میں اہل زکواۃ کے لیے چراگاہ محفوظ کی اور اس کی نگرانی کے لیے اپنا آزاد کردہ غلام ابو اسامہ کو مقرر کیا۔

اسی طرح مسلمانوں کے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقام سرف میں زمین کا اسی قدر حصہ مسلمانوں کے محفوظ چراگاہ قرار دیا جس قدر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرار دیا تھا اس کی نگرانی کے لیے اپنا آزاد کردہ غلام ھنیؑ کو مقرر کیا اور اسے رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

"کہ لوگوں سے نرمی سے پیش آنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنے کیونکہ مظلوم کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور چھوٹے سے گلے اور تھوڑی سی بکریوں والے سے رعایت برتنا اس لیے کہ ان کا

اس پہ حق ہے اور یاد رکھنا کہ ابن عفان اور ابن عوف کے جانور تمہاری چراگاہ کے قریب بھی نہ آنے پائیں اس لیے کہ یہ لوگ تو اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کی طرف رجوع کر لیں گے اور چھوٹے گلے اور تھوڑی سی بکریوں والے کا ہاتھ تمہارے امیر المومنین کی طرف اٹھے گا تو یہ جان لو کہ یہ گھاس میرے نزدیک درہم و دینار کے مقابل ہیچ سی چیز ہے اور مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر یہ جانور نہ ہوتے جن پہ سوار کر کے میں لوگوں کو جہاد کے لیے بھیجتا ہوں تو میں پورے ملک سے ایک بالشت بھر رقبہ بھی محفوظ نہ کرتا۔''

×××××××

چنانچہ ثابت ہوا اگر حمٰی (کسی جگہ کو محفوظ چراگاہ قرار دینا) ہے تو وہ اسی طریقے پر ہے جس طرح کہ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے زمین کے کسی حصے کو محفوظ قرار دیا اور دورِ جاہلیت میں عربوں کا طاقت کے زور پہ چراگاہوں پہ قبضہ کر لینے کے طریقے کو منسوخ قرار دیا۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے حقیقت یہ ہے اسلام نے لوگوں کے دل بدل کے رکھ دیئے تھے اس لیے کہ اسلامی عہد میں ایسا کوئی واقعہ دکھائی نہیں دیتا کہ کسی نے عام چراگاہوں پر طاقت کے زور سے قبضہ کر لیا ہو۔

بحیرہ اور صائبہ

یادرہے کہ بحیرہ اور سائبہ کی رسم بھی عمرو بن لحئ الخزاعی کی ایجاد کردہ خرافات کا اِک تسلسل ہے اورانھی ناپسندیدہ امور میں شامل ہے جنہیں اس نے اہل عرب میں رواج دیا۔ ہر چند کہ دین ابراہیم اور دین اسماعیل میں ان کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ بھی جاہلیت کی ایک رسم تھی جسے عمرو نے عربوں کو بطور دین اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کے متعلق بہت سے اقوال ہیں جو باہم مختلف ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ جو اونٹنی دس بچے جنتی اس کا کان چیر دیا جاتا اور اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا پھر نہ اس پہ سواری کی جاتی نہ اسے چرنے پھرنے سے منع کیا جاتا اور جہاں سے بھی وہ پانی پیئے اسے نہ روکا جاتا اور سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا جس کو بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو، یا بت خانے کے مجاوروں کو بخش دیا گیا ہو اور اس اونٹنی کا دودھ مسافروں اور ضرورت مندوں کے علاوہ کوئی نہ پی سکتا تھا۔ بحیرہ کی طرح اس اونٹنی کو بھی آزاد

چھوڑ دیا جاتا نہ اس پہ سواری کی جاتی نہ اس پہ بوجھ لادا جاتا اور نہ اس کی اون کاٹی جاتی اور یہ بیان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے اور ہم نے اسے ابن اسحاقؒ سے نقل کیا ہے اور وصیلہ اس بھیڑ کو کہا جاتا جو سات مرتبہ دو دو مادہ بچے جنتی اور آخری مرتبہ ایک مادہ اور ایک نر کو جنم دیتی تو کہا جاتا'' **وصلت اخاها** '' کہ اس نے اپنے بھائی کو ملا دیا ہے اور اس کی ماں کا دودھ صرف مرد پی سکتے تھے۔عورتوں کو اس کے دودھ کی ممانعت تھی اور بحیرہ اور سائبہ کی طرح وصیلہ کو بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ جہاں چاہے چرے جہاں سے چاہے پیے۔

حام وہ نر اونٹ ہے جس نے دس بچوں کو جنم دیا ہو اور اس کا آخری بچہ جفتی کے قابل ہو جائے تو عرب کہتے کہ اس نے اپنی پشت کو محفوظ بنالیا اور اب اس پہ نہ بوجھ لادا جائے گا اور نہ کہیں اسے چرنے اور پینے سے روکا جائے گا۔پھر اسلام کی روشنی ان کی زندگیوں میں داخل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں کو منور کر دیا۔زندگی کی حقیقتوں سے ان کو آگاہی بخشی اور ان کو سلامتی کی وہ راہ دکھائی جس نے ان کی دنیا بھی سنوار دی اور آخرت بھی۔ان کے توہمات اور قبیح رسم و رواج کو اس طرح بدل کے رکھ دیا کہ جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہ تھا۔چنانچہ بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پہ قرآن اتارا تاکہ عقل رکھنے والے اور غور کرنے والے اس سے راہنمائی حاصل کریں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَقَالُواْ مَا فِي بُطُونِ هَـذِهِ الأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاء سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حِكِيمٌ عَلِيمٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ۶/ ۱۳۹)

ترجمہ:

''انہوں نے (یعنی کافروں نے) کہا کہ ان چوپائیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری بیبیوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردار ہو جائے تو وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں قریب ہے کہ خدا انہیں ان کی بے اصل تقسیموں کی سزا دے بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا ہے بڑے علم والا ہے''۔

اور مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَاماً وَحَلاَلاً قُلْ آللّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّهِ تَفْتَرُونَO

القرآن الحکیم (سورۃ یونس ۱۰/ ۵۹)

ترجمہ:

(اے پیغمبر ﷺ) تو (ان سے) کہہ دے کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے اتارا ہے کیا تم نے (محض اپنے اوہام وظنون کی بنا پر) اس میں سے کچھ تو حرام ٹھہرایا ہے اور کچھ حلال سمجھ لیا ہے! کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پہ بہتان باندھتے ہو۔

××××××

پھر ارشاد ہوا کہ:

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الأُنثَيَيْنِ نَبِّؤُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (143) وَمِنَ الإِبْلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الأُنثَيَيْنِ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاء إِذْ وَصَّاكُمُ اللّهُ بِهَذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّهِ كَذِباً لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ۶/ ۱۴۳،۱۴۴)

ترجمہ:

"بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو (نر اور مادہ) اللہ نے پیدا کئے ہیں تو اے پیغمبر! ان سے پوچھو کیا (خدا نے) دونوں قسم کے نر کو حرام کیا ہے ماداؤں کو یا اس بچے کو جس کو دونوں قسم کی مادائیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں اور اگر تم سچے ہو تو مجھے علم سے اس کا جواب دو اور (

گائے) بیل میں سے دونر اور مادہ پیدا کئے ہیں ان سے پوچھو کیا ! دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادائیں یا وہ بچے جوان دونوں قسم کی مادائیں اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں یا پھر تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جب اس بارے میں اس نے حکم دیا تھا پھر بتاؤ اس سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خدا پر بہتان باندھے اور اس کے پاس کوئی علم نہ ہو ! بلاشبہ خدا ان لوگوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں‘‘۔

قبروں سے آتی صدائیں

عرب کے جاہلی معاشرے میں غالباً سب سے قبیح رسم بچیوں کو زندہ دفن کرنا تھی کیونکہ اس قبیل کی بربریت دنیا کے کسی اور معاشرے میں دکھائی نہیں دیتی۔ تاریخ کے صفحات اگرچہ لوگوں کے اسلوبِ بربریت سے بھرے پڑے ہیں مگر وحشت کی ایسی مثال شاذ ہی مل سکے گی۔ یاد رہے کہ لوگوں نے اس رسم کی بنا پر عربوں کو بہت مطعون کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سارے عرب اس قبیح رسم میں شامل نہ تھے اور نہ ہی اس کی تاریخ زیادہ قدیم ہے۔ یہ رسم ان دنوں اپنی شدت کو دیکھ رہی تھی جب ان کے ہاں اسلام کا سورج طلوع ہونے میں زیادہ وقت نہ تھا پھر یہ بھی نہ تھا کہ پیدا ہونے والی ہر بچی کو قتل کر دیا جاتا۔ یا ہر بچی کا باپ لازمی طور پہ شقی القلب ہی تھا۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اول تو یہ رسم سارے عرب کی متفقہ رسم نہ تھی بلکہ یہ قبیح رسم بنی تمیم بنی کندہ اور ربیعہ کے چند گھروں تک محدود تھی۔ ان میں بھی اگر ایک بچی کو قتل کیا جاتا تو دس بچیوں کو چھوڑ بھی دیا جاتا۔ ایک ضروری تذکرہ یہ بھی ہے کہ عرب کے مختلف قبائل مختلف وجوہات اور مختلف طریقوں سے بچیوں کو قتل کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ اسلام سے پہلے بنی تمیم میں یہ رسم اپنے عروج

کے دن دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اس امر سے انکار تو ممکن نہیں عرب اپنی بچیوں کو زندہ دفن نہیں کرتے تھے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس قبیح رسم کو عرب کے سب شرفاء کے ذمہ لگا دینا بھی قرین انصاف نہیں۔ اس لیے کہ عرب شرفاء میں بہت سے ایسے بھی تھے جو اس رسم کو نہ صرف یہ کہ پسند نہ کرتے تھے بلکہ اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے لوگوں کو بچیوں کے قتل سے روکا کرتے تھے جن کا تذکرہ آگے آتا ہے۔ یاد رہے کہ محاورے میں "**وَاَدَ الْمَوْءُ وْدَةَ يَئِدُ هَا**" یعنی بچی کو زندہ دفن کر دیا، اور **مَوْءُ وْدَةَ** کا لفظ ان بچیوں کے لیے بولا جاتا ہے جنہیں عرب زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

ابن الاعرابی کا شعر ہے:

وَمَا لَقِیَ الْمَوْءُ وْدُ مَنْ ظُلْمِ اُمِّہٖ
کَمَا لَقِیَتْ ذُهْلٌ جَمِیْعًا وَ عَامِرٌ

اور زندہ درگور کردہ بچے نے اپنی والدہ کا اس قدر ظلم نہیں سہا جس قدر بنی ذہل اور عامر قبائل نے سہا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل کرنے کے ضمن میں عربوں کے خیالات مختلف تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض قبائل وہ تھے جو اپنی بچیوں کو سخت غیرت کی بنا پر زندہ دفن کرتے تھے۔ روایت ہے کہ عربوں میں سب سے پہلے قبیلہ ربعیہ نے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کیا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ خراج ادا نہ کرنے کی وجہ سے نعمان بن منذر نے اپنی فوج قبیلہ ربعیہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی۔ چنانچہ جب ان پہ یلغار ہوئی اور لوگ ان کے مقابلے کے لیے نکلے۔ حملہ آوروں میں ایک بہت ہی خوبرو نوجوان نے قیس بن عاصم کی بیٹی کی طرف دیکھا تو وہ اس کے حسن کی تاب نہ لا سکی اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لیتا جائے۔ قیس بن عاصم کی بیٹی خود بھی نسوانی حسن کا شاہکار تھی چنانچہ وہ سوار انکار نہ کر سکا اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے گھوڑے پر کھینچ لیا۔

کچھ دنوں بعد جب یہ تنازعہ حل ہوا اور نعمان بن منذر اور ربعیہ کے سرداروں نے باہم معاہدہ کر لیا اور قیدیوں کی واپسی کا معاملہ اٹھایا گیا تو نعمان نے ان کے تمام قیدی واپس کرنے کا حکم دیا جس کو اس کے ایک ادنیٰ سوار نے ماننے سے انکار کر دیا۔ بات نعمان تک پہنچی تو اس نے اس سوار کو طلب کیا جس نے بغیر کسی خوف کے اسے کہا کہ وہ اپنا سر تو قلم کر کے اسی وقت اس کے پاؤں پر رکھ سکتا ہے مگر وہ اس لڑکی کو کبھی نہ لوٹائے گا۔ نعمان نے اس سے کہا کہ اگر بات کسی معمولی لڑکی کی ہوتی تو وہ اسے نظر انداز کر سکتا تھا مگر وہ لڑکی جس کو تم اٹھا کر لے آئے ہو وہ قبیلے کے سردار قیس کی بیٹی ہے اس لیے یہ بات اس قدر آسان نہیں جس قدر تم سمجھتے ہو۔

نعمان کے سپاہی نے اپنے حکمران کو جواب دیا کہ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ میں نے اس لڑکی کو اٹھایا ہے۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ وہ خود اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ خود بھی اب واپس جانے کے لیے آمادہ نہ ہوگی کیونکہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کر چکے ہیں ۔تب نعمان نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ تم جاؤ اب کوئی تم دونوں سے تعرض نہ کرے گا۔ ادھر جب ربعیہ کے قیدی واپس پہنچے تو سب سے اہم قیدی یعنی قبیلے کے سردار کی بیٹی جس کا نام زہرہ تھا ان میں شامل نہ تھی۔ تب قیس نے نعمان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی بیٹی واپس کرے۔ نعمان نے کہا کہ ہم نے اس لڑکی کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو چلی جائے اور اگر وہ یہیں رہنا چاہے تو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ تب قیس کی بیٹی زہرہ نے اپنا یہ اختیار استعمال کیا اور اپنے باپ کی بجائے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی جس سے قیس بہت دلبرداشتہ ہوا اور اس نے قبیلے میں واپس آ کر عہد کیا کہ اب اس کے ہاں جو بھی بیٹی جنم لے گی وہ اس کو زندہ گاڑ دے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بعض مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اس واقعہ کے بعد اپنی دس سے زائد بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام غیرت میں آ کر کیا گیا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی بیٹیوں کو احساس ہو جائے کہ والدین کی عزت کا تحفظ بھی ان کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کہیں عرب میں یہ واقعہ پھر سے نہ دہرایا جائے۔ اس طرح قبیلہ ربعیہ کی غیرت کی یہ خبر سارے عرب میں پھیل گئی اور آہستہ آہستہ لوگوں نے قبیلہ ربعیہ کے اس مذموم امر کی تقلید شروع کر دی اور دختر کشی عرب کے مختلف قبائل میں پھیل گئی۔ لڑکیوں کو قتل کرنے کے مختلف طریقے اہل عرب کے ہاں رائج تھے۔ چنانچہ بعض قبائل میں یہ رسم یوں ادا کی جاتی

تھی کہ جب کسی شخص کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہو جاتی اور وہ اسے زندہ رکھنا چاہتا تو اسے صوف یا بالوں کا جبہ پہنا دیتا اور وہ خوشی خوشی اپنے باپ کی بکریاں چرایا کرتی۔ اگر وہ اپنی اس بیٹی کو قتل کرنا چاہتا تو وہ اسے یونہی چھوڑ دیتا یہاں تک کہ جب وہ چھ سال کی ہو جاتی تو وہ لڑکی کی ماں سے کہتا کہ وہ لڑکی کو تیار کر دے تا کہ وہ اسے اس کے سسرال میں چھوڑ آئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کسی بھی مورخ نے عرب کی ان لڑکیوں کی ماؤں کے احساسات کو نقل نہیں کیا کہ ان پہ اس وقت کیا بیتتی ہوگی جب وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے جگر کا ٹکڑا قتل کے لیے اپنے شوہر کے حوالے کرتی ہوں گی۔ غالبًا مورخ نے اس امر کو اس لیے نظر انداز کیا ہے کہ ماں کی ممتا زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہوتی ہے اس لیے اس کے احساسات معروف سمجھے جا سکتے ہیں کہ وہ بہ امر مجبوری اور نہایت دکھ کے ساتھ اپنا یہ فریضہ اس لیے ادا کرتی ہوگی کہ سماج کی مضبوط رسموں سے مفر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب بچی تیار ہو جاتی تو والد اسے لے کر دور صحرا میں نکل جاتا اس کا رخ اس گڑھے کی طرف ہوتا جو اس نے اس مقصد کے لیے پہلے سے کھود رکھا ہوتا۔ جب وہ اس قدرے گہرے گڑھے کے کنارے پہ جا کے بچی کو کہتا کہ دیکھو گڑھے میں کیا ہے۔ جب بچی گڑھے میں جھانکنے کے لیے اس کی طرف جھکتی تو اس کا باپ پیچھے سے اسے دھکا دے دیتا۔

پھر وہ چیختی چلاتی بچی پہ ریت ڈالتا جاتا حتیٰ کہ بچی کی پکار ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی۔ عرب یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح انہوں نے ایک غیرت کا کام کیا ہے اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ عرب کے مختلف علاقوں میں پھیلے جو خاندان اس قبیح رسم میں ملوث تھے ان کے ہاں بچیوں کو قتل کرنے کے مختلف طریقے رائج تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے بعض قبائل میں جب حاملہ عورت جننے کے قریب آتی تو وہ اپنے گھر سے کچھ دور ایک گڑھا کھود لیتی اور اس کے کنارے بیٹھ جاتی اور جب دردزہ سے تڑپتی اور بچے کو جنتی تو اس گڑھے پہ بیٹھ جاتی اگر تو لڑکا ہوتا تو اسے اٹھا کر اپنے قبیلے میں لوٹ آتی اور اگر لڑکی ہوتی تو اوپر سے ریت ڈال کے گھر آ جاتی اور کئی دن تک روتی رہتی کہ اس کے سماج نے اسے ایک ایسے امر پہ مجبور کیا جس کی وہ کبھی بھی خواہش مند نہ تھی۔ بعض عرب قبائل ایسے بھی تھے جو صرف ان لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے جو نیلی آنکھوں والی یا کالے رنگ کی ہوتیں یا جن کے جسم پر سفید رنگ کے داغ ہوتے یا وہ لنگڑی ہوتیں یا ان کے اندر اور کوئی ظاہری نقص موجود ہوتا۔ چونکہ ان سب صفات کو عرب منحوس سمجھتے تھے اس لیے وہ ایسی بچیوں کو دفن کر دیا کرتے۔ تاہم وہ صحت مند لڑکی سے تعرض نہ کرتے

تھے۔ چنانچہ اہل عرب کے ہاں ایک ایسی ہی بچی پیدا ہوئی جس میں مندرجہ بالا نقائص میں کوئی نقص موجود تھا جسے اس کے باپ نے دیکھا اور اسے اپنے ایک غلام کے حوالے کر کے اسے کہا کہ وہ اسے حجون کے علاقے میں لے جائے اور گڑھا کھود کے دبا دے۔ غلام بچی کو لے کر چل نکلا تا کہ لڑکی کو دبا دے۔ وہ جنگل میں پہنچا اور گڑھا کھودا تا کہ لڑکی کو دبا سکے جب اس نے لڑکی کو گڑھے میں پھینکنا چاہا تو غیب سے ایک آواز آئی کہ باز رہ ایسا نہ کر۔ اگر چہ غلام نے آواز بالکل صاف سنی تھی اس کے باوجود اس نے اسے اپنا وہم خیال کیا اور دوبارہ لڑکی کو گڑھے میں پھینکنا چاہا، اب کی بار اسے اپنے بالکل قریب سے سخت آواز سنائی دی کہ اس امر سے باز رہ تب وہ ڈر گیا اور بچی کو سینے سے لگائے اپنے قبیلے میں پہنچا اور لڑکی کے باپ کو تمام ماجرہ بیان کیا۔ تب انہوں نے خیال کیا کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی خاص معاملہ ہے اس لیے انہوں نے اسے زندہ رہنے دیا جو بعد میں قریش عرب کی مشہور کاہنہ سودہ بنت زہرہ کے طور پہ جانی گئی۔

اہل عرب میں زہرہ کی کہانت کا کوئی ثانی نہ تھا اور اسے وہ علوم حاصل تھے جو عرب میں کسی اور کو حاصل نہ تھے۔ چنانچہ اسی بنا پہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی آمد کے راز کو جان لیا تھا۔ اس نے اپنے تمام قبیلے کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ تمہارے گھروں میں جو عورتیں حمل سے ہیں انہیں میرے پاس لاؤ کہ میں جانتی ہوں ان میں سے کوئی عورت کسی ڈرانے والے کو جنم دینے والی ہے۔ چنانچہ بنی زہرہ اپنی تمام عورتیں لے کر اس کے پاس پہنچے اس نے ہر لڑکی کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا جو بعد میں سچ ثابت ہوا۔ پھر جب اس کے سامنے حضرت آمنہ بنت وہب کو لایا گیا تو وہ مسکرائی اور کہا کہ مجھے تمہاری ہی تلاش تھی اور تمہارا بیٹا ان لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچا لے گا اور عرب کے لوگ جہنم کے لفظ سے واقف نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کاہنہ سے پوچھا کہ جہنم سے تمہاری کیا مراد ہے تو اس نے کہا یہ تو اس کا بیٹا ہی بتائے گا اگر تم نے غور سے اس کی باتیں سنیں۔ سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کا رشتہ بنی زہرہ میں حضرت آمنہ سے کیا تھا تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں عرب کی مشہور کاہنہ زہرہ بستی تھی جس کی عرب بھر میں تعظیم کی جاتی تھی اور جو آمنہ کے والد وہب کی پھوپھی تھی جسے جب زندہ دفن کیا جانے لگا کسی غیبی قوت نے اسے دفن نہ ہونے دیا تھا۔ اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ عرب میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا عمل کم تھا اور تذکرہ زیادہ، تاریخ شاہد ہے کہ جمہور عرب اس رسم کو پسند نہ کرتے تھے۔ عرب میں بعض قبائل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محض اس نیت سے اپنی بچیوں کو قتل کیا کرتے کہ شاید وہ ان کی

کفالت نہ کرسکیں گے۔عام طور پر ایسا صرف وہ قبائل کرتے جو معاشی طور پہ بہت پس ماندہ تھے یا قحط کے مارے ہوئے تھے۔ورنہ عرب بھر میں اس رسم کو کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ تھی۔پھر اسلام آیا اور اس نے ان لوگوں تک اللہ کا پیغام عظیم پہنچایا تو ان کی زندگیاں بدل کے رہ گئیں اور قبیح رسم ورواج اپنی موت آپ مر گئے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ پاک نے فرمایا کہ:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭنَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ O

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ٦/ ١٥٠)

ترجمہ:

"اور تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی"۔

××××××

علامہ راغب اصفہانی ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ افلاس اور فکر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کے قتل کی تمام انواع کو باطل قرار دے دیا گیا۔تاہم اس آیت میں یہاں اولاد سے مراد صرف لڑکیاں اور ان کے قتل سے مراد زندہ دفن کرنا ہی ہے۔اس لیے کہ اِملَاق کے معنی یہاں افلاس ہی کے ہیں جو کہ ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور رہا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ** تو یہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور عربوں کے خیال میں جو بات ان لڑکیوں کے قتل کا موجب تھی وہ یہی تھی اس لیے اسے باطل قرار دیتے ہوئے نہی مذکور کی وجہ بیان کردی یعنی یہ کہ انہیں رزق تم نہیں دیتے بلکہ ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی،اس لیے یہ خوف تم اپنے دل سے نکال دو۔اور اللہ پاک کا یہ فرمانا کہ **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ** تو یہ ایک اور دلیل ہے اس بات پہ کہ اولاد یا لڑکیوں کا قتل بذات خود ایک بہت بری بات ہے کیونکہ اس میں قطع نوع اور قطع نسل پایا جاتا ہے۔انسان کو یہ کہہ کر ڈرایا گیا ہے کہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے جس کو تم بلا خوف کئے جاتے ہو۔اللہ سے ڈرو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اہل عرب کے سبھی اہل دانش اس رسم یا اس فعل کو مکروہ اور ناپسندیدہ خیال کرتے تھے اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔بعض تو اس قبیح رسم کے خلاف عملی جدو جہد میں بھی مصروف تھے۔جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل دفن کی جانے والی بچیوں کو زندگی بخشا کرتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیٹی کو زندہ دفن کرنا چاہتا تو زید وہاں پہنچ جاتا اور لڑکی کے باپ سے کہتا کہ تو اسے قتل نہ کر اس کی روزی کا میں کفیل ہوں اور وہ لڑکی اس کے باپ سے چھین لیتا،اس کو پالتا حتیٰ کہ وہ جوان ہو جاتی۔تب وہ لڑکی کے باپ کو بلاتا کہ اگر تو چاہے تو اسے لے جا اور اگر تو چاہے تو اسے یہیں رہنے دے میں اس کی شادی کر دوں گا۔

پھر صعصعہ بن ناجیہ تھا جو عربوں کے اس قبیح فعل سے سخت بے زار تھا اور چنانچہ جب کوئی عرب اپنی لڑکی کو دفن کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ اس تک پہنچ جاتا اور اسے منع کرتا کہ وہ اس امر قبیح سے باز رہے اگر وہ باز نہ آتا تو وہ لڑکی کا فدیہ ادا کرتا اور لڑکی کو اس کے باپ سے لے لیتا۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک صعصعہ نے چھیانویں بیٹیوں کو زندگی بخشی تھی۔

تب عرب کے ۵ مشہور ترین شاعر فرزدق نے صعصعہ کی شان میں ایک لمبا قصدہ لکھا یہ قصیدہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ چلا آیا ہے۔سارا قصیدہ لکھنا تو دشوار ہے اور طوالت کا باعث بنے گا اس لیے اس قصیدہ سے چند شعروں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔

وَ مِنَّا الَّذِی اخْتِیْرَا لرِّجَا لَ سَمَا حَۃً
وَ خَیْرًا اِذَا ھَبَّ الرِّیَاحُ الزَّعَازِعُ

اور ہمیں میں وہ شخص بھی تھا جسے شرافت اور سخاوت کی بنا پر اس وقت چنا جاتا تھا جب قحط سالی کی تند ہوائیں چلنے لگتی تھیں۔

وَمِنَّا الَّذِیْ قَادَ الجِیَادَ عَلَی الوَجٰی
لِنَجْرَانَ حَتّٰی صَبَّحَتْهَا النَّزَائِعُ

اور وہ شخص بھی ہمیں میں سے تھے جنہوں نے باوجود اس کے کہ گھوڑوں کے پاؤں گھس گئے تھے نجران تک انہیں کھینچ کر لے گئے تھے یہاں تک کہ ان اجنبی گھوڑوں نے اہل نجران پر اچانک یورش کر دی۔

وَمِنَّا الَّذِی اَعطَی الرَّسُوْلَ عَطِیَّۃً
اُسَارٰی تَمِیْمٍ والعُیُوْنُ دَوَامِعُ

اور ہمیں میں وہ شخص بھی تھا جس نے رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کو بنی تمیم کے قیدی عطیے کے طور پہ دیئے تھے درآنحالیکہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

وَمِنَّا خَطِیْبٌ لَا یُعَابُ وَحَامِلٌ
اَغَرُّ اِذَا الْتَفَّتْ عَلَیْہِ المَجَامِعُ

اور ہمیں میں وہ خطیب تھا جس پہ عیب نہیں لگایا جا سکتا اور وہ روشن چہرے والا تھا اور وہ بھری مجلسوں میں جہاں بڑے بڑے لوگ موجود ہوتے تھے۔

وَمِنَّا الَّذِی اَحْیَا الوَلِیْدَ وَغَالِبٌ
وَعَمْرٌو وَمِنَّا حَاجِبٌ وَالَا قَارِعُ

اور ہمیں میں وہ شخص بھی تھا جس نے دفن کی جانے والی لڑکیوں کو زندگی بخشی اور ہمیں میں سے

عمرو بھی تھا اور حاجب بھی تھا اور اقارع بھی تھے جو کہ ہمارے بڑے تھے۔

اُولٰئِكَ اٰبَائِی فَجِئنی بِمِثلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتنَا یَا جَرِیرُ المَجَامِعُ

یہ رہے میرے آباء اے جریر جب ہم مجلس میں جمع ہوں تو ان جیسا کوئی شخص تم بھی اپنی قوم میں سے پیش کرنا[*52]"۔

میں نے تاریخ کی کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ بن عقال قتل کی جانے والی بچیوں کو ان کا فدیہ ادا کر کے بچالیا کرتا تھا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ میں جاہلیت میں ایک کام کیا کرتا تھا کیا وہ کام آج بھی میرے لیے مفید ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کونسا کام ہے؟ تو جواب میں صعصعہ نے ایک طویل قصہ بیان کیا جس میں یہ بھی تھا کہ جب ایک عورت نے بچی جنی تو میں وہاں موجود تھا۔ تب بچی کے باپ نے اسے دفن کرنا چاہا۔ صعصعہ نے کہا میں اسے اس امر سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا تب میں نے اسے کہا کیا تو اسے بیچتا ہے تو اس نے کہا کیا عرب اپنی اولاد بیچتے ہیں۔ تب میں نے اپنی بات کی تشریح کی اور کہا کہ میں صرف اس کی زندگی خریدنا چاہتا ہوں اور اس کو لونڈی بنا کے نہیں رکھنا چاہتا۔ چنانچہ میں نے دس ماہ کی دو گابھن اونٹنیوں اور ایک اونٹ کے عوض اس بچی کو خرید لیا تب سے عربوں میں دستور سا بن گیا اور وہ اپنی بچیاں میرے پاس لانے لگے اور میں اپنے اونٹ ان میں بانٹنے لگا اور اب جو کوئی بھی اپنی بچی دفن کرنا چاہتا اور اس کی اطلاع مجھے ہو جاتی تو میں وہاں پہنچ جاتا اور تین اونٹوں کے عوض وہ بچی لے آتا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے ان کو پالتا رہتا۔ صعصعہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ایسی ہی دو سو اسی بچیاں اب بھی اس کے ہاں پرورش پا رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ تو نے یہ کام اللہ کی رضا کے

لیے نہ کیا تھا بلکہ اپنی سخاوت اور شہرت کے لیے کیا تھا۔ ہاں اب اسلام لانے کے بعد تو جو بھی نیک عمل کرے گا اپنے اللہ کے ہاں سے اس کی بہترین جزا پائے گا۔

طبرانی نے اسی حوالے سے رعایت کی ہے کہ صعصعۃ بن ناجیہ مجاشعی کی روایت کے حوالے سے کہا ہے کہ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ میں نے کچھ اعمال عہد جاہلیت میں کیے ہیں کیا ان کا مجھے کوئی اجر ملے گا، کہ میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندگی بخشی اور ان میں سے ہر ایک کو میں نے دس دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ دے کر خریدا تھا تو کیا مجھے اس کا کوئی اجر ملے گا۔ اس پہ نبی اکرم ﷺ نے اسے جواب دیا کہ تمہیں اس کا اجر ضرور ملے گا جس کا ایک حصہ تو مل بھی گیا ہے یعنی اللہ نے تجھے اسلام کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ یہ روایت پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ مستحکم ہے۔ صعصعہ عربوں کے مشہور شاعر فرزدق کا دادا تھا۔ چنانچہ اس نے بے شمار شعروں میں اپنے دادا کی ان بچیوں کا ذکر کیا ہے جن کو اس نے اونٹوں کے بدلے زندگی بخشی تھی۔

وَ مِنَّا الَّذِی مَنَعَ الوَ ئِدَا تِ
وَ اَحْیَا الوَئِدَ فَلَم یُوْاَدِ

اور ہمیں میں وہ شخص بھی تھا جس نے زندہ دفن کی جانے والی لڑکیوں کو زندگی بخشی اور پھر انہیں دفن نہ کیا۔

عربوں میں بعض لوگ وہ بھی تھے جو کہتے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ تاہم قرآن حکیم میں اللہ پاک نے ان کے اس خیال کی سخت مذمت کی اور انہیں ان کی اخلاقی پستی پہ متنبہ کیا کہ تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں کیا تم اس فیصلہ میں خود کو انصاف پہ پاتے ہو۔
چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِا
لْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ
عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ ۵ / ۱۴۴)

ترجمہ؛

’’اورانہوں نے اللہ کی بیٹیاں بنا رکھی ہیں خدا ان باتوں سے پاک ہے اور خود ان کے لیے ان کی دل پسند چیز بیٹے ہیں اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمزدہ ہو جاتا ہے وہ اس بری خبر کی وجہ سے قوم سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ کیا اس ذلت کے ہوتے ہوئے اسے اپنے پاس زندہ رہنے دوں یا اسے مٹی میں دفن کردوں اور یہ کیا ہی برا فیصلہ ہے‘‘۔

××××××

قرآن کے اس حکم کے نازل ہونے کے کیا کہنے۔اللہ کی شان کس قدر بلند ہے اور اس کی دلیل کس قدر واضح ہے اور اللہ نے اس فاسد مذہب اور اس لایعنی اعتقاد کی کس قدر مختصر الفاظ اور واضح دلیل کے ساتھ تردید کی ہے جس کی وجہ سے ملحدوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔علامہ شہاب الدین آلوسی نے معروف تفسیر قرآن ’’ **روح المعانی** ‘‘ میں ان آیات کی نہایت خوبصورت تشریح کی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں وہ قبیلہ خزاعہ اور بنی کنانہ کے لوگ تھے گویا انہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر فرشتوں کو مونث قرار دیا اور ان کو اللہ کی بیٹیاں کہا۔امام کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرشتوں کے لیے بیٹیوں کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ اس لیے کیا ہے کہ ملائکہ عورتوں کی طرح نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ملائکہ کو مونث قرار دیا۔جس کی مثال یہ ہے کہ سورج کی ٹکیہ چونکہ اپنی زبردست روشنی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل رہتی اس لیے انہوں نے اسے بھی مونث قرار دے رکھا تھا۔بعض دیگر مفسرین کا خیال ہے کہ عربوں نے فرشتوں کے لیے بیٹیوں کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ یہ ہماری نگاہ سے چھپے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہ وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں اغیار کی رسائی نہیں ہو

سکتی۔لہٰذا فرشتے بمنزلہ انسان کی بیٹیوں کے ہوئے جن کے لیے انسان غیرت کھاتا ہے اور انہیں ایک محفوظ جگہ پہ رکھتا ہے اگرچہ جِن بھی چھپے ہوئے ہیں مگر ان کی یہ صورت نہیں۔ یہ بیان امام کے بیان سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔رہا یہ خیال یہ ایک دوسرے سے نسل پیدا نہیں کرتے تو یہ موقع اس قسم کے مباحث کے لیے مناسب نہیں ہے۔ پھر انہی آیات میں اللہ کی ذات کو اس قسم کے توہمات سے منزہ اور مقدس بیان کیا گیا ہے اور اس قسم کی بڑی بات کہنے سے ان کی جرأت پہ تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ان لوگوں کے رویہ پہ قرآن نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو ان کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور چہرے کا سیاہ ہو جانا ایک استعارے کے طور پہ استعمال کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ترشروئی ،غم ،شرم اور نفرت جوان کو بچی کی ولادت کی وجہ سے لاحق ہوتی تھی۔کہا جاتا ہے کہ جب انسان کو کوئی بہت بڑی خوشی حاصل ہو تو اس کے قلب میں اندرونی طور پہ ایک لہر پھیل جاتی ہے اور اطرافِ جسم تک پہنچتی ہے خاص کر چہرے تک کہ وہ دل و دماغ کے مابین مضبوط تعلق قائم کرتا ہے۔

لہٰذا ایسی حالت میں انسان کا چہرہ روشن اور چمکدار دکھائی دیتا ہے۔جب اس کو سخت غم لاحق ہو تو اس کا چہرہ خاکستری ہو جاتا ہے متغیر ہو جاتا ہے، پیلا پڑ جاتا ہے بلکہ کسی حد تک سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں خاکی اثر دکھائی دینے لگتا ہے۔لہٰذا خوشی کے لوازمات میں سے چہرے کا نورانی اور روشن ہونا ہے اور غم واندوہ کی صورت میں اس کا رنگ خاکستری اور سیاہ ہو جاتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کی ان آیات میں چہرے کے سیاہ ہو جانے کا ذکر مجازاً آیا ہے تو بھی بعید نہیں۔جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جاتی تو وہ غصے اور غم سے بھر جاتا۔بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا غصہ اپنی عورت پر ہوتا اس لیے کہ اس نے لڑکی کو جنم دیا اور وہ لڑکا نہ جن سکی۔اس امر کی تائید اصمعی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عرب کی ایک عورت نے بچی کو جنم دیا اور اس کا نام ذلفاء رکھا۔اس پر اس کا خاوند اسے چھوڑ کر چلا گیا تو اس عورت نے شوہر کی محبت میں یہ شعر کہے۔

مَا لِاَبِیْ الذَّلفَاءِ لَا یَاتِیْنَا
یَضَلُّ فِی الْبَیْتِ الَّذِی یَلِیْنَا

ابو الذلفاء کو جانے کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس آتا ہی نہیں اور پڑوس والے گھر میں ہی دن

گذار دیتا ہے۔

بَحْرِدُ اَنْ لَا نَلِدَ البَنِیْنَا
وَاِ نَّمَا نَاخُذُ مَا اُعْطِ

اور وہ اس بات پہ ناراض ہے کہ ہم بچے نہیں جنتیں حالانکہ ہمیں تو جو کچھ دیا جاتا ہے ہم لے لیتی ہیں۔

اہل عرب میں رواج تھا کہ جب ان کی بیویوں کے وضع حمل کا وقت آتا تو وہ کہیں جا کر چھپ جاتے اگر ان کو اطلاع ملتی کی ان کے ہاں بیٹا ہوا ہے تو خوشی خوشی گھر آتے مگر جب ان کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی تو شدید غمناک ہو جاتے اور کئی کئی دن اسی جگہ چھپے رہتے کہ لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔قرآن میں ان کی اس حرکت کو بیان کیا گیا ہے "**یَتَوٰ ارٰی مِنَ الْقَوْمِ**" یعنی وہ اپنی قوم سے چھپتا پھرتا تھا اور "**مِنْ سُوۡءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ**" میں ان کی عرف لڑکی ہے اور لڑکی کے لیے مَا کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ عربوں کے خیال میں عورت عقلاء کے درجے کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ روایت ہے کہ اہل جاہلیت کے لوگ عورتوں کے دردزہ کے وقت چھپ جایا کرتے تھے پھر اگر انہیں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر کی جاتی تو خوش ہو جاتے اور اگر لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر کی جاتی تو غمناک ہو جاتے اور شرمندگی کی وجہ سے کئی کئی دن اپنی کمین گاہ میں چھپے رہتے اور سوچتے رہتے کہ اس لڑکی کا کیا کریں۔باپ سوچتا "**اَیُمۡسِکُہٗ**" یعنی کیا اسے ایسا ہی رہنے دوں اور اس کی پرورش کروں یا اس ذلت کو چھپا دوں اور "**فِی تُرَاب**" سے مراد ہے کہ اسے زندہ دفن کر دوں تا آنکہ وہ مر جائے سُدی، قتادہ اور ابن جریج وغیرہ نے اسی خیال کو ترجیح دی ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف لڑکی کو مار ڈالنا ہے خواہ زندہ دفن کر کے ماری جائے یا کسی اور طریقے سے کیونکہ بعض عرب اپنی بچیوں کو پہاڑ سے نیچے بھی پھینک دیا کرتے تھے۔

اور محدثین نے روایت بیان کی ہے کہ:

''ایک شخص نے عرض کیا! یارسول اللہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے مجھے اسلام کی لذت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ عہد جاہلیت میں میری ایک بیٹی تھی ایک دن میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ وہ اس کو تیار کردے پھر میں اسے لے کر ایک گہری وادی میں پہنچا اور اسے گڑھے میں دھکیل کر اوپر سے مٹی ڈالنے لگا تب میری بیٹی نے اوپر دیکھا اس کی آنکھوں میں بلا کی حیرت تھی اور اس کی آواز میں یاس کی گہرائی تھی۔اس نے کہا ابا جان تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔تب سے اس کے یہ الفاظ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کی آواز سے میرے دل میں کوئی چیز چبھتی ہے۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جو کچھ عہد جاہلیت میں ہو چکا اسلام نے اسے فنا کر دیا اور جو کچھ اسلام میں ہوگا استغفار اس کو فنا کر دے گا''۔

××××××××

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اگرچہ معروف یہی ہے کہ عرب اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ کئی طریقوں سے اپنی بچیوں کو قتل کیا کرتے تھے۔بعض اپنی بچیوں کو ڈبو دیا کرتے تھے اور بعض پہاڑ سے نیچے پھینک دیا کرتے تھے اور بعض ذبح کر دیا کرتے تھے اور کچھ لوگ اس کو زمین میں گڑھا کھود کر زندہ ہی دبا دیا کرتے تھے اور بعض دفن کرنے سے پہلے اس کا گلا گھونٹ دیا کرتے تھے۔چنانچہ اسلام آنے کے بعد جب ان کے دل کی سختی جاتی رہی اور وہ جہالت کے اندھے غار سے باہر آئے تو ان میں سے نجانے کتنے تھے جن کو اپنی بچیوں پہ کئے گئے اس ظلم کا پچھتاوا جینے نہ دیتا تھا اور وہ نبی اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھ کر اپنی اس بہیمت پہ زاروقطار رویا کرتے تھے اور اسلام ہی تھا جس نے ان کے دل اتنے نرم کر دیئے تھے کہ ان کو ماضی کا پچھتاوا جینے نہ دیتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ انسان جب تک فطرت سے بغاوت کی راہ پہ گامزن رہتا ہے تب تک وحشت اس پر غالب رہتی ہے مگر جونہی وہ فطرت کے نزدیک آتا

اورزندگی کی ماہیت پرغور کرتا ہےتو کل جہاں وحشت کے ڈیرے تھےآج انھی آنگنوں میں رِقت کے اشک رکنے میں نہیں آتے۔

عربوں میں جوا، مفاخرت اور دختر کشی جیسی کئی روایات ہیں جن کا دنیا کی کسی بھی قدیم قوم میں سراغ تک نہیں ملتا، اُن کی انفرادیت کے میدان بھی ہمہ پہلو ہیں اور رسم و رواج بھی، اگرچہ خیر سے بھی اُن کا دامن خالی نہ تھا۔

قمار بازی

عہدِ جاہلیت کی ایک بہت ہی بری رسم کمار بازی تھی جس کی مذمت میں قرآن اترا۔عرب جوئے کے بہت شوقین تھے اور جوا کھیلنے کو باعث فخر جانتے تھے۔دراصل اس معاشرے کا تانا بانا احساسِ تفاخر سے بنا تھا اور جوا بھی تفاخر کی ایک شکل تھی جسے شرفاء کا شغل تصور کیا جاتا۔عربوں کے معاشرے میں جو سردار جوا نہ کھیلے اسے اچھے الفاظ سے یاد نہ کیا جاتا تھا۔عرب عام طور پہ تیروں سے جوا کھیلا کرتے اور طیش میں آ کر اپنے تمام اموال داؤ پہ لگا دیا کرتے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ جوئے کی بازی میں اپنے بیوی بچے تک ہار جایا کرتے تھے۔عرب میں قحط اور فراغت کے دن عام تھے اور عرب قحط اور شدت کے دنوں میں زیادہ جوا کھیلا کرتے کہ جب جانور دودھ دینا بہت ہی کم کر دے اور جاڑے سے ہڈیاں جمتی ہوں تب عرب سردار اپنے ہاتھوں میں تیر اٹھا لیتے اور تفاخر کا مظاہرہ کرتے۔

چنانچہ ان کا ایک شاعر کہتا ہے کہ:

وَاِذَا تَعَذَّرَتِ الوَّاعِدُ وَالتَّوَتُ
جَالَ الْمُغَدَّى وَسْطَهَا الْمَضْبُوْحُ

اور جب دودھ کا ملنا مشکل ہوجائے تو ان کے درمیان جھلسا ہوا تیر دوڑنے لگتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَقُوْلُ لَهُمْ بِالشِّعْبِ اِذْ يَيْسِرُوْنَنِیْ
اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنِّیْ ابْنُ فَارِسِ زَهْدَم

جب وہ گھاٹی میں مجھے آپس میں تقسیم کررہے تھے تو میں نے انہیں کہا! کیا تم نہیں جانتے کہ میں زہدم کے سوار کا بیٹا ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَغْلٰی بِهٖ رِخْوُ الْاِزَارِ مُعَذَّلٌ
فَغَدَا يُمَارُ لَهُ دَمٌ مَسْفُوْحُ

اوراس تیر کے ذریعے ایک نرم طبیعت والا انسان بہت سے حصے لے لیتا ہے اوراس کے لیے بہایا جانے والا خون بہایا جاتا ہے[52*]''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اسلام کی اعلیٰ شرافت میں جوئے کو حرام کردیا گیا اوراس کے بارے میں قرآن حکیم میں آیات کا نزول ہوا جس میں نہ صرف جوئے سے منع کیا گیا بلکہ اس قبیل کی ہر چیز سے روک دیا گیا جس میں پانسہ شطرنج اور چوپٹ وغیرہ شامل ہیں جو لغو محض ہیں اور جن کا انسان کو کوئی فائدہ نہیں جو محض وقت کا زیاں ہیں۔اس لیے انسان کو وقت ضائع کرنے سے روک دیا گیا کہ وقت ہی تو وہ مہلت ہے جس کو مثبت انداز میں صرف کر کے انسان اپنی ابدی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا کہ:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۱۹)

ترجمہ:

''یہ لوگ آپ (ﷺ) سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے اس میں کچھ فائدہ بھی ہے مگر اس کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑھ کے ہے''۔

××××××

چنانچہ لوگوں نے بیان کیا کہ جوئے میں عربوں کے خیال میں جو فائدے تھے ان میں ایک یہ تھا جب کڑاکے کی سردی پڑتی اور سختی کا زمانہ ہوتا تو عربوں میں مالدار اور سخی لوگ تیروں کے ساتھ جوا کھیلا کرتے اور جیتنے والا جو کچھ جیتتا وہ اسے ضرورت مندوں میں بانٹ دیتا۔ اس طرح تنگی کی اس حالت میں اونٹ ذبح کئے جاتے اور جو بھی چاہتا اس گوشت سے اپنی ضرورت پوری کرتا اور کوئی اس کو روکنے والا نہ ہوتا۔ اہل عرب کے شاعروں نے جوئے کی مفاخرت میں اتنے شعر کہے جن کا بیان یہاں ممکن نہیں اس لیے امراؤالقیس کے صرف چند شعر پیش خدمت ہیں۔

يُو دل مَا قَوْمِىْ عَلَى اَنْ تَر كْتِهِيْمُ
سُلَيْمٰى اِذا هَبَّتْ شِمَالٌ وَ رِيْحُهَا

تمہارے بت کی قسم جب بادِ شمال اور اس کی ہوا چلے تو اے سلیمٰی میری قوم تو ایسی نہ تھی کہ تو ان کو چھوڑ کر چلی جائے۔

اِذَا النَّجْمُ اَمْىَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ رَابِئًا
وَلَمْ يَكُ بَرْقٌ فِى السَّمَاءِ يُلِيْحُهَا

اور جب ثریا ستارہ سورج کے غروب ہونے کی جانب بلند ہوا اور کسی قسم کی بجلی آسمان پر نہ چمک رہی ہو تو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَغَابَ شُعَاعُ الشَّمْسِ فِى غَيْرِ جُلْبَةٍ
وَلَا هَبْوَةٍ اِلَّا وَشِيْكٌ مَصُوْحُهَا

اور جب سورج کی شعاع بغیر بادل اور بغیر غبار کے غائب ہو جائے پھر یہ غبار جلدی سے چلا جائے گا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وِهَاجَ غَمَامٌ مُقْشَعِرٌ كَانَّهٗ
نَقِيْلَةُ نَعْلٍ بَانَ مِنْهَا سَرِيْحُهَا

اور ایک ایسا بادل اٹھے گا جس میں کوئی پانی نہ ہو اور وہ یوں معلوم ہو رہا ہو جیسے وہ ایک پرانی جوتی کا چیتھڑا ہے جس سے اس کا تسمہ علیحدہ ہو چکا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِذَا عَدِمَ الْمَحْلُوْبُ عَادَتْ عَلَيْهِمْ
قُدُوْرٌ كَثِيْرٌ فِى الْقُدُوْرِ قَدِيْحُهَا

اور جب دودھ معدوم ہو جائے تو ان کی طرف بہت سی ہنڈیاں لوٹ کر آتی ہیں جن کی تہہ میں باقی ماندہ سالن ابھی پڑا ہوتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یَثُوْرُ اِلَیْھَا کُلُّ ضَیْفٍ وَجَانِبٍ
سَمئا رَدُّ دَھْدَاۃَ القلاصِ نَضِحُھَا

ہر مہمان اور اجنبی آدمی ان کی طرف اس طرح جوش سے آتا ہے جس طرح حوض چھوٹے اونٹوں کو دھکیل دیتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِاَ یْدِیھِمْ مَقْرُوْمَۃٌ وَ مَغَالِقٌ
یَعُوْدُ بَا رْزَاقِ العِبَادِ مَنِحُھَا

اوران (عرب سرداروں) کے ہاتھوں میں علامت والے تیر ہوتے ہیں اوران کے علاوہ اور تیر بھی ہوتے ہیں اوران تیروں میں سے عطا کرنے والا بھی ہوتا ہے جو لوگوں کا رزق ان کی طرف لے کر آتا ہے

❖❖❖❖❖❖❖❖

یَا بَیَّتَ آلِ ھِشَامٍ ھَلْ عَلِمْتَ اِذَا
اَمْسَی المَرَاضِیْعُ فِی اَعنَا قِھَا خَضَعٌ

اے آلِ ہشام کے گھرانے کیا تجھے معلوم ہے کہ جب کمینوں کی گردنیں نیچے کو جھک جاتی ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِنّی اُتَمِّمُ اَیْسَارِیْ بِذِی اَوَدٍ
مِنْ فَرعِ شُوحَطَ ضَاحٍ لِیْطُہٗ قَرِعٌ

اور ایسی حالت میں تو ایک ٹیڑھے تیر کے ذریعے جو شوط کی شاخ سے بنایا گیا ہو اور اس کی بیرونی چھال ننگی ہو چکی ہو اپنے جواریوں کی تعداد کو پورا کر دیتا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

يَحدُوْ فَتَا ئِله بيض غطارِ فَةٌ
شُمُّ الاُنُوفِ مَغَالِيْق الضُّحی خَلَعُ

جس کے مشابہ تیروں کو سفید سردار چلاتے ہیں اور یہ لوگ بلند ناکوں والے داؤ کو بند کر دینے والے اور لوگوں کا مال لوٹ لینے والے ہیں۔

اُلُوالُو فَاءِ وَ لَو اَدّوْا قِدَاحَهُمْ
وَلَا يَزَالُ لَهُمْ مِنْ لَحْمِهَا قَنَعُ

اور یہ وفا کرنے والے ہیں خواہ انہیں اپنے تیر ہی کیوں نہ دینے پڑیں اور ان کے یہاں ہر وقت گوشت کی کثرت رہتی ہے۔

اَعْدَاءِ كُوْمِ الذُّرٰی تُرْغُوْ اَجِنَّتُهَا
عِنْدَ المَجَازِرِ بَيْنَ وَ الْحَجَرِ

اور (یہ لوگ) بڑی اور بلند کوہان والی اونٹنی کے دشمن ہیں (جن کو گابھن ہونے کی حالت میں ذبح کر دیا گیا ہو اور) جن کے پیٹ سے نکلے ہوئے بچے مذبح کے پاس قبیلے اور پتھروں کے درمیان بلبلاتے رہتے ہیں مگر کوئی کی ان کی پرواہ تک نہیں کرتا۔

لَا يَفْرَحُوْنَ اِذَا مَا فَازَ فَائِزُهُمْ
وَلَا يَضِيْقُ عَلَيْهِمْ اِرْبَةُ الْعُسْرِ

جب ان میں سے کوئی شخص کامیاب ہوتا ہے تو وہ اس پر اتراتے نہیں اور کسی تنگ دست کی تنگی ان کے لیے عار کا باعث نہیں ہوتی۔

هُمُ الخَضَا رِ مُ والاء یَسَا رُ اِنْ نُدِبُوْا
اِذْ لَا تُجِیْلُ قِدَاحاً رَا حَتَا یَسَر

اور جب انہیں (ایسی قحط سالی کے زمانے میں) کہ کوئی جوئے بازی کے تیر نہ چلاتا ہو جوا کھیلنے کے لیے بلایا جائے تو ایسے عالم میں بھی صرف یہی لوگ جوا کھیل سکتے ہیں اور سخاوت کرتے ہیں۔

وَجُزْ وُرِ اِیْسَا رٍ دَعَوتُ اِلَی النَّدِی
وَ نِیَا طِ مُقْفِرَۃٍ اَخَافُ ضَلَا لَھَا

اور قمار بازوں کی کتنی ہی اونٹنیاں تھیں (جن کو ذبح کرنے کے لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو) نرم زمین کی طرف دعوت دی اور کتنے ہی بیابانوں کی دور کی مسافت تھی جسے میں نے طے کیا اگرچہ مجھے رستہ بھول جانے کا خطرہ تھا[54*]"۔

اہل عرب طبعاً شدت پسند تھے اس لیے وہ جو بھی کام کرتے پوری شدت سے کرتے اور ان کے جذبات اور احساسات اس امر سے نا آشنا تھے کہ وہ کوئی کام بے توجہی سے کریں۔ رہا جوا تو اس میں بھی ان کا یہی طریق تھا۔ وہ جوئے میں ایک دوسرے کا مال جیتتے اور اسے لوگوں میں بانٹ دیتے جو اس وقت وہاں موجود ہوتے۔ اس طرح شدت اور تنگ دستی کے زمانوں میں وہ لوگ بھی زندہ رہتے جو ان دنوں کھانے پینے کی ہر چیز سے محروم ہوتے۔ عربوں کے ہاں اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہ دی جاتی کہ ان کے جیتے

ہوئے مال پہ کون متصرف ہے بلکہ ان کا جیتنا ہی ان کی متاع تھا۔ چنانچہ جیتنے والے قبیلوں کے سرداروں کی مدح میں ان کے شاعر اسی موقعہ پر قصیدہ کہتے جو اگر زبان و بیان کے حوالے سے عمدہ ہوتا تو لوگ اسے مدتوں یاد رکھتے اور ان کا یہ یاد رکھنا ہی عرب تہذیب کے محفوظ ہونے کا سبب بنا اور ان کے وہ شعر بھی جو کسی بھیگی رات میں کسی شاعر نے جوئے جیتنے کے بعد اپنے قبیلے کی مدح میں پندرہ سو سال قبل کہے تھے تاریخ کی طویل مسافت طے کرتے ہوئے ہم تک پہنچے۔

اسلام نے جوئے کی ممانعت کر دی کیونکہ اس طریق سے لوگ دوسرے لوگوں کا مال بغیر کسی محنت اور حق کے ہڑپ لیتے اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پہ کھایا جاتا۔ قرآن میں جو یہ کہا گیا کہ اس کے فائدے سے اس کا گناہ اور نقصان بہت بڑھ کے ہے تو اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیونکہ قرائن نے ثابت کیا ہے کہ جوئے کی عادت سے انسان معاشی اور سماجی طور پر تباہ ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس کی شخصیت کا سارا وقار ختم ہو جاتا ہے اور وہ خوشحالی سے کسی بھی وقت انتہائی تنگدستی کی حالت میں جا گرتا ہے تب وہ خود کو اس قدر مجبور پاتا ہے کہ کسی ادنیٰ سے آدمی کے آگے ہاتھ پھیلائے اور اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ قمار باز اس امید کے انتظار میں کہ جب وہ جیتے گا دیوانہ ہو جاتا ہے اور یہی دیوانگی اسے اس حد تک لے جاتی ہے جہاں وہ متاع عزیز کا آخری جرہ تک لٹا دیتا ہے۔ کہتے ہیں جواری کی امید کبھی نہیں ٹوٹتی اور ایک بازی ہارنے کے بعد اس کی امید پھر سے زندہ ہو جاتی ہے کہ اب کی بار جیت یقیناً اسی کے حصے میں آئے گی اور ہر بازی ہارنے کے بعد یہ امید نہ صرف یہ کہ زندہ رہتی ہے بلکہ اسے مزید آگے بڑھنے پہ اکساتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنی بیوی اور بچے تک کو داؤ پہ لگا دیتا ہے۔

آخر میں جوئے باز کو چوری کی عادت پڑتی ہے اور اس کی شخصیت کا اندرونی ڈھانچہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور کل کا عزت دار آدمی آج کا رذیل ترین شخص بن جاتا ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ ایک جواری بازی ہار گیا ہے تو وہ تباہ ہو گیا درست نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ ایک ہنستا بستا گھرانہ تباہ ہو گیا۔ جوئے کا ایک بڑا نقصان عداوت ہے جو کبھی تو کھلی دشمنی کا سبب بنتی ہے اور کبھی یہ اندر ہی اندر لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف اس حد تک اکساتی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ روزمرہ کے مشاہدے کی بات ہے اس سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے اندھا اور بہرہ بنایا ہو۔ کتاب "**فتح الباری**" میں بیان کیا گیا کہ جوئے کو حرام قرار دینے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں مال کو خطرے میں ڈالا

جاتا ہے۔ جوئے کی عادت کی وجہ سے انسان محتاج ہو کے رہ جاتا ہے اس سے وہ عداوت پیدا ہوتی ہے جو خون بہانے اور حرمت دری کا سبب بنتی ہے۔ جوئے میں جس قدر خرابیاں ہیں ان کا مقابلہ وہ حقیر فوائد نہیں کر سکتے جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ جوئے میں انسان کو وہ چیز بغیر کسی کاوش اور محنت کے حاصل ہو جاتی ہے جو کسی اور نے اپنی محنت سے کمائی ہوتی ہے۔ اس کو وہ خوشی اور طرب حاصل ہوتی ہے جس کے پیچھے کسی اور کا دکھ لہریں لے رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں انسان کو جوئے سے دور رہنے کی جو تلقین کی ہے اس کا باعث بھی وہ دکھ ہے جو آج تو کسی اور کی جھولی میں گرا مگر دوسرا فریق بھی طویل مدت تک اس سے خالی نہیں رہ سکتا کہ آخر ایک دن محرومی اور شکست اس کا مقدر بھی بنے گی۔ جوئے میں عداوت پائی جاتی ہے جس کی کوئی حد نہیں اور ہارنے والا اس وقت تک سلگتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنی شکست کا بدلہ نہ لے لے یا کسی اور طریقے سے جیتنے والے کو نقصان نہ پہنچالے اور انسان بدترین دشمنی کی راہ پہ جا نکلتا ہے جس کا آغاز بھی برا ہے اور انجام تو نہایت ہی برا ہے۔

جوئے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے اس سے انسان کے دین کا حرج ہوتا ہے اور وہ اس تساہل میں گرفتار ہو جاتا ہے جس میں نہ صرف اس کی دنیا تاریک ہو جاتی ہے بلکہ ناامیدی کا ایک حصار اسے آخرت سے بھی بیگانہ بنا دیتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر اور نماز سے دور ہو جاتا ہے اور نماز سے دوری اسے نیکی کے دوسرے کاموں سے بھی روک دیتی ہے کیونکہ ایک جواری کے احساسات کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب وہ جیت رہا ہوتا ہے تو کھیل کی لگن اس کے اندر انبساط کا ایک احساس پیدا کرتی ہے۔ جوا سے دنیا و ما فیہا سے بیگانہ بنائے رکھتی ہے اور اگر وہ کچھ مال جیت جاتا ہے تو اس میں بھی وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اسے اپنی مہارت تصور کرتا ہے اور اس کی جیت اسے ہوس کی وادی میں لیے پھرتی ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ نہ کبھی یہ بازی ختم ہو نہ کبھی اس کی جیت کا یہ تسلسل ٹوٹنے کو آئے۔ چنانچہ اس کی دنیا اس کی فکر و نظر اس کا مقصد اس کی لگن اس کی خواہش اس کی تمنا اور اس کی منزل بہت ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے جو انسان کو سوائے تنگ نظری کے اور کچھ عطا نہیں کرتی۔ یاد رہے کہ اگرچہ یہاں عربوں کے جوئے کا ذکر ہو رہا ہے مگر دنیا میں ہر جگہ ہر مہذب معاشرے اور ہر پس ماندہ اور ترقی یافتہ سماج میں جوا کل کی طرح آج بھی مروّج ہے اور اسی طرح کھیلا جا رہا ہے جیسے یہ کوئی عمدہ تاریخی تسلسل ہو جس کا جاری رہنا ہر صورت میں ضروری ہو اس لیے وہ تنگ نظری جو جوئے سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ انسان کو کبھی بھی یہ مال

اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرنے دیتی۔اگرچہ مغرب کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک مہذب قوم ہیں اور یہ صرف ایک دعویٰ ہی ہے جس کے پیچھے اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں کہ کوئی کسی ایسی بات پہ اصرار کرے جس سے وہ خالی ہو۔مغرب میں جوا اُن کی سماجیات کا حصہ ہے جس نے انہیں دولت کے حصول کی اس دوڑ میں مشغول کیا۔جوا اُن کی زندگیوں کا آزار بن کے رہ گیا ہے مغرب میں ایک پینی کی کوئی چیز بیچنے کے لیے بھی خریدار کو بڑے انعام کا لالچ دیا جاتا ہے۔جوا اُن کے ہاں ایک بڑی قومی صنعت کی صورت اختیار کر چکا ہے اگرچہ آج بھی ان کو دعویٰ ہے کہ وہ ایک الہامی دین کے پیرو ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے سماج کی پہلی اینٹ ہی خالق کے انکار پہ رکھی ہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آ گیا۔ہمارا موضوع تو اسلام سے قبل عرب کا وہ سماج ہے جس کی بنیاد احساس تفاخر پہ رکھی تھی اور جس میں جوا بھی شامل تھا۔جوئے کے بغیر عرب کا معروف سماج مکمل نہیں ہوتا اور عربوں کے ہاں جب قحط کی شدت ہوتی اور خیمے سردی سے اکڑنے لگتے تو کچھ لوگ صحرا میں آگ کا آلاؤ روشن کرتے اور عرب کے متمول سرداروں میں جوئے کے تیر تقسیم کرتے۔یاد رہے کہ عرب سماج میں ان تیروں کو واپس کرنے کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔اگر کوئی سردار کسی وجہ سے جوئے کی اس محفل میں شامل ہونے سے گریزاں ہوتا تو علاقے بھر میں اس کی مذمت کی جاتی اور اس کو" **برم** " کا نام دیا جاتا جس مفہوم بہت ہی برا تھا اور عرب اس لقب سے بہت بدکتے تھے۔

چنانچہ عرب کے سردار اس آلاؤ کے گرد جمع ہوتے اور تمام سردار اپنے تیر لے لیتے اور یہ تیر عربوں کے ہاں پائے جانے والے ایک درخت "**نبع**" کی لکڑی سے بنائے جاتے۔لکڑی کو تراش کر ہموار کیا جاتا اور لمبائی میں یکساں دس تیر تیار کئے جاتے۔تمام عرب سردار اپنے تیر "**حرضہ**" کے حوالے کر دیتے اور حرضہ اہل عرب کی ایک اصطلاح تھی جس کا معنی ہے امین۔یعنی وہ جواریوں کا امین ہوتا۔یاد رہے کہ جواریوں کا امین عام طور پر عرب معاشرے کا رذیل شخص تصور کیا جاتا کیونکہ یہ وہ شخص ہوتا تھا جس نے خود کبھی جوئے میں حصہ نہ لیا ہو یا جوئے میں حصہ لینا اس کی استطاعت سے باہر ہو۔قاموس میں اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کم تر درجے کا وہ شخص ہوتا جس نے کبھی خرید کر گوشت نہ کھایا ہو اور اس کے حصے میں صرف وہی گوشت آئے جو اسے جیتنے والے سردار بخشش کے طور پہ دیں یا وہ شخص جس کے گھر میں شاذ ہی کبھی چولہا جلا ہو اور اس کی گذر بسر بخشش کے مال پہ ہو اور وہ اوروں کے ہاں ہی کھانا کھاتا

ہو۔حرضہ کے ہاتھ پر اہل عرب سفید کپڑا لپیٹ دیا کرتے تھے تاکہ اس کی آنکھ پر پردہ پڑ جائے اور وہ زید اور بکر کے تیروں میں تمیز نہ کر سکے۔اس کے بعد چمڑے کا ایک موٹا غلاف اس کے ہاتھ پہ چڑھا دیا جاتا جس کو"**مجول**"کہا جاتا ہے۔اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ اگر امین کے دل میں کسی سردار کی حمایت کا خیال ہو تو وہ اس کے تیر کو محسوس نہ کر سکے۔چنانچہ جب حرضہ لوگوں کے تیر ہاتھ میں پکڑتا تو وہ ان کو دیکھتا نہ تھا اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان تیروں کو"**ربابہ**"یعنی چمڑے کے ایک تھیلے میں ڈال دیا جاتا اور ایک شخص حرضہ کے پیچھے بیٹھ جاتا جس کو اہل عرب"**رقیب**"کہا کرتے اور جو تیر نکلتا وہ اس پہ نگاہ رکھتا اور سرداروں کو اس سے آگاہ کرتا رہتا۔سب لوگ اس کی بات پہ اعتبار کرتے کیونکہ رقیب کی شخصیت کا انتخاب جوئے کھیلنے والے تمام سرداروں کی متفقہ رائے سے کیا جاتا اور"**ضریب**"تیر نکالنے والے کو کہا جاتا۔عرب اسے"**ضارب**"بھی کہتے اور حرضہ بھی جیسا کہ اوپر بیان گذر چکا ہے۔تب جوئے میں شامل سردار حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور درمیان میں حرضہ اور رقیب بیٹھے ہوتے اور جب کھیل شروع ہوتا تو حرضہ ربابہ کو آہستہ آہستہ ہلاتا اور جب کوئی تیر ربابہ سے اپنا سر اٹھاتا تو وہ اسے دیکھے بغیر نکال لیتا اور اپنی پشت پہ بیٹھے رقیب کو تھما دیتا جو لوگوں کو بتاتا کہ یہ تیر فلاں سردار کا ہے تب وہاں ایک ہنگامہ طرب جنم لیتا اور ہر طرف سے داد و تحسین کی آوازیں بلند ہونے لگتیں۔

رقیب وہ تیر جیتنے والے سردار کی طرف اچھال دیتا اور وہ اونٹ سے اپنا حصہ وصول کر لیتا جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا ہوتا اس گوشت کو اسی آگ کے آلاؤ پہ تیار کیا جاتا اور سب مل کے کھاتے اور قصائد کہتے کہ شعر کے بغیر ان کی ہر خوشی اور ہر غم ادھورا تصور کیا جاتا۔جس قبیلے کا شاعر موقع محل کی مناسبت سے عمدہ قصیدہ کہنے پہ قدرت رکھتا ہو اس کی عزت دوسرے قبائل سے زیادہ تصور کی جاتی اور یہی ان کے ہاں کامیابی کا تصور تھا اس کے بعد نئی بازی لگتی اب جیتنے والے سردار کو اختیار ہوتا کہ وہ چاہے تو اس بازی میں شامل نہ ہو کیونکہ وہ اپنے حصے کا جوئے کھیل چکا ہوتا اور اگر وہ چاہتا تو اپنا تیر حرضہ کو لوٹا دیتا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اس بازی میں بھی شامل ہے اور تیر کے لوٹا دینے کو عربوں کے ہاں"**تثنیہ**"کہا جاتا اور نابغہ ذبیانی کے اس شعر میں یہی مراد لی گئی ہے۔

اِنِّی اُتَمِّمُ اَیۡسَارِیۡ وَ ا مُنَحُهُمْ
مَثْنَی الاَ یَادِیْ وَاکْسُوْالجُفْنَۃَ الاَدَمَا

اور میں اپنی ذات سے جوأ کھیلنے والوں کی تعداد مکمل کر دیتا ہوں اور میں دینے والوں کو دوہرے عطیے دیتا ہوں اور میں پیالے کو کھانے سے بھر دیتا ہوں۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ عرب جوأ کھیلنے کے لیے تیر استعمال کیا کرتے تھے جو نبع نامی اس درخت سے تیار کئے جاتے جو دامن کوہ میں اگتا تھا اور اسے شوحط کہا جاتا اور عرب کہتے کہ اگر شوحط کو جلایا جاتا تو اس سے ضرور آگ نکلتی اگرچہ وہ اسے جلاتے نہ تھے اور یہ ضرب المثل رائے کی عمدگی کے لیے بولی جاتی تھی اور ان تیروں کو اہل عرب کے ہاں قِداح اور ازلام اور اقلام کہا جاتا یہ تعداد میں دس ہوتے مورخین نے ان کے نام درج کئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) الفَذا (۲) التَوام (۳) الرَّقِیْب (۴) الخلس (۵) النیابس (۶) مُسبل (۷) المُعَلَّی (۸) المِنیح (۹) السَفیح (۱۰) الوَاغِد [55*]

بڑے بڑے آئمہ اور اہل ادب نے ان ناموں کو نظم کیا ہے ان علماء میں ایک ابوالحسن علی بن محمد الہمدانی ہے جس کے چند شعر پیش خدمت ہیں جن سے جوئے میں اہل عرب کی دلبستگی اور تیروں کو سمجھنے اور ان کے استعمال کے فن پہ دلیل حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

یَلی الفَذَّا مِنھَا تَوَامٌ ثُمَّ بَعْدَہٗ
رَقِیْبٌ وَحِلسٌ بَعْدَہٗ ثُمَّ نَافِسٌ

اور فذ کے بعد توام آتا ہے اور پھر اس کے بعد رقیب اور حامس پھر اس کے بعد نافس۔

وَ مُسْبِلُهَا ثُمَّ المُعَلّٰى فَهٰذِهٖ
السِّهَامُ الَّتِی دَارَتْ عَلَيْهَا المَجَالِسُ

اور مسبل ہے پھر مُعلی ہے اور یہی وہ تیر ہیں جن پہ جوئے بازوں کی مجالس کا دور چلتا ہے۔

وَ لِكُلٍ مِمَّا سِوَاهَا نَصِيبٌ
ضِعْفُهُ اِنْ عَددتَّ اَوَّلَ اَوَّلَ

اور ان تینوں تیروں کے علاوہ بھی ہر تیر کا حصہ ہے اور جب تو انہیں ابتداء سے ایک ایک کر کے گنے گا تو پچھلا پہلے سے دگنا ہوگا۔

كُلُّ سِهَامِ اليَاسِرِيْنَ عَشَرَةٌ
فَاوْدِعُوْهَا صُحُفًا مُنْتَشِرَةً

اور جوئے بازوں کے کل دس تیر ہیں انہیں کھلے ہوئے صحیفوں میں رکھ لو۔

ثُمَّ المُعَلّٰى كَاسْمِهٖ المُعَلّٰى
صَاحِبُهُ فِى اليَاسِرِيْنَ الاَعْلٰى

پھر معلیٰ ہے جو اپنے نام کی طرح بلند ہے اور اس کا مالک جوئے بازوں میں اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے۔

والوَ غدُ والسَفیح ُوالمَنِیحُ

غیفلٌ فمَا فِیھَا یُرَی رَبِیحُ

پھروغد سفیح اور منیح بغیر علامت کے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی بھی نفع رساں نہیں ہوتا

[56*]"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

شادی بیاہ کی رسمیں

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں نکاح کے کئی طریقے مروّج تھے جن کی بنیاد ان رسم ورواج پہ رکھی تھی جن پہ عرب معاشرہ استوار تھا۔مگر نکاح کا سب سے طیب اور طاہر طریقہ وہی تھا جو ان کے ہاں دین ابراہیمی سے چلا آرہا تھا اور اس وقت بھی موجود تھا جب ہر طرف جہل اور کفر کے اندھیرے تھے۔عربوں کے شرفاء میں اب تک یہی طریقہ مروّج چلا آرہا تھا جس میں لڑکے کی طرف سے لڑکی کے ولی سے رشتہ طلب کیا جاتا اور اقرار پہ مہر مقرر کرکے لڑکی کا نکاح لڑکے سے کردیا جاتا۔قریش اور بہت سے دوسرے عرب قبائل میں نکاح کا یہی طریقہ مروّج تھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی یہ خصوصیت رکھی ہے کہ وہ پاکیزہ ترین نکاح سے ہوں۔چنانچہ خدا نے آپ کو آلودہ فاحشات سے بچائے رکھا اور آپ ﷺ کو پاک پشتوں سے منتقل کرکے پاک رحموں میں ودیعت کیا اور آپ کو شریف ترین حسب سے منتخب کیا۔مضبوط ترین قرابت داری سے آپ ﷺ کی مدد کی تاکہ آپ ﷺ کے نسب کو ہر قسم کی نکتہ چینی سے اور آپ ﷺ کے منصب کو ہر طرح کی جرح سے محفوظ رکھا جاسکے اور یہ اہتمام اس لیے کیا گیا کہ لوگ آپ ﷺ کی تعظیم

کریں اور لوگوں کے دل آپ ﷺ کی طرف مائل ہوں جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی بات کو قبول کرنے کے معاملے میں جلدی کرتے اور آپ ﷺ کے حکم سے زیادہ قریب ہوتے اور آنے والے وقت نے اس کو حقیقت ثابت کیا کہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام کی صداقت کو پھیلانے کے لیے مشرق کی طرف بھی گئے مغرب کی طرف بھی جنوب کی طرف بھی گئے اور شمال کی طرف بھی حتیٰ کہ خطہ زمین کو قرآن کی روشنی سے منور کر کے رکھ دیا۔ عرب اس شخص کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے جو زیادہ شادیاں کرنے والا ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے ہاں نو بیویاں تھیں بعد میں جب مستشرقین کے ایک ٹولے نے آپ ﷺ کے کثرت نکاح پہ حرف اٹھایا تو مسلمان علماء نے نہایت حکمت بھرے جواب دیئے۔ چنانچہ آئمہ امت نے نبی اکرم ﷺ کی کثرت نکاح کی حکمت بیان کرنے کے لیے دس وجوہ بیان کی ہیں۔ تا کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کے باطنی حالات کا مشاہدہ کر سکیں جس کے کا نتیجہ یہ ہو کہ مشرکین کے اس خیال کی نفی ہو جائے کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) جادوگر ہیں۔

۲۔ تا کہ عرب قبائل کو آپ کے ساتھ رشتہ قائم ہو جانے کی وجہ سے شرف بخشا جائے۔

۳۔ تا کہ اس طرح ان کے ساتھ الفت بڑھے۔

۴۔ تا کہ آپ ﷺ کے فرائض میں اضافہ ہو کیونکہ آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان عورتوں کی محبت آپ ﷺ کو احکام خداوندی پہنچانے میں پورا زور صرف کرنے سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول نہ کر لے۔

۵۔ تا کہ ان عورتوں کی وجہ سے آپ ﷺ کا خاندان بڑھے اور پھر جو لوگ آپ ﷺ سے جنگ کریں ان کے خلاف آپ ﷺ کے معاونوں کی تعداد بڑھے۔

۶۔ تا کہ ان احکام کو لوگوں تک پہنچایا جائے جن کی خبر مردوں کو نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں بیشتر امور وہ ہیں جو میاں اور بیوی کے درمیان واقع ہوتے ہیں اور جو بالعموم دوسرے لوگوں سے مخفی رہتے ہیں۔

۷۔ تا کہ آپ ﷺ کے باطنی اخلاق کی خوبیاں معلوم ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ سے اس وقت شادی کی جب اُن کا باپ آپ ﷺ کا بدترین دشمن تھا اور حضرت صفیہؓ سے اس وقت شادی کی جب ان کا باپ، ان کا چچا اور خاوند مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ اگر آپ کے

اخلاق تمام خلق کے مقابلے میں زیادہ کمال کو نہ پہنچے ہوتے تو یہ عورتیں آپ ﷺ سے متنفر ہو جاتیں بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ ان عورتوں کو اپنے گھر والوں سے زیادہ خود آپ ﷺ کی ذات زیادہ محبوب تھی۔

۸۔ باوجود کم کھانے اور کم پینے کے اور باوجود کثرت سے متواتر روزے رکھنے کے کثرت مباشرت میں ایک خارق عادت امر پیش کر کے کمال معجزہ کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے اس شخص کو جو نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت سے روزے رکھنے سے ہوس مباشرت کم ہو جاتی ہے مگر آپ ﷺ کی ذات اس سے مبرا تھی کہ آپ ﷺ کثرت سے روزہ بھی رکھا کرتے اور نکاح میں بھی آپ ﷺ نے کثرت اختیار کی۔

۹۔ اور یہ کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے کامل بشر ہونے کا علم حاصل ہو جائے کیونکہ عرب کثرت نکاح کو مرد کے لیے لائقِ ثنا وصف جانتے تھے کیونکہ اس سے مرد کے شرف اور مردانہ پن کا اظہار ہوتا تھا۔

۱۰۔ کثرت ازواج کی وجہ سے آپ ﷺ کو انہیں پاک دامن رکھنے ان کے حقوق ادا کرنے ان کے لیے روزی کمانے اور ان کی راہنمائی کے لیے اور بھی زیادہ محنت کرنا پڑتی تھی جس سے آپ ﷺ کے تقویٰ میں اضافہ ہوتا جو آنے والے لوگوں کے لیے بہترین اسوہ ثابت ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ پہ کثرت ازواج کی وجہ سے نکتہ چینی کی ہے انہوں نے انصاف سے کام نہیں لیا اس لیے کہ خود ان کے (بنی اسرائیل) ہاں انبیاء اور رسولوں نے کثرت نکاح ہی کی سنت چھوڑی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کوئی پہلے رسول نہ تھے جنہوں نے زیادہ شادیاں نہ کی ہوں اور نہ ہی زیادہ شادیاں کرنے سے امورِ رسالت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اس لیے کہ تاریخ میں بیان کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ اسلام کے پاس تین سو منکوحہ بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی سو سے زائد نکاح کئے۔ اس لیے یہ کہنا کہ زیادہ نکاح کرنے سے امورِ نبوت میں کچھ حرج آتا ہے ایک بالکل غلط تصور ہے حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین اپنے خبث باطن کا جب بھی اظہار کرتے ہیں تو اس سے بجائے کوئی علمی استدلال کے ان کا حسد جھانکتا ہے جس میں وہ اس روز سے مبتلا ہیں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ہر معاشرے کی طرح

عربوں میں بھی شادی کا بنیادی مقصد اپنی نسل کو دوام بخشنا تھا اور نیک اور صالح اور نر اولاد حاصل کرنا تھا تا کہ وہ اپنی قوت و سطوت میں اضافہ کر سکیں اور اہل عرب میں جو شخص اولاد پیدا نہ کرتا اس کو وہ بہت ہی برا خیال کرتے تھے اور کہتے کہ کاش وہ پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اس لیے وہ اولاد پیدا کرنے کی خواہش میں کم عمر اور باکرہ لڑکیاں تلاش کیا کرتے اس لیے کہ کنواری لڑکیاں اولاد پیدا کرنے کے ضمن میں خصوصیت کی مالک ہوتی ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”تم باکرہ لڑکیوں سے شادی کیا کرو کیونکہ وہ زیادہ شیریں دہن، زیادہ اولاد پیدا کرنے والی اور تھوڑی سی چیز پر زیادہ راضی ہو جانے والی ہوتی ہیں“۔

××××××××

اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ:

تم باکرہ لڑکیوں سے شادی کیا کرو کیونکہ وہ محبت زیادہ کرتی ہیں اور بکواس کم۔

××××××××

اور یہی صورت نکاح کی بہترین صورت ہے کیونکہ شادی اسی بات کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے اور یہی امر شریعت میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”کالے رنگ کے بچے پیدا کرنے والی عورت خوبصورت مگر بانجھ عورت سے بہتر ہے“۔

××××××××

اہل عرب میں رواج تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی دور کے لوگوں اور اجنبیوں سے کرتے تھے اس لیے کہ ان کا خیال تھا ان کے اس اہتمام سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ زیادہ نجیب اور خوبصورت ہوگا۔ وہ اپنے کنبے اور رشتہ داروں میں شادی کرنے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ بات بچے کی خلقت کے لیے مضر اور نجابت سے بعید تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ غیرت مند عورت کی اولاد نجیب نہیں ہوتی اور جو عورت

اپنے مرد سے بغض رکھتی ہو اس کی اولاد سب سے زیادہ نجیب ہوتی ہے کیونکہ جب اسے مرد کی خواہش نہیں ہوتی تو مرد اولاد کو اپنے سے مشابہ کرنے کے معاملے میں عورت پر غالب آ جاتا ہے اور اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا کہ:

''تم اجنبیوں سے شادی کیا کرو اور قریبی رشتہ داروں میں شادی کر کے اپنی اولاد کو کمزور نہ کیا کرو''۔

× × × × × × ×

آج اس حقیقت کو لوگ سائنس کے حوالے سے بھی جانتے ہیں کیونکہ جدید طبی سائنس نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عام طور پہ چچا زاد لڑکے اور لڑکی کا بلڈ گروپ ایک ہی ہوتا ہے اس لیے ان کے ہاں دیگر جوڑوں کے مقابلے میں معذور یا انتہائی کمزور اولاد پیدا ہونے کے امکانات ستر فیصد زیادہ ہیں۔ اس لیے آج کی طبی سائنس نے لوگوں کو اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ قریبی رشتوں خاص طور چچا زاد سے شادی کرنے سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اہل عرب میں اس بات کا شعور پندرہ سو سال پہلے بھی موجود تھا کہ چچا کی بیٹی شادی کی صورت میں لاغر اولاد پیدا ہو سکتی ہے اور عرب اپنی نسل کے بارے میں بہت حساس تھے۔ اولاد کا معاملہ تو خیر انتہائی اہم ہے وہ تو اپنی اونٹنی پہ کم نسل کے اونٹ کو سوار نہ کرتے تھے کہ مبادا ان کے اونٹ کی نسل خراب ہو جائے۔ اہل عرب اپنی لڑکیوں کی شادی قرابت داروں کے ہاں نہ کرتے تھے بلکہ اس کے لیے دور دراز اور اجنبی لوگوں کو ترجیح دیتے تا کہ عمدہ خصائص والی انسانی نسل حاصل کی جا سکے۔

چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے کہ:

اِنَّ بِلَالًا لَمْ تَشِنْهُ اُمُّهٗ
لَمْ يَتَنَاسَبْ خَالُهٗ وَ عَمُّهٗ

بلال کی والدہ نے بلال کو عیب ناک نہیں کیا کیونکہ نہ تو اس کا خالو اس کا ہم نسب تھا اور نہ ہی

چچا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَتًى لَمْ تَلِدْهُ بِنْتُ عَمٍّ قَرِيْبَةٌ
فَيَضْوَى وَقَدْ يَضْوِى رَدِيْلُ الاَ قَارِبِ

یہ ایک ایسا جوان ہے جسے کسی قریبی یعنی چچا زاد کی لڑکی نے نہیں جنا کہ وہ لاغر ہوتا کیونکہ رذیل قرابت والا لاغر اور کمزور ہوا کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَجَاوَزْتُ بِنْتَ العَمِّ وَهِیَ حَبِيْبَةٌ
مَخَافَةَ اِنْ يَضْوَى عَلَىَّ سَلِيْلِىْ

اور میں نے اپنے چچا کی بیٹی کو اس کے باوجود کہ مجھے اس سے محبت تھی چھوڑ کر کسی اور سے شادی کرلی اس خوف کے باعث کہ کہیں میری اولاد کمزور اور لاغر پیدا نہ ہو[*57]''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور عرب کے جاہلی شعرا نے اس نسل کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں جو غیروں میں شادی کرنے کے نتیجے میں نئی نسل میں پیدا ہوتی ہیں اور یہ ہذلی کے شعر ہیں۔

وَ اِذَا نَبَذْتَ لَه الحَصَاةَ رَاَيْتَه
يَنْزُوْ لِوَ قْعَتِهَا طُمُوْرَ الاَ خْيَلَ

جب تو اس کی طرف کنکر پھینکے گا تو تُو دیکھے گا کہ کنکر کے گرتے ہی وہ کسی بھوکے شکرے کی طرح لپکتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَ اِذَا یَھُبُّ مِنَ الْمَنَامِ رَاَیْتَہٗ
کَرُ تُوبِ کَعْبِ السَّاقِ لَیْسَ بِزُمَّلٗ

اور جب یہ خواب سے بیدار ہوتا ہے تو تُو دیکھے گا کہ یہ پنڈلی کی اس ہڈی کی طرح اٹھتا ہے جو کمزور نہ ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

مَا اِنْ یَمَسُّ الاَرْضَ اِلاَّ مَنْکِبٌ
مِنْہُ وَحَرْفُ السَاقِ طَیَّ الْمِحْمَلِ

اور جب یہ سوتا ہے تو اس کا صرف ایک کندھا اور پنڈلی کا ایک کنارہ زمین کو چھوتا ہے اور وہ ایسا دبلا پتلا ہے جیسے کہ کسی تیز دھار پتلی تلوار کی پیٹی ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَاِذَا رَمَّیْتَ بِہٖ الفَجَاجَ رَاَئیتَہٗ
یَھْوِی مَخَارِمَھَا ھُوِیَّ الاَجْدَلِ

اور جب تو اسے پہاڑی دروں کو روانہ کرے گا تو تُو دیکھے گا کہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر کسی شاہین کی طرح چڑھ جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَاِذَا نَظَرْتَ اِلیَ اَسِرَّۃِ وَجْھِہٖ
بَرَقَتْ تَبَرُّقِ العَارِضِ الْمُتَھَلِّلِ

اور جب تو اس کے چہرے کے نقوش کو دیکھے گا تو یہ چمکدار بادل کی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

یَحْمِیُ الصِحابَ اِذَا تکُونُ کَرِیْھَۃ
وَاِذَا ھُم نَزَا لُوْا فَماوی َ العُیَّلِ

جب جنگ ہوتو یہ اپنے ساتھیوں کو بچاتا ہے اور جب کسی مقام پر اترتے ہیں تو وہ محتاجوں کے لیے جائے پناہ ہوتا ہے[58*]"۔

عرب کے جاہلی معاشرے میں نکاح کے کئی طریق تھے جن میں سے صرف ایک کا بیان گذرا ہے جو سنت ابراہیمی کے مطابق تھا۔اس کے علاوہ ان کے ہاں نکاح کے کئی باطل تصور موجود تھے جن کو اسلام نے روک دیا اور صرف نکاح ابراہیمی کو جاری رہنے دیا۔چنانچہ اہل عرب کے ہاں ایک طریقہ نکاح الاستبضاع تھا جس کا طریق یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تُو حیض سے پاک ہوتو فلاں مرد سے ہم آغوش ہونا تا کہ تجھے اس سے حمل ٹھہر جائے۔اس تعلق کا مقصد یہ ہوتا کہ ان کے ہاں اعلیٰ نسل پیدا ہو کیونکہ اہل عرب کے ہاں رواج تھا کہ بیج چاہے کوئی بھی ڈالے بیٹے کی نسبت اپنے باپ ہی کی طرف ہو گی۔چنانچہ جب تک وہ غیر مرد اس عورت کی طرف مائل رہے گا اس وقت تک اس عورت کا اصل خاوند اس سے دور رہتا حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جاتی تب وہ اپنے اصل خاوند کے پاس چلی آتی۔دراصل اہل عرب اپنے سرداروں کی شجاعت اور سخاوت سے متاثر رہتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے ہاں بھی اسی طرح کا کوئی اصیل مرد پیدا ہو جو اپنے اعلیٰ افکار و اعمال سے ان کا نام روشن کرے۔تاہم اسلام نے نکاح الاستبضاع کو باطل قرار دیا اور اسے بدکاری کے زمرے میں رکھا اور لوگوں کو بتایا کہ اللہ کی رحمت تم کو اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب تم زنا اور فحش کاموں سے بچتے رہو گے۔

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں نکاح کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کئی افراد ایک ہی عورت کے خاوند بن کے رہتے اور سب ہی اس سے ہمکنار ہوتے۔یاد رہے کہ اس اجتماعی شادی میں عورت کی رضا شامل ہو تی۔تاہم جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو اپنے تمام خاوندوں کو جمع کر لیتی جن کی تعداد عام طور پہ دس ہوا کرتی اور سب کے سب حاضر ہو جاتے کیونکہ اہل عرب کے سماج میں اس سے انکار کی گنجائش نہ تھی

اور کسی کو مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ چنانچہ جب اس کے سب خاونداس کے ہاں پہنچ جاتے تو وہ عورت کہتی کہ جو معاملہ بھی ہوا تھا تم سب اس سے آگاہ ہو اب یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ عورت جس مرد کی طرف چاہتی انگلی اٹھا دیتی اور اس بچے کا نام اس شخص کے ساتھ جوڑ دیا جاتا اور اس شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ انکار کرے۔ چنانچہ اس طرح اس نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد کو باپ کا نام مل جاتا۔ بیان کیا گیا کہ ایسا صرف تب ہوتا جب لڑکا پیدا ہوتا ورنہ لڑکی کی پیدائش کو تو اہل عرب عام طور پہ اپنی خاص منکوحہ سے بھی پسند نہ کرتے تھے کجا یہ کہ اس طرح کے مشکوک نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بچی کو قبول کرتے۔

نکاح کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بہت سے عرب جن کی تعداد غیر متعین ہوتی ایک عورت کے پاس جاتے رہتے حتیٰ کہ عورت کو حمل رہ جاتا ایسی عورتیں کسی مرد کو بھی اپنے گھر میں آنے سے نہ روکتیں اور یہ اہل عرب کی طوائفیں تھیں۔ جنہوں نے اپنے گھروں کے باہر دروازوں پر مختلف رنگوں کی جھنڈیاں لگا رکھی ہوتیں جس سے عرب اس بات میں تمیز کیا کرتے کہ یہ گھر کسی شریف عورت کا ہے یا کسی پیشہ ور کا۔ یہ پیشہ ور عورت جب اپنے بچے کو جنتی تو ان تمام مردوں کو بلا بھیجتی جو اس کی خلوت میں آئے تھے پھر قیافہ شناس کو بلایا جاتا اور قیافہ شناس مختلف اندازوں سے قائم کی گئی رائے سے بچے کے باپ کا نام مقرر کرتا اور یوں اس بچے کے نسب کو اس شخص کے ساتھ ملا دیا جاتا جس کا نام قیافہ شناس دریافت کرتے۔ ہشام ابن الکلبی نے کتاب "**المثالب**" میں عرب کی بہت سی پیشہ ور عورتوں کے نام اور احوال درج کئے ہیں جن کی تفصیل میں جانا ہم ضروری خیال نہیں کرتے کہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اسلام نے بدکاری اور عورتوں سے پیشہ کرانے کو بڑا گناہ قرار دیا اور نبی پاک ﷺ نے لوگوں کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ وہ زنا سے رک گئے اور نکاح کی طرف مائل ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی جن کا نام مرثدؓ تھا نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ وہ ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ پیشہ کیا کرتی تھی اور حضرت مرثد اس کے پاس جایا کرتے تھے اس کا نام عناق تھا۔ حضرت مرثدؓ کے اسلام لانے کے بعد عناق ان سے ملی تو حضرت مرثدؓ نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور اسلام میں زنا کی اجازت نہیں البتہ اگر تم چاہو تو میں تم سے نکاح کر سکتا ہوں۔ تب انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس معاملے کو رکھا تو سرکار دو جہاں ﷺ نے مرثدؓ کو اس نکاح کی اجازت نہ دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی اتاری جس میں بیان کیا گیا کہ:

اَلزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء)

ترجمہ؛

''کہ زنا کار عورت کے ساتھ یا زنا کار شادی کرتا ہے یا مشرک''

× × × × × × ×

عرب کہا کرتے کہ جو تعلق چھپا رہے وہ زنا نہیں حتیٰ کہ وہ ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کی اس آیت کے ذریعے بدکاری کے اس طریق سے بھی روک دیا جسے وہ نکاح الخدن کہا کرتے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء)

ترجمہ:

''اور انھیں (عورتوں کو) عقد میں لا کر اپنے پاس رکھو نہ زنا کاری کی نیت سے نہ یارانے کی غرض سے''۔

× × × × × × ×

ان کے ہاں ایک نکاح کا نام نکاح المتعہ تھا جس میں کوئی مرد ایک عورت کے لیے کچھ مہر کے عوض ایک مقررہ مدت تک شادی کرتا جو مدت گذر جانے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی اور عورت مرد جدا ہو جاتے۔ اگرچہ بعض حدیثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں کچھ عرصہ تک مسلمان بھی نکاح المتعہ کرتے رہے مگر قانون شریعت کی حیثیت سے اب جمہور امت اسی بات پہ متفق ہے کہ اسلام میں نکاح متعہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ تعلق بدکاری ہی کی مثل ہے۔

عربوں کے ہاں ایک نکاح نکاح البدل کہلاتا جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ تو اپنی بیوی سے میرے حق میں دستبردار ہو جا تو میں اپنی بیوی تیرے حوالے کر دیتا ہوں اور بہت سی صورتوں میں لوگ اس پہ رضامند ہو جاتے اور جب ان کا جی بھر جاتا تو پھر سے اپنی بیویوں کی طرف لوٹ آتے جیسا کہ اس نکاح کے طریق سے واضح ہے کہ یہ بغیر کسی شک کے بدکاری کی ایک کھلی صورت تھی جو کسی بھی صالح معاشرے کے ماتھے پہ ایک بدنما داغ سے کم نہ تھی چنانچہ یہ کس طرح ہو سکتا تھا اسلام جو دین فطرت ہے اس طرح کی فحاشی کی اجازت دیتا چنانچہ اسلام نے اس عادتِ بد کی سختی سے ممانعت کی اور نکاح کی اس صورت کو کھلا فسق قرار دیا۔

ان کے ہاں ایک نکاح شغار تھا جو غالباً عربوں کے نکاحوں میں سب سے ظالمانہ صورت تھی جس میں عورت کا بری طرح استحصال کیا جاتا اس کا طریق یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کسی دوسرے شخص سے اس شرط پہ کرتا کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے گا۔ چنانچہ اس طرح دونوں شخص نہ صرف یہ کہ بیٹیوں کے بوجھ سے آزاد ہو جاتے بلکہ بغیر کسی خرچ اور مہر کے اپنے گھر نئی اور جوان عورت کو ڈال لیتے۔ یاد رہے کہ نکاح شغار میں بیٹیوں کے علاوہ بھتیجیوں، بھانجیوں اور بہنوں کے نکاح بھی اسی شرط پہ کئے جاتے اور اس نکاح کا ذکر کرتے ہوئے بیٹی کا نام صرف مثال کے طور پہ لیا گیا ہے۔ ان قبیح باتوں میں جو عرب کیا کرتے تھے ایک یہ تھی کہ ایک شخص اپنے باپ کے مر جانے پر اپنے باپ کی بیوی کو اپنے عقد میں لے لیتا تھا اور اس شخص کو عرب ضیزن کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اوس بن حجر تیمی نے قیس بن ثلعبہ کے ان لوگوں کی ملامت کرتے ہوئے یہ قصیدہ لکھا جنہوں نے اپنے باپ کی بیوی کو اپنے عقد میں لے لیا تھا۔

نِیکُوا فُکَیہَۃَ وَامَشُوا حُوْلَ قُبَّتِہَ
فَکُلُّکُم لَا بِیہِ ضِیْزَنٌ سَلِفَ

فُکیہہ سے مباشرت کرو اور اس کے خیمہ کے گرد پھرتے رہو کیونکہ تم سب اپنے باپ کے ضیزن بھی ہو اور ہم زلف بھی۔

کیونکہ عربوں کے ہاں یہ دستور بھی تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرجاتا تو اگر اس کا سب سے بڑا بیٹا اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا تو اپنی چادر اس عورت کے اوپر پھینک دیتا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اب اس عورت کا مالک وہ ہے ۔ اگر وہ اس کی ضرورت محسوس نہ کرتا تو کوئی اور بھائی نئے مہر کے ساتھ اس عورت کو اپنے عقد میں لے سکتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں اس طرح کے ہر نکاح کو باطل قرار دے دیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِيلًا O

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۲۲/۴)

ترجمہ:

”جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے شادی کی ہوان سے شادی نہ کیا کرو ماسوا ان شادیوں کے جو پہلے ہو چکی ہیں کیونکہ یہ ایک فعل بد ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور برا طریقہ ہے“۔

××××××

جاہلیت میں اس قسم کے نکاح کو ”**مقت**“ کہا جاتا تھا۔ اس طرح کے نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا سے ”**مقتی**“ کہا جاتا تھا۔ اہل عرب ”**مقیت**“ اس کو کہتے تھے جسے لوگ برا سمجھیں اور حقارت سے دیکھیں۔ طبری نے بیان کیا کہ اشعث بن قیس اور ولید بن عقبہ کا دادا معیط اسی طرح کے نکاح کا نتیجہ تھا۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں جو لوگ اپنے باپ کی بیویوں کے مالک بنے ان کے حالات ابن قتیبہ نے درج کئے ہیں۔ چنانچہ ابن قتیبہ کہتا ہے کہ عرب میں جو لوگ اپنے باپ کے بعد اس کی بیوی کے مالک بنے ان میں مُر کی بیٹی اور تمیم بن مُر کی بہن برہ خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی بیوی تھی جس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کنانہ بن خزیمہ اس کا مالک بنا جس سے عبد مناۃ بن کنانہ اور نظر بن کنانہ کے علاوہ اور بھی اولاد پیدا ہوئی۔ قبیلہ بنی قضاعہ میں سے جرم بن ریان کی بیٹی ناجیہ سامہ بن لوئ کی بیوی تھی جس سے اس کے ہاں

غالب بن سامہ پیدا ہوا مگر اس کے بعد سامہ مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا الحارث بن سامہ باپ کا جانشین بنا۔ بنی مازن بن صصعہ میں سے واقدہ عبد مناف کی بیوی تھی جس سے نوفل اور ابو عمرو پیدا ہوئے پھر جب عبد مناف اسے چھوڑ کر مر گیا تو اس کا بیٹا ہاشم بن عبد مناف اس کا مالک بنا اور اس کے ہاں اس نکاح سے دو بیٹیوں نے جنم لیا جن میں سے ایک کا نام خالدہ اور دوسری کا ضعیفہ تھا۔ پھر ایان بن کلیب کی بیٹی آمنہ امیہ بن عبد شمس کی بیوی تھی جس سے اس کے یہاں اعیاص پیدا ہوئے اور جب امیہ اسے چھوڑ کر مر گیا تو اس کا بیٹا ابن عمرو اس کا مالک بنا جس سے اس کے یہاں ابو معیط پیدا ہوا۔ سنان بن ابی حارثہ المری کی بیٹی اور ھرم بن سنان کی بہن زبان بن سیار بن عمرو الفرازی کی بیوی تھی جس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے منظور بن زبان نے زبان بن سیار پہ اپنی چادر پھینکی اور اس کا مالک بن گیا اور اس نکاح سے خولہ بنت منظور اور ہاشم بن منظور پیدا ہوئے۔ بعد میں اسی خولہ سے حسن بن علی بن ابی طالب نے شادی کی اور ان کے ہاں الحسن بن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہُ پیدا ہوئے۔ پھر ان کی وفات پر محمد بن طلحہ بن عبید اللہ نے خولہ سے شادی کی اور اس سے ان کے ہاں ابراہیم بن محمد پیدا ہوا جس نے ابراہیم الاعرج کے نام سے تاریخ عرب میں شہرت حاصل کی۔ اسلام سے قبل کی جانے اس طرح کی شادیوں پہ اسلام نے تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو برا کہا کہ اس میں ان کا کیا قصور۔ جاہلیت میں عمرو بن معدیکریب نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی پہ اپنی چادر ڈالی اور اس کا مالک بنا۔ اپنی اسی بیوی کے متعلق عمرو بن معدیکریب نے کچھ شعر کہے جو پیش کیے جا رہے ہیں۔

تَقُوْلُ حَلِيْلَتِيْ لَمَّا قَلَتْنِيْ
شَرَائِجُ بَيْنَ كُدْرِيٍّ وَ جُوْنٍ

جب میری بیوی مجھ سے بغض رکھنے لگی تو کہنے لگی کہ میرے بال دو رنگ کے ہیں کچھ مٹیالے ہیں اور کچھ سیاہ۔

اَتَرَاهُ كَا لثَّغَامِ يُعَلُّ مِسْكًا
يَسُوْءُ الفَا لِيَاتِ اِذَا فَلَيْنِىْ

توان بالوں کو درمنہ سفید بوٹی کی طرح دیکھتا ہے انہیں بار بار کستوری لگائی جاتی ہے اور جب جوئیں نکالنے والیاں میرے بالوں سے جوئیں نکالتی ہیں تو ان سفید بالوں کو دیکھ کر وہ غمناک ہو جاتی ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَزَيْنُكَ فِىْ شَرِيْطِكَ اُمَّ عَمْرٍو
وَسَابِغَةٌ وَذُوالنُّونَيْنِ زَيْنِىْ

اور اے ام عمرو! تمہاری زینت کا سامان تمہارے کپڑوں کے پٹارے میں ہے اور کامل زرہ اور دو دھاری تلوار میری زینت ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَدَوْ شَمَّرْنَ ثُمَّ عَدَوْنَ رَهْواً
بِكُلِّ مُدَ جَّجٍ لعَرَفْتِ لَوْنِىْ

اگر یہ گھوڑیاں تیزی سے چلتیں اور پھر مسلح سواروں کو لے کر ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتیں تو تُو میرا رنگ پہچان جاتی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذَا مَا قُلْتُ اِنَّ عَلَىَّ دَيْنًا
بِطَعْنَةِ فَارِسٍ قَضَيْتُ دَيْنِىْ

جب میں یہ کہوں کہ کسی گھڑ سوار کو نیزے کا زخم لگانے کا مجھ پہ قرض ہے تو میں اپنا قرض ادا کر کے رہتا ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَقَعْقَعَۃُ اللِّجَامِ بِرَاسِ طِرْفٍ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ تَنْکِحِیْنِی

اور اصیل گھوڑے کے سر پر لگام کی آواز مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ تو مجھ سے نکاح کرے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَخَافُ اِذَا هَبَطْنَ بِنَا خَبَارًا
وَجَدَّ الرَّکْضُ اَنْ لَا تَحْمِلِیْنِیْ

اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ جب یہ نرم زمین پہ اتریں گی اور ہم تیزی سے دوڑیں گے تو تُو مجھے اٹھا نہ سکے گی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَلَوْلَا اِخْوَتِیْ وَبُنَیَّ مِنْهَا
مَلَأْتُ لَهَا بِذِیْ شُطَبٍ یَمِیْنِیْ

اور اگر اس سے میرے بھائی اور بیٹے نہ ہوتے تو میں نقوش والی تلوار لے کر اس پہ دائیں ہاتھ سے ایک بھرپور وار کرتا[*59]‘‘۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

> عہد جاہلیت میں بھی عربوں میں شادی بیاہ طلاق و عدت وغیرہ میں وہی طریقے مروّج تھے جو اُن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلے آئے تھے۔ امت کا سوادِ اعظم زنا سے دور اور نکاح سے قریب تھا۔

عہد جاہلیت میں طلاق

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اپنی بیویوں کو تین بار جدا جدا طلاقیں دیا کرتے تھے اور سب سے پہلے اس طریقے کو اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام نے جاری کیا۔ پھر مدتوں تک عرب میں طلاق کا یہی طریقہ مروج رہا جسے اسلام آنے کے بعد بھی دوام حاصل رہا۔ کیونکہ عام طور پہ عرب طلاق کے معاملے میں سنت ابراہیمی پہ قائم تھے اور حضرت ابراہیم کا دین بھی دین فطرت تھا اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں بھی بہت سے ان طریقوں کو جاری رکھا گیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلے آ رہے تھے۔ ان میں حج کی رسومات، نکاح وطلاق اور قربانی وغیرہ کی رسمیں شامل ہیں۔ چنانچہ عربوں میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو ایک طلاق دیتا جس کے بعد اس بات کا سب سے زیادہ حقدار اسی کو قرار دیا جاتا کہ عورت اس کے پاس رہے تا آنکہ وہ اپنی تین طلاقیں پوری کر لیتا جس کے بعد اس کا تعلق اپنی بیوی سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا۔ اسی ضمن میں عرب کے مشہور شاعر اعشیٰ نے بہت ہی شاندار

شعر کہے جب اس کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے حالانکہ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ اعشیٰ کا قصہ یوں ہے کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی مگر اس کی قوم نے اعشیٰ کی اس شادی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس عورت کا قبیلہ بھی اس شادی سے ناخوش تھا چنانچہ اس عورت کے قبیلے نے اعشیٰ کو دھمکی دی کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دے ورنہ وہ اس کو قتل کر دیں گے، اعشیٰ نے کہا کہ:

أيا جَارَتِی بِیْنِیْ فَإنكِ طَالِقَه
كَذَاكَ اُمُورُالنَّاسِ غَادٍ وَطَارِقَه

اے میری بیوی! تو مجھ سے جدا ہو جا کیونکہ تجھے طلاق مل گئی ہے لوگوں کے معاملات کا یہی حال ہے کچھ صبح کو آتے ہیں اور کچھ رات کو اور انہوں نے کہا! اب دوسری طلاق دو اس پہ اعشیٰ نے کہا:

وَبِیْنِیْ فَإنَ الْبَیْنَ خَیْرٌ مِنَ الْعَصَا
وَإلَّا تَرَی لِیْ فُوْقَ رَاسِكِ بَارِقَة

تو اب مجھ سے جدا ہو جا کیونکہ جدائی لاٹھی سے بہتر ہے ورنہ تو اپنے سر پہ میری چمکدار تلوار دیکھے گی انہوں نے کہا کہ تیسری طلاق بھی دے دو اس پہ اعشیٰ نے کہا!

وَبِیْنِی حَصَانَ الْفَرْجِ غَیْرَ ذَمِیمَةٍ
وَامُوْمُوْقَةً قَدْ كُنْتِ فِیْنَا وَوَامِ

تو اب جدا ہو جا در آنحالیکہ تو پاک دامن رہی ہے اور تو قابل مذمت بھی نہ تھی بلکہ اس کے برعکس تو ہم کو محبوب تھی اور ہم سے محبت رکھتی تھی[60*]"۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سارا عرب معاشرہ سنت ابراہیمی پہ عمل پیرا تھا اور ان میں کوئی گمراہی ہی نہ تھی بلکہ اصل صورت حال یوں تھی کہ عرب نہ صرف عقائد بلکہ سماجیات میں بھی بہت بڑی گمراہی کا شکار ہو چکے تھے۔اور اس نوید صبح کے انتظار میں تھے جو انہیں اس تیرہ و تاریک رات سے نجات دلائے جس نے ان کی زندگی کے ہر پہلو کو مایوسی اور یاسیت کی نظر کر رکھا تھا۔چنانچہ شادی بیاہ اور طلاق کے معاملے میں بھی وہ بہت سی عملی گمراہیوں کا شکار تھے جن میں ایک یہ تھی کہ اہل عرب اپنی عورت کو ایک طلاق دیتے اور جب عدت پوری ہونے کا زمانہ قریب آتا تو وہ اس سے رجوع کر لیتے مگر اس لیے نہیں کہ انہیں اس عورت کی ضرورت ہوتی یا اس سے محبت ہوتی بلکہ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ عدت کو اور لمبا کر دیا جائے اور وہ عورت انہی کے نکاح میں معلق رہے اور کسی دوسرے سے نکاح نہ کر سکے اور اس کا صاف مطلب یہی نکلتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کی بے بسی کے ایام کو طوالت دینا چاہتے تھے اور کسی عناد کی بنا پر ان کو دکھ دینے کے درپے تھے وہ نہ انہیں درست طور پہ بیوی ہونے کے حقوق دیتے اور نہ ہی انہیں آزاد کرتے کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں اور نکاح کر سکیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں پہ اس طرح کا ظلم روا رکھنے کو جرم اور گناہ قرار دیا اور سورۃ بقرہ کی یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲/۲۳۱)

ترجمہ؛

”اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور پھر رجوع کر لو تو یا تو اچھے طریقے سے ان کو اپنے پاس روکے رکھو یا اچھے طریقے سے انہیں کھلا چھوڑ دو اور دکھ دینے کی غرض سے انہیں اپنے پاس نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے“۔

××××××

عربوں میں یوں بھی ہوتا کہ کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرتا تو ہنسی مذاق میں اس کو طلاق دے دیتا، کسی غلام کو آزاد کرتا ہے اور پھر کہتا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسے سب امور کو باطل قرار دیا اور نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ تین چیزیں ایسی ہیں خواہ وہ سنجیدگی میں کی جائیں یا مذاق میں وہ سنجیدہ ہی سمجھی جائیں گی اور وہ یہ ہیں نکاح طلاق اور رجوع۔ چنانچہ دور جاہلیت کے عربوں میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی عورتوں کو طلاق تو دے دیتے مگر پھر ان کی نگرانی شروع کر دیتے اور جب ان کی مطلقہ عورت عدت سے فارغ ہوتی تو وہ اسے اپنی پسند کی جگہ پہ نکاح کرنے سے روکتے۔ یہ ان کی جاہلی حمیت تھی اور وہ ایسا کرتے اس لیے کہ انہیں اس بات کی غیرت آتی کہ وہ عورت جو کل تک ان کی بیوی تھی آج کسی اور کی بیوی ہو۔عرب کے وہ لوگ جو ایسا کرتے نخوت اور تکبر سے بھرے ہوتے اور خیال کرتے کہ وہ جنس بنی آدم سے ارفع ہیں ماسوا ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری اور تواضع کی بدولت بچائے رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پرتکبر رویے کو باطل قرار دیا اور قرآنِ حکیم میں حکم فرمایا کہ:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَO

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲۳۲/۲)

ترجمہ:

”اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کی پوری مدت کو پہنچ جائیں تو جب وہ اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں تو انہیں اپنے آئندہ خاوندوں سے شادی کرنے سے مت روکو یہ نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں پس یہی بات تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ طاہر ہے اور جو اللہ جانتا ہے وہ تم نہیں جان سکتے“۔

×××××××

اہل عرب اپنی عورتوں سے خلع بھی کرتے تھے اور خلع یہ ہے کہ عورت نے جو مال اپنے خاوند سے لے لیا

ہو وہ اسے رکھ لے اور الگ ہو جائے اور "**خلع الثوب**" کا مطلب ہے کہ اس نے کپڑا اتار دیا کیونکہ مرد عورت کا معنوی لباس ہے اس لیے اس قسم کی جدائی کو خلع کہا گیا ہے۔ابو بکر درید نے بیان کیا کہ دنیا میں سب سے پہلا خلع اس طرح ہوا کہ عامر بن الظرب نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے عامر بن الحرث سے کی تاہم جب وہ اپنے خاوند کے پاس گئی تو اس نے اسے ناپسند کیا اور اسے قریب نہ آنے دیا بہت دنوں تک ایسا ہی چلتا رہا۔تب عامر نے اس کی شکایت لڑکی کے باپ سے کی تب اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے یہ دونوں باتیں جمع نہ ہونے دوں گا کہ تمہاری بیوی بھی تم سے جدا رہے اور تمہارا مال بھی ضائع ہو،اس لیے میں تم سے اس مال کے عوض جو تو نے اسے دیا ہے اس سے علیحدہ کرتا ہوں۔ابن درید نے کہا کہ علماء کا خیال ہے کہ عربوں میں یہ پہلا خلع تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن جاننے والوں میں سے ایک شخص کو جسے میں پسند کرتا ہوں کہتے ہوئے سنا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ تین طرح سے طلاق دیا کرتے تھے۔یعنی ظہار، ایلا اور طلاق پھر اللہ تعالیٰ نے طلاق کو تو طلاق ہی رہنے دیا اور ایلا اور ظہار کے متعلق قرآن میں احکامات نازل فرمائے۔ظہار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس چیز سے تشبیہ دے جو اس پہ مطلق حرام ہو کہ عام طور پہ عرب اپنی بیوی سے یوں ظہار کیا کرتے کہ وہ اپنی بیوی کو پکارتے اور کہتے آج سے تو مجھ پہ ایسے ہی حرام ہے جیسے مجھ پہ میری ماں کی پیٹھ حرام ہے۔ایلا یہ ہے کہ مرد قسم کھا کر عورت سے کہے میں فلاں وقت تک تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا اور ایلا کے حوالے سے طبرانی نے ابن عباسؓ کی حدیث روایت بیان کی ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کی مدت ایلا طویل ہوا کرتی تھی جو بعض اوقات ایک سال اور بعض اوقات دو سال ہوا کرتی۔

تاہم اسلام آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایلا کی مدت چار ماہ قرار دی۔چنانچہ جس جدائی کی مدت چار ماہ سے کم ہوگی اسے ایلا قرار نہ دیا جائے گا۔اہل عرب کی عورتیں عدت گذارتیں تھیں چاہے وہ مطلقہ ہوں یا ان کے خاوند وفات پا جائیں اور اہل عرب کی عورتیں اپنے خاوند کے حق کا بڑے زور سے احترام کیا کرتیں اور عقد نکاح کی حرمت کی انتہائی مبالغہ کے ساتھ تعظیم کیا کرتیں اور اس سلسلے میں ان کے ہاں کئی جاہلانہ رسومات تھیں جن کا اتباع ہر عرب عورت پہ لازم تھا۔جب کسی عرب عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ اپنا بدترین لباس پہنتی اور اپنے گھر کی حقیر اور اندھیری کوٹھری میں ایک سال تک خود کو قید کر لیتی اور اسے نہ دنیا کی کوئی خبر ہوتی اور نہ دنیا کو اس کے حال کی کوئی پریشانی ہوتی اس سلسلے میں آئمہ محدثین نے متعدد روایتیں نقل کی

ہیں۔ چنانچہ امام بخاری حضرت ام سلمیٰ سے روایت لائے ہیں کہ:

”ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کا خاوند مرگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا ہم اسے سرمہ لگا دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اور آپ ﷺ نے دو یا تین بار نہیں کہا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مدت تو چار ماہ دس دن ہے جب کہ جاہلیت میں تم سال کے اختتام پر مینگنیاں پھینکا کرتیں تھیں، حمید نے کہا میں نے حضرت زینت سے دریافت کیا کہ مینگنیاں پھینکنے سے کیا مراد ہے تو زینب نے جواب دیا کہ اسلام سے قبل جب کسی عرب عورت کا خاوند مرجایا کرتا تو وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہو جایا کرتی بدترین کپڑے پہنتی اور سارا سال نہ غسل کرتی نہ بال نوچتی اور نہ ہی خوشبو استعمال کرتی اور جب پورا سال گذر جاتا تو کوئی جانور لایا جاتا مثلاً گدھا یا بکری یا کوئی پرندہ وغیرہ تو وہ عورت اس جانور سے اپنی کھال رگڑتی اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا کہ وہ عورت کسی جانور کو مس کرتی اور وہ جانور نہ مرا ہو، اس کے بعد وہ کوٹھری سے نکل آتی اور اسے ایک مینگنی دی جاتی وہ اسے پھینکتی اور غسل کر کے خوشبو وغیرہ لگاتی۔

×××××××

امام شافعی راویت لائے ہیں کہ قبص کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنی پوروں کے کناروں سے پکڑنا، اصفہانی اور ابن لاثیر نے کہا کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا، اس لیے کہ عدت گذارنے والی عورت جب مینگنی پھینکتی تو دوڑ کر اپنے گھر کی طرف جاتی کہ اسے اپنی اس بری ہیت سے سخت شرم محسوس ہو رہی ہوتی۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ میں نے حجاز کے لوگوں سے پوچھا کہ ”**افتضاض**“ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عورت جو عدت کے دن گذار رہی ہوتی تھی وہ نہ تو نہاتی نہ اپنے ناخن تراشتی اور نہ اپنے بالوں کو دور کرتی تھی اس لیے ایک سال کی مدت گذرنے کے بعد جب وہ باہر آتی تو اس کی ہیت نہایت بدنما ہوتی۔ اپنی اس حالت سے باہر آنے کے لیے وہ جلدی کرتی یعنی عدت کو اس طرح منقطع کرتی کہ کسی پرندے کو اپنی شرم گاہ سے ملتی اور پھینک دیتی بتایا گیا کہ وہ پرندہ اس کے فوراً بعد

مرجاتا۔

×××××××

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مینگنی پھینکنے سے کیا مراد ہے۔ان میں سے بعض کہتے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے عدت کو اس طرح پھینک دیا جس طرح کوئی مینگنی پھینک دی گئی ہو۔بعض نے کہا کہ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ مصیبت اور ابتلا کا جو وقت اس پہ گذرا ہے اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں یعنی وہ اسے ایک مینگنی پھینکنے سے بھی حقیر کام تصور کرتی ہے۔اس لیے عرب کی عورتیں مینگنی پھینکا کرتیں تا کہ خاوند کی محبت میں اس نے جو وقت گذارا ہے وہ اس مصیبت اور ابتلاء پہ بہت بھاری ہے اور یہ مصیبت یعنی عدت کی کوفت اس سے نہایت کمتر ہے حقیر ہے ایک مینگنی پھینکنے جتنی ہے۔بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب عورتیں اپنے اس فعل سے نیک فال لیا کرتیں کہ مبادا وہ کہیں پھر سے اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

لٰہذا اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ان کی تربیت فرمائی اور ان کو ایسی بہت سی رسموں سے نجات دلائی جو انسانیت کے منافی تھیں اور اسلامی شریعت کی بدولت جسے اللہ نے رحمت حکمت مصلحت اور نعمت بنایا ہے انسان کے لیے ہر اس فعل کو باطل قرار دیا جو فطرت کے منافی ہو اور سلامتی کا راستہ تو صرف وہی ہے جس سے خالق آگاہ کرے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاوند کے مرجانے کی صورت میں عدت کی میعاد چار ماہ دس دن مقرر کی اور وہ اس لیے کہ خاوند کی وفات کے بعد ایک مدت مقررہ تک اس عورت کا کسی بھی مرد سے دور رہنا ضروری ہے تا کہ نسب میں اشتباہ پیدا نہ ہو اور اس کے لیے بہترین مدت وہ ہے جس میں بچے کے وجود یا عدم وجود کا علم حاصل ہو جائے اور چار ماہ دس دن کی علت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عورت جب مرد سے ملتی ہے تو پہلے چالیس دن تو اس کے اندر صرف نطفہ ہوتا ہے اور اگلے چالیس دن وہ خون کا لوتھڑا ہوتا ہے اور اس سے اگلے چالیس دن وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے یہ ہوئے چار ماہ تو باقی بچے دس دنوں میں اس بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔چنانچہ اگر عورت نے اپنے مرد سے کچھ لے لیا ہو تو وہ چار ماہ دس دن کے اندر ہی اپنے پیٹ میں حرکت محسوس کرے گی اور اب اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔

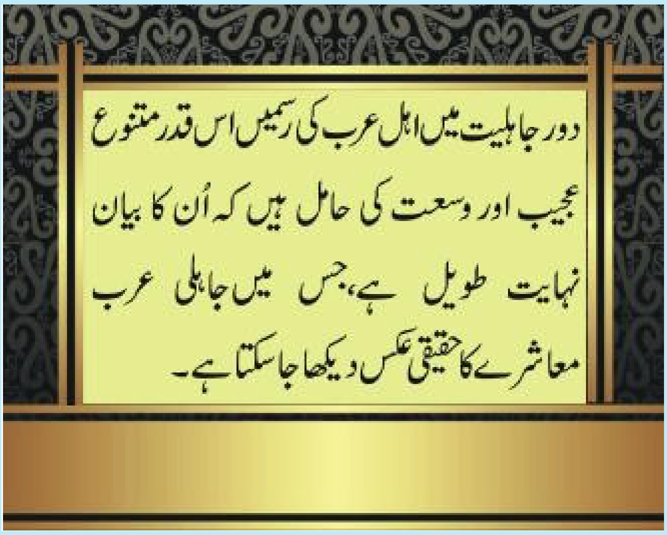

دنیا کے ہر معاشرے کی طرح اہل عرب کے ہاں بھی رسم ورواج کا سلسلہ کافی طویل تھا جن کا کچھ تذکرہ تو اوپر گذر چکا ہے اور کچھ کا بیان یہاں مقصود ہے تا کہ جاہلی عرب معاشرے کی تصویر کچھ اور واضح ہو کے سامنے آجائے۔ اسلام نے اس جاہلی معاشرے کی تبدیلی میں کس قدر نمایاں کردار ادا کیا اس کا حقیقی ادراک حاصل کیا جاسکے، کیونکہ عرب کے جاہلی معاشرے کی اقدار اور روایات کے مطالعہ کے بغیر اسلام کے اس عہد آفریں کارنامے کو پورے طور پہ نہیں سمجھا جاسکتا اس لیے ہم یہاں عرب کے رسم ورواج کا کچھ مزید مطالعہ پیش کریں گے۔ ان شاءاللہ

فرع وعتیرہ

عربوں میں ایک رسم فرع اور عتیرہ کی تھی۔مورخین نے لکھا ہے کہ دورِ جاہلیت میں عربوں کا اونٹ یا بکری جو پہلا بچہ جنے اس کو وہ فرع کہتے تھے۔اہل جاہلیت اسے اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے پھر کھاتے اور اس کی کھال کسی درخت پہ ڈال دیتے۔میدانی نے اپنی کتاب"**ضرب الامثال**" میں عربوں کے احوال پہ بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرع وہ پہلا بچہ ہے جو کسی اونٹنی سے پیدا ہو۔عرب اسے اپنے معبودوں کے لیے ذبح کیا کرتے تھے اور اس فعل سے ان کا مقصود حصول برکت ہوتا تھا۔کوئی شخص یوں کہتا کہ جب اس کے اونٹوں کی تعداد اسی ہو جائے گی تو میں اس پہلے بچے کو ذبح کروں گا جو میری اونٹنی نے جنا ہو۔ چنانچہ وہ جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کو خوب بنایا سنوارا جاتا۔اسے کپڑے پہنائے جاتے اور پھر اسے ذبح کیا جاتا۔عتیرہ اس مخصوص جانور کو کہا جاتا جسے دورِ جاہلیت میں عرب رجب کے مہینے میں اپنے بتوں کی خاطر ذبح کیا کرتے اس لیے بعض مورخین نے اس کو رجبیہ بھی لکھا ہے اور یہ قول ابو عبید کا ہے۔دیگر آئمہ لغت کہتے ہیں کہ عتیرہ ایک مانی ہوئی نذر ہوتی تھی کہ اگر میرے مال کی تعداد فلاں حد تک پہنچ جائے تو رجب میں وہ ہر دس اونٹ کے بدلے ایک اونٹ ذبح کرے گا۔صحاح میں ہے کہ جاہلیت میں کوئی شخص یوں کہتا کہ اگر میرے اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ جائے تو میں رجب کے مہینے میں ایک اونٹ ذبح کروں گا۔ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ عتیرہ کے جانور کے لیے لازم تھا کہ اسے رجب کے پہلے دس دنوں میں ذبح کرلیا جائے۔تاہم یاد رہے کہ شریعت اسلامیہ نے فرع اور عتیرہ ہر دو کو باطل قرار دیا ہے۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ

"اور یہ کہ فرع اور عتیرہ کوئی شئے نہیں"

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ فرع اور عتیرہ کی ممانعت اسی صورت میں ہوگی جب وہ جانور اللہ کے سوا کسی اور کے نام پہ ذبح کئے جائیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں اہل عرب کا عمل تھا کہ وہ اپنے جھوٹے خداؤں کی خاطر بے دریغ جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ مگر جب کسی جانور کو اللہ کے نام پہ ذبح کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

"حاکم نے روایت کی کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے فرع کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا فرع درست ہے لیکن اگر تو اسے ذبح نہ کرے یہاں تک کہ وہ ایک سال کی عمر پوری کرے اور دوسرے سال میں داخل ہو اور دو سال کی عمر پوری کرے اور تیسرے سال میں داخل ہو اور پھر تو اسے کسی کو جہاد کی خاطر سوار ہونے کے لیے دے یا کسی محتاج بیوہ کو دیدے تو یہ اس کے ذبح کرنے سے اچھا ہوگا اس کا گوشت اس کی پشم کے ساتھ چمٹ جائے گا اور تمہاری اونٹنی کو اس کا اشتیاق بھی ہوگا"۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

"کسی پکارنے والے نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جاہلیت میں ہم رجب میں جانور ذبح کیا کرتے تھے اب آپ ﷺ کیا حکم فرماتے ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا خواہ کوئی مہینہ ہو اللہ کے لیے جانور ذبح کیا کرو،،، پکارنے والے نے پھر کہا ہم جاہلیت میں فرع کو ذبح کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چرنے والے جانوروں میں فرع ہوتا ہے جسے تمہارے جانور غذا دیتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ پورا اونٹ بن جائے تو اسے ذبح کر کے اس کا گوشت اللہ کی راہ میں خیرات کر دو یہ بہتر ہے"۔

بیٹے کی قربانی

عربوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ نذر مان لیتے تھے کہ جب ان کے بیٹوں کی تعداد دس ہو جائے گی تو وہ ان میں سے ایک کو ذبح کر دے گا۔ جیسا کہ عرب کے مشہور سردار حضرت عبدالمطلب نے کیا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دادا اور قریش کے سربراہ تھے۔ چنانچہ امام ماوردی نے اپنی کتاب "**اعلام النبوۃ**" میں لکھا ہے کہ زہری یزید بن نعمان اور صالح بن کیسان نے بیان کیا کہ عبدالمطلب بن ہاشم نے یہ منت مانی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ اسے دس نرینہ بچے عطا کرے گا تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ میں اپنے رب کی شکرگزاری کے طور پہ ذبح کریں گے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا تھا اور ان کے دل میں یہ بات جاگزیں تھی کہ بیٹے کی قربانی اللہ کے قرب کا بہترین طریقہ ہے۔ جب ان کی اولاد کی یہ تعداد پوری ہوگئی اور ان کے دس بیٹے ان کی نظروں کے سامنے جوان ہوگئے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تمہیں علم ہے کہ میں نے تمہاری بابت اللہ سے ایک عہد کیا تھا تو اس بابت تم کیا کہتے ہو، ان کے بیٹوں نے جواب دیا کہ یہ معاملہ آپ ہی کے سپرد ہے اور آپ کو کلی اختیار حاصل ہے اور ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو ساتھ لیے ہوئے کعبہ میں آئے اور بیٹوں سے کہا اپنا اپنا تیر اٹھالو سب نے ایسا ہی کیا ہر ایک نے اپنے تیر پہ اپنا نام لکھا اور اسے عبدالمطلب کے پاس لے آئے حضرت عبدالمطلب نے تیر لیے اور یہ شعر کہے۔

عَاهَدْتُهُ وَاَنَا مُوفٍ عَهْدَهُ
وَاللهِ لَا يُحْمَدُ شَئٌ حَمْدَهُ

میں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور میں اس عہد کو پورا کروں گا اللہ کی قسم حمد باری تعالیٰ جیسی قابل تعریف کوئی شئے ہی نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذْ کَانَ مَوْلَایَ وَ کُنْتُ عَبْدَہٗ
نَذَرْتُ نَذْرًا لَا اُحِبُّ رَدَّہٗ

کیونکہ وہ میرا آقا ہے اور میں اس کا غلام ہوں میں نے ایک نظر مانی ہے جسے میں رد کرنا پسند نہیں کرتا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَعِیْشَ بَعْدَہٗ
اور اس کے بعد میں زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا

❁❁❁❁❁❁❁❁

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے قرعہ اندازی کرنے والے امین کو بلایا اور اپنے بیٹوں کے تیر اس کے حوالے کر کے کہا انہیں ہلاؤ اور جلدی نہ کرو۔ چنانچہ قرعہ اندازی کرنے والے نے قرعہ ڈالا اور تیر حضرت عبداللہ کے نام نکلا جو حضرت عبدالمطلب کو اپنے سب بیٹوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ حضرت عبداللہ کو لے کر قربان گاہ کی طرف چل نکلے تب ان کی زبان پہ یہ اشعار تھے۔

عَاھَدْتُّہٗ وَ اَنَا مُوْفٍ نَذْرَہٗ
وَاللّٰہِ لَا یَقْدِرُ شَئیٌ قَدْرَہٗ

میں نے اس سے عہد کیا تھا اور میں اس عہد کو پورا کروں گا خدا کی قسم کوئی چیز اس کی قدر نہیں جان سکتی۔

هٰذا بُنَیَّ قَدْ اُرِیْدَ نَحْرُہٗ
وَاِنْ یُؤَخِّرْہٗ یُقَبِّلْ عُذْرَہٗ

یہ میرا پیارا بیٹا ہے جسے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر اللہ اگر اس میں تاخیر کردے تو اس کا عذر بھی قبول کرلیا جائے گا[61*]''۔

چنانچہ جب حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو قربان کرنے کے لیے لٹایا تو حضرت عبدالمطلب کے دوسرے بیٹے حضرت ابوطالب نے جھپٹ کر اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے بھائی کا خون بہا دیا جائے۔ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب ماں جائے تھے اس لیے حضرت ابوطالب سے اپنے بھائی کی یہ حالت برداشت نہ ہوئی اور انہوں نے اپنے باپ کو اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس موقع پہ حضرت ابوطالب کے لب پہ یہ اشعار تھے۔

کَلَّا وَرَبِّ الْبَیْتِ ذِی الْاَنْصَابِ
مَا ذَا بِحُ عَبْدِاللّٰہِ بِالتَّلْعَابِ

اس بتوں والے گھر کے رب کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا اور عبداللہ کو ذبح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

یَاشَیْبَ اِنَّ الرِّیْعَ ذُوعِقَابٍ
اِنَّ لَنَا مُرَّۃَ فِی الْخُطَابِ

اے شیبا! ہوا عذاب والی ہے ہمارے ایسے چاہنے والوں میں قبیلہ مرہ ہے۔

چنانچہ عرب کے رواج کے مطابق حضرت ابوطالب نے اپنے ننھیال کو پکارا جو کہ بنی مخزوم تھے۔ بنو مخزوم ہتھیار لگائے کعبۃ اللہ میں آئے اور حضرت عبدالمطلب کو پکارا کہ ہمارا بھانجا ٹھیک کہتا ہے تم اپنے بیٹوں میں سے جسے چاہے اللہ کے نام پہ قربان کرو مگر ہم اپنے بھانجوں ابوطالب، زبیر اور عبداللہ کے ساتھ ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ تب حضرت عبدالمطلب نے ان کو کہا کہ عبداللہ تو خود ان کو بھی بہت محبوب ہے مگر میں کیا کروں کہ قرعہ اسی کے نام پہ نکلا ہے۔ بنو مخزوم نے کہا کہ ہرگز نہیں جب تک ہم میں سے ایک ذی روح انسان بھی باقی ہے یہ بات نہ ہو سکے گی ہم اس کے فدیئے میں اپنا سارا مال خواہ ہمارا اپنا کمایا ہوا ہو خواہ آبائی ہو خرچ کر دیں گے مگر عبداللہ کا خون یوں نہ بہنے دیں گے۔ چنانچہ اس موقع پہ دستور عرب کے موافق بنو مخزوم کی طرف سے مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے رجز کے یہ اشعار کہے جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

یَا عَجَبًا مِنْ فِعْلِ عَبْدِالْمُطَّلِبْ
وَذَبْحِہٖ اِبْنًا کَتِمْثَالِ الذَّھَبْ

عبدالمطلب کے فعل پر تعجب ہوتا ہے (حد ہے) وہ سونے کی مورتی جیسے بیٹے کو ذبح کرنے پر مصر ہے۔

كَلَّا وَرَبِّ الْبَيْتِ مَسْتُوْرِ الْحُجُبْ
مَا ذِبْحُ عَبْدِاللّٰهِ فِيْنَا بِا للَّعَبْ

اس چھپے ہوئے پردوں والے گھر کی قسم ایسا نہ ہوگا ہمارے ہوتے ہوئے عبداللہ کا ذبح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

چنانچہ بنومخزوم کے اس موقف کے بعد قریش کے دیگر سردار بھی عبدالمطلب پہ جھپٹ پڑے اور کہا کہ اے ابوحرث یہ کام جس کا تو نے عزم کیا ہے نہایت ہیبت ناک ہے۔ اگر تو نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تو اس کے بعد تو آرام کی زندگی نہ گذار سکے گا اور عربوں میں یہ رسم چل نکلے گی۔ اس میں کوئی حرج نہیں اگر تو ہمارے ساتھ بنی اسد کی کاہنہ کے پاس چلے اور اس بات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرے۔ وہ جو حکم دے اس پہ ہم سب عمل کریں گے اس لیے کہ عرب کہانت کو حق جانتے تھے بنومخزوم نے بھی اس بات کی حمایت کی اور کچھ لوگ کاہنہ سے ملنے کی خاطر شام کی طرف چلے اور جب وہ کاہنہ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عبدالمطلب کو اشارہ کیا کہ وہ اس سے مدعا بیان کریں چنانچہ عبدالمطلب نے رجز کے یہ شعر پڑھے اور کاہنہ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

يَا رَبِّ اِنِّىْ فَاِئلٌ لِمَا تُرِدْ
اِنْ شِئْتَ اُلْهِمْتُ الصَّوَابَ وَالرَّاشَدْ

اے میرے رب میں وہی کروں گا جو تو چاہے گا اگر تو چاہے گا تو میرے دل میں صحیح اور درست بات ڈال دی جائے گی۔

يَا سائِقَ الْخَيْرِ اِلَى كُلِّ بَلَدْ
قَدْزَدْتَّ فِى الْمَالِ وَاَكْثَرْتَ الْعَدَدْ

اے ہر شہر کی طرف بھلائی لے جانے والے تو نے مال بھی بہت دیا اور تعداد بھی کثرت کر دی۔

تب کاہنہ نے ان سے کہا کہ وہ آج چلے جائیں اور کل آئیں۔ عرب سردار اس سے رخصت ہوئے اور دوسرے دن اس کی محفل میں حاضر ہوئے تو کاہنہ نے ان سے کہا کہ یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ہاں ایک آدمی کا خون بہا کتنا ہوتا ہے۔ عرب کے سرداروں نے جواب دیا کہ دس اونٹ اس پہ کاہنہ نے ان سے کہا کہ اس لڑکے کو ساتھ لے جاؤ اور ایک طرف دس اونٹ بٹھاؤ اور دوسری طرف اس لڑکے کو بٹھاؤ اور قرعہ ڈالو اگر تو قرعہ اونٹوں پہ نکلے تو انہیں اللہ کی راہ میں ذبح کرو۔ قرعہ اس لڑکے پہ پڑے تو اونٹوں کی تعداد بڑھا کر پھر سے قرعہ ڈالو۔ چنانچہ ان سب نے کاہنہ کی اس بات کو پسند کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عرب سرداروں نے حضرت عبدالمطلب کو کہا کہ اے ابولحرث تیرے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال موجود ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ انہوں نے بھی اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنا چاہا تھا تو اللہ نے ان کی قربانی قبول فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی بجائے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا۔

لہٰذا تو بھی اپنے بیٹے عبداللہ کی بجائے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کر تو وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا۔ چنانچہ اگلی صبح وہ سب بیت اللہ کی طرف آئے اور دس اونٹوں کو حضرت عبداللہ کے مقابل بٹھایا تیر قرعہ ڈالنے والے امین کے حوالے کئے اور حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ قرعہ ڈالو اور جلدی نہ کرو۔ سارا مکہ شہر بیت اللہ میں جمع تھا اور اس نذر کے پورا ہونے کا منتظر تھا۔ قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ چنانچہ اونٹوں کی تعداد بیس کر دی گئی۔ پھر سے قرعہ ڈالا گیا قرعہ اس بار بھی حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ تب اونٹوں کی تعداد تیس کر دی گئی اور پھر سے قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ پھر حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ لوگوں کا اشتیاق ہر لمحہ بڑھ رہا تھا۔ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ اپنے ظاہری حسن کے حوالے سے بھی ممتاز تھے اور خاندانی شرف کے باعث بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھے کہ ان کی قربانی اہل عرب آسانی سے ہضم کر سکتے۔ چنانچہ اونٹوں کی تعداد ایک دفعہ پھر بڑھائی گئی اور اب حضرت عبداللہ کے مقابل پچاس اونٹ

کھڑے تھے مگر قرعہ تھا کہ حضرت عبداللہ کے نام پہ ہی اڑا بیٹھا تھا قرعہ پھر سے انھی کے نام نکلا اور اونٹوں کی تعداد ایک بار پھر بڑھانا پڑی۔ قرعہ پھر سے حضرت عبداللہ کے نام نکلا اور کئی بار نکلا حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد اب سو ہو گئی تھی۔ لوگوں کا ہجوم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قرعہ ڈالنے والے امین کی طرف دیکھ رہا تھا جو تیروں کو آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا۔ اب کی بار جو تیر نکلا تو وہ اونٹوں کے نام تھا۔ یعنی اللہ پاک نے حضرت عبداللہ کے بدلے سو اونٹ کی قربانی قبول کر لی تھی۔ ایک دم سے شور اٹھا اور لوگ خوشی سے نہال تھے اور حضرت عبدالمطلب کو مبارک دینے لگے۔ خوشی کی ایک لہر تھی جو شہر مکہ میں یک لخت پھیل گئی تھی۔

لوگ حضرت عبداللہ کے بچ جانے پہ خوش تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ اطمینان بھی تھا کہ انہوں نے اپنے خدا کو بھی ناراض نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ کو کوئی اس طرح ذبح کر بھی نہیں سکتا تھا کہ انھی کی پشت مبارک میں تو وہ نور تھا جس کی روشنی میں دنیا کے اندھیروں کو مٹ جانا تھا، جاہلیت کے بادل چھٹ جانے تھے، یاسیت کے قہر مٹ جانے تھے، بتوں کا فسوں بکھر جانا تھا، عرب کی خزائیں بہاروں میں بدل جانی تھیں اور ظلمت کے اس مہیب پردے سے جس نے خطہ عرب کا احاطہ کیا ہوا تھا اس دین مبین نے ظاہر ہونا تھا جس نے انسان تک فلاح کا ابدی اور آخری پیام پہنچانا تھا کہ نجات کی راہ صرف امین کو بتائی جاتی ہے کہ وہ اس امانت کو انسانوں کی بھلائی کے لیے انسانوں کے سامنے پیش کرے اور اس کی پیروی کرنے والوں کو کامیابی اور فلاح کی خبر دے۔

انسان کو دنیا میں جینے کے وہ طریقے بتائے جس کی بنا پہ انسان امن و شانتی پہ مبنی وہ معاشرہ تشکیل دے سکے جس میں قانون خالق کا ہو مرضی خالق کی ہو اور اطاعت انسان کرے کہ اسی میں اس کی بھلائی ہے اور اسی راستہ پہ وہ منزل ہے جس کا وہ جانے کب سے متلاشی تھا کہ اندھیروں کے اس اندھے غار میں وہ صدیوں سے انسان کے بنائے ہوئے قانون بہیمت کے تلخ شکنجے میں جکڑا ہوا سسک رہا تھا اور اس نوید صبح کا منتظر تھا جس میں اسے اپنے دکھوں کا مداوا ملے اور کوئی ایسا ملے جو منزل کی نشاندہی کرے، اسے مقصد زیست سے آگاہ کرے جسے وہ دشت در دشت کھوج رہا تھا مگر کوئی اسے بتانے والا نہ تھا کہ فلاح کا رستہ یہ ہے، بھلائی کی منزل اس طرف ہے، نجات کا طریق یہ ہے۔ وہ وحشت سے مزین انسانی سماجوں میں اپنے دکھ کا مداوا کھوج کھوج کے تھک چکا تھا۔ انسانی معاشروں میں جنگل کا قانون تھا۔ عدل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اخلاق کے معیار پست تھے اور عقائد کی وادی میں گھور اندھیرے تھے۔ حضرت عبداللہ جو رسول اللہ ﷺ

کے والد تھے دنیا کو یونہی اندھیروں میں ڈوبا چھوڑ کر تو نہیں جا سکتے تھے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت تھوڑی عمر دی تھی مگر اس سے پہلے ان کا نکاح حضرت آمنہؓ سے ہوتا ہے اور وہ اس نور کو منتقل کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

> عرب اپنے امور میں منفرد تھے، ان کے انداز یکسانی سے پاک اور بے ساختہ ہیں، اُن کے افعال کا توازن خیر کی طرف جھکا ہوا دکھائی پڑتا ہے اور اُن کے امور میں سنت ابراہیمی کا عکس پایا جاتا ہے۔

تیروں سے قرعہ اندازی

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جب بھی کسی کام کا ارادہ کرتے چاہے وہ تجارت کا معاملہ ہو یا شادی کا یا کسی کے نسب کے بارے میں اختلاف رونما ہو یا کسی کی دیت کا معاملہ ہو تو وہ تیروں سے قرعہ اندازی کرتے۔ چنانچہ اہل مکہ کے ہاں جب بھی بڑے امور کے ضمن میں اختلاف پیش آجاتا تو وہ حرم میں جاتے اور ہبل کے سامنے جا ٹھہرتے اور ہبل ان کا سب سے بڑا بت تھا جو صحن کعبہ میں نصب تھا۔ وہ سب سے پہلے امین کو بلاتے جس کے پاس قرعہ کے تیر ہوتے۔ وہ اس کو سو درہم ادا کرتے اور امین اپنا ربابہ ہلانے لگتا۔ ربابہ اس تھیلے کو کہا جاتا جو عام طور پہ کسی جانور کے چمڑے سے بنا ہوتا اور اس میں برابر کے سات تیر ہوتے جن پہ کچھ نشانات ہوتے یا ان پہ کچھ تحریر ہوتا۔ اگر کسی معاملے میں رائے لینا مقصود ہوتا تو وہ دو تیر استعمال کرتے ایک تیر پہ لکھا ہوتا کہ؛

اَمَرَنِیْ رَبِّی (مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے)

اور دوسرے تیر پہ لکھا ہوتا **نَهَانِیْ رَبِّیْ** (کہ میرے رب نے مجھے منع کیا ہے)

۔بعض معاملات میں ایک تیر پہ لکھا ہوتا کہ **مِنْکُمْ** (یہ تم میں سے ہے)
اور ایک پر لکھا ہوتا **مِنْ غَیرِ کُمْ** (تمہارے اغیار میں سے ہے)
اور تیسرے تیر پہ لکھا ہوتا **مُلْصق** (تمہارے ساتھ چمٹا ہوا ہے)
اور ایک تیر پہ لکھا ہوتا العقل (دیت)
اور ایک تیر غفل کا ہوتا جو خالی ہوتا۔

چنانچہ جب وہ اپنے کام کے مستقبل کے بارے میں جاننے کے مشتاق ہوتے تو یا کسی کام کے انجام کے متعلق انہیں تشویش ہوتی تو وہ امین کو کہتے کہ قرعہ ڈال اور امین امرونہی کے تیروں سے قرعہ اندازی کرتا۔ اگر امر والا تیر نکل آتا تو وہ آپس میں مشورہ کر کے جس کام کے کرنے کے درپے ہوتے اس کو شروع کر دیتے۔وہ اپنے اکثر معاملات کو شروع کرنے سے پہلے امین کو قرعہ ڈالنے کو کہتے۔چاہے وہ بچے کا ختنہ کرنا ہو یا مکان تعمیر کرنا ہو یا جنگ کرنی ہو یا کسی عورت سے شادی کرنی ہو اور اگر نہی کا تیر نکل آئے تو اس کام سے رک جاتے اور سال بھر انتظار کرتے۔سال گذرنے پر پھر سے قرعہ ڈالنے آتے۔جب کسی کو اپنے نسب کے بارے میں اشتباہ پیدا ہوتا تو امین ان تیروں سے قرعہ اندازی کرتا جن پہ غیرومن کم یا ملصق لکھا ہوتا۔چنانچہ اگر امین منکم والا تیر نکالتا تو لوگ اس کی عزت کرتے اور اس کے نسب میں پیدا شدہ اشتباہ ختم ہو جاتا اور اگر غیرومنکم والا تیر نکلتا تو اس سے اعراض واجتناب کرتے اور اگر ملصق والا تیر نکلتا تو جس طرح پہلے اس کا نسب مجہول خیال کیا جاتا تھا اب بھی اسی طرح رہتا۔
لوگ اس سے اعراض کرتے کہ عرب کے ہاں نسب کا معاملہ بہت اہم تھا اور جس کا نصب غیر معلوم ہو وہ ان میں ملعون تصور کیا جاتا۔لہٰذا ان تیروں میں سے جو تیر بھی نکلتا ان کے لیے اس کے حکم پر عمل کرنا واجب تھا۔انہیں اپنے اس عمل پہ کلی اعتماد تھا اور ان میں سے جب کسی پہ قتل کا شک کیا جاتا اور مقتول کے وارث دیت طلب کرتے تو لوگ امین کے پاس اکٹھے ہوتے اور دو تیر لائے جاتے جن میں سے ایک پر عقل لکھا ہوتا اور دوسرے پر غفل۔چنانچہ امین قرعہ ڈالتا اور اگر عقل والا تیر نکلتا تو ان لوگوں کو خون بہا ادا کرنا پڑتا۔اگر غفل نکلتا تو دوبارہ قرعہ ڈالا جاتا اور اگر تین بار خالی تیر نکل آتا تو خون بہا معاف کر دیا جاتا ۔ابوالفرج اصفہانی نے بیان کیا ہے کہ بعض عرب ذوالخلصہ کے پاس آ کر بھی قرعہ اندازی کیا کرتے تھے

۔یہ بھی بیان کیا ہے کہ عربوں کا مشہور شاعر امراؤالقیس جب اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے نکلا تو اس نے ذوالخلصہ کے پاس آکر قرعہ ڈالا تو وہ تیر نکلا جس کو امراؤالقیس پسند نہ کرتا تھا۔یعنی وہ تیر نکلا جس میں نہی کا حکم تھا جس سے یہ مراد لی جاتی تھی کہ اس کام سے رک جاؤ۔اس پر امراؤالقیس نے اس بت کو گالیاں دیں اس پر پتھر پھینکے اور یہ شعر کہا!

لَوْ كُنْتَ يَا ذَا الخُلَصِ انمو تُوْرَا
لَمْ تَنْهَ عَنْ قَتْلِ العُدَاةِ زُوْرَا

اے ذوالخلصہ اگر تیرے باپ کو قتل کر دیا گیا ہوتا تو تُو باطل طور پر مجھے دشمنوں کو قتل کرنے سے منع نہ کرتا۔

ابوالفجر اصفہانی نے مزید لکھا ہے کہ امراؤالقیس کے اس واقعے کے بعد لوگوں نے ذوالخلصہ کے بت کے پاس قرعہ اندازی کرنا چھوڑ دی تھی حتیٰ کہ عرب میں اسلام کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی۔قابل اعتماد مصنفین کے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ عربوں کے یہاں تین قسم کے تیر ہوتے تھے۔ان میں سے جوئے کے تیروں کا احوال اوپر گذر چکا ہے جن کی تعداد دس ہوا کرتی تھی۔دوسرے امر و نہی کے تیر اور تیسرے دیت کے معاملے کو حل کرنے والے تیر۔اہل عرب ان تیروں پہ بے پناہ اعتماد کیا کرتے تھے اور ان کے حکم پہ اپنے ارادوں کو توڑ دیا کرتے تھے۔ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ قریش عام طور پہ اپنے معاملات کا اشتباہ دور کرنے کے لیے ہبل کی طرف جاتے تاہم عربوں کے ہر کاہن اور کاہنہ کے پاس اس قسم کے تیر ہوا کرتے تھے جس سے وہ لوگوں کے معاملات طے کیا کرتے تھے۔قرعہ کے ان تیروں کو اہل عرب کے سماج میں اہم مقام حاصل تھا۔کاہنوں کے پاس سات قسم کے تیر ہوا کرتے اور ان پہ وہی الفاظ لکھے ہوتے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔استقسام کے معنی یہ ہیں کہ تیروں کے ذریعے اس بات کی معرفت حاصل کرنا کہ ہماری قسمت میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔من جملہ ان امور کے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تیروں کے ذریعے قسمت کا حال جاننے کو بھی منع کیا ہے اسے حرام قرار دیا ہے۔چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد کیا گیا

کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ المائدۃ ۵/ ۲)

ترجمہ:

’’تم پہ یہ چیزیں حرام کردی گئی ہیں مردار، سور کا گوشت، جس پہ غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور، لاٹھیوں کی ضربات سے مرا ہوا جانور، گر کر مرا ہوا جانور جنہیں کسی درندے نے کھایا ہو سوا اس کے جسے تم ذبح کرلو، اور جو بتوں کے نام پہ ذبح کیا گیا ہو، اور یہ کہ تیروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا بھی گناہ کے کام ہیں اور سب امور فسق میں شامل ہیں‘‘۔

××××××

یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا کیوں حرام ہوا حالانکہ یہ تو نیک فال لینے کے مترادف ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو نیک فال لینا پسند کیا کرتے تھے۔ اس کا جواب ابوبکر احمد بن علی بن الرازی الحنفی نے یوں دیا ہے کہ اہل عرب کے طریقے میں بتوں سے مشورہ طلبی اور استعانت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے اسی امر کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ جب عرب تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کا ارادہ کرتے تو اپنے بت خانے میں آتے پھر جو انہیں کرنا ہوتا کر گذرتے اور ان کا یہ عمل اسی لیے حرام قرار دیا گیا۔ بعض دیگر علماء کہتے ہیں تیروں سے قسمت معلوم کرنے کو حرام قرار دینے کا سبب یہ تھا کہ ان کا یہ امر علم غیب میں دخل اندازی اور گمراہی ہے کیونکہ اس میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ یہ باتیں علم غیب کو جاننے کا ایک ذریعہ ہیں اور اگر ان کے قول **أَمَرَنِيْ رَبِّيْ** (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے) میں ربی سے مراد اللہ تعالیٰ لیا جائے تو یہ اللہ پہ افترا پردازی ہے اور اگر

اس سے بت مراد لیے جائیں تو یہ شرک ہے۔امام رازی نے ''**کتاب الحکام**'' میں لکھا ہے کہ قرآن کی اس آیت میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے قرعہ اندازی کے ناجائز ہونے کی دلیل پکڑی جاتی ہے کیونکہ یہ قرعہ اندازی درحقیقت وہی بات ہے جس کا تذکرہ آیت مذکور میں کیا گیا ہے۔اس میں اس چیز کو ثابت کیا گیا ہے کہ قرعہ میں جو کچھ ملتا ہے کسی قسم کے استحقاق کے بغیر ملتا ہے۔بعینہٖ اس طرح جس طرح کوئی شخص اپنی موت کے وقت اپنے غلاموں کو آزاد کردے۔جیسا کہ فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔اس پہ یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ قرعہ جائز ہے جیسا کہ مال غنیمت کی تقسیم میں ہے اور عورتوں کو سفر میں ساتھ لے جانے کے لیے، کیونکہ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان دو باتوں میں جو قرعہ اندازی جائز قرار دی گئی ہے تو اس لیے کہ دوسرے کے دل کو خوش کیا جائے اور اس لیے کہ انسان اس الزام سے بری ہو جائے کہ اس نے کسی کی طرف داری کی ہے یا کسی ایک کو کسی دوسرے پہ ترجیح دی ہے اور اگر وہ بغیر قرعہ کے خود بخود باہم مصالحت کرلیں تو یہ بغیر قرعے کے بھی جائز ہوگا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنا جیسا کہ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے بلاشبہ حرام ہے جیسا کہ قرآن کے صریح بیان میں ہے اور اس کی حرمت کا سبب ان کی بداعتقادی ہے۔نیز یہ کہ یہ عقیدہ بدفالی لینے سے پاک نہیں ہے اس میں خالص نیک فالی نہیں پائی جاتی اور اس میں علم غیب میں مداخلت تو قطعاً نہیں تاہم یہ خیالی قیاس آرائی ضرور ہے۔تاہم علامہ ابن قیم نے اپنی ایک کتاب ''**الطرق الحکمیۃ**'' میں لکھا ہے کہ قرعہ احکام شریعہ کا ایک طریقہ ہے۔دلیل میں یہ آیت پیش کی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲/۲۳۲)

ترجمہ؛

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو وحی کے ذریعے ہم آپ کو بتارہے ہیں اور جب وہ اس بات کے لیے قرعہ اندازی کررہے تھے کہ مریم کا ضامن کون بنے آپ ان کے پاس موجود نہ تھے اور نہ

ہی اس وقت موجود تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے“۔

××××××

امام ابوقتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرعہ جائز ہے اس لیے کہ مریم علیہ السلام بنی اسرائیل کے امام اور سردار کی بیٹی تھیں۔ چنانچہ بنواسرائیل کے ہر فرد نے چاہا کہ وہی حضرت مریم کا ضامن بنے۔ لہٰذا انہوں نے تیروں سے قرعہ اندازی کی اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ حضرت مریم کا ضامن کون بنے گا۔ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جو حضرت مریم کے بہنوئی تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرعہ کا احترام کیا اور حضرت مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پاس رکھ لیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ حضرت مریم علیہ السلام کو مسجد میں رکھا گیا تو مصلٰی والے جو وحی لکھا کرتے تھے انہوں نے آپس میں قرعہ اندازی کی کہ مریم علیہ السلام کا کفیل کون بنتا ہے اور یہ قرعہ اندازی انھی قلموں سے کی گئی جن سے وہ وحی لکھا کرتے تھے۔ اور اسی بات کو مستحکم کرنے لیے بعض نے قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں حضرت یونسؑ کی بابت فرمایا کہ:

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْ نِفساھَمَ فَکَانَ مِنْ الْمُدْ حَضِیْنَO

القرآن الحکیم (سورۃ یونس ۱۰/۲۳۲)

ترجمہ:

”یقیناً یونس بھی مرسلین میں سے ہیں جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے اور قرعہ اندازی کی مگر ہار گئے“۔

××××××

یعنی قرعہ ڈالا اور مغلوب ہو گئے اور یہ کہ شرح کے چاروں اماموں نے پہلے انبیاء کی شریعت کو حجت مانا ہے بشرطیکہ وہ شریعت ان انبیاء سے صحیح طور پہ ثابت ہو۔ اس ضمن یہ بھی بیان کیا گیا کہ سنت نبوی میں قرعہ

اندازی کا ثبوت ملتا ہے جس طرح کہ کتاب اللہ میں ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ اور خلفاء میں بھی قرعہ اندازی بعض صورتوں میں جاری رہی جس کا ثبوت دستیاب ہے۔ امام بخاری نے بھی اس کا تذکرہ مثبت انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے گذر جانے کے بعد ایک جگہ بعض لوگوں میں اذان دینے کے معاملے میں جھگڑا ہوا تو حضرت سعدؓ نے ان سے کہا کہ قرعہ ڈال لو۔

متاخرین سے ابو بکر خلالؒ نے قرعہ اندازی کے بارے میں الگ سے ایک مفصل کتاب تحریر کی ہے جو ان کی جامع میں موجود تھی۔ ابو بکر خلال بہت بلند پایہ عالم دین اور مفسر قرآن تھے۔ ان کا اصل نام ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال تھا وہ قرآن وحدیث کے علاوہ لسان العرب کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا شمار کبار حنابلہ میں کیا جاتا تھا۔ ابو بکر خلال کے بارے میں علامہ ذہبی نے کہا کہ ابو بکر خلال امام احمد بن حنبل کے علم کو جمع کرنے والے اور اس کو ترتیب دینے والے ہیں۔ چنانچہ تفسیر الغریب، طبقات اصحاب ابن حنبل، السنہ، العلل، الجامع العلوم الامام احمد فی الحدیث ابو بکر خلالؒ کی تصانیف ہیں۔ موخر الذکر کتاب دوسو جلدوں میں ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی مذہب میں ایسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ الفضل بن عبد الصمد کی روایت میں احمد فرماتے ہیں کہ قرعہ کا ثبوت کتاب اللہ میں موجود ہے اور جو لوگ قرعہ کو جوا قرار دیتے ہیں وہ جاہل لوگ ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اس بات کی دلیل پیش کرنیکے حق میں لمبی چوڑی بحث کی ہے مگر یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک مستقل فصل میں انہوں نے قرعہ اندازی کا طریقہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ان سے منقول ہے کہ قرعہ اس طریقے پر ہونا چاہیے جس طریقے پر سعید المسیبؒ سے منقول ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ لوگوں کی انگوٹھیاں لے کر اپنی آستین میں رکھ لیا کرتے تھے اور جس کی انگوٹھی پہلے نکل آتی قرعہ اسی کے نام تصور کیا جاتا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اگر وہ قرعے میں کاغذ کے پرزے رکھ لیں تو فرمایا کہ اگر چاہیں تو کاغذ کے پرزے رکھ لیں جن پہ ان کا نام لکھا ہو اور چاہیں تو انگوٹھی رکھ لیں کہ ہر ایک اپنی انگوٹھی کو پہچانتا ہے۔ ابو منصور کہتے ہیں میں نے احمد سے دریافت کیا کہ قرعہ اندازی کیسے کی جائے تو فرمایا انگوٹھی سے بھی کی جاسکتی ہے اور کسی اور چیز سے بھی کرنے میں کوئی مذائقہ نہیں۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ قرعہ میں تیر کی شکل کی لکڑی لی جائے اور ایک پر عبد اور دوسری پر حر لکھا جائے اور بکیر بن محمد اپنے باپ سے کی گئی روایت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ

سے پوچھا کہ قرعہ کا طریقہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ انگوٹھی پھینکی جائے۔ اثرم سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے قرعہ کا طریقہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سعید ابن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ انگوٹھیوں سے قرعہ اندازی کیا کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں اس کی بھی انگوٹھی نکالتا ہوں اور دوسرے کی انگوٹھی بھی پھر اور لوگ بھی اپنی انگوٹھیاں اتارتے ہیں اور یہ سب انگوٹھیاں ایک شخص کو دے دی جاتیں تھیں جو ان میں سے ایک انگوٹھی نکال دیتا اور جس کی انگوٹھی سب سے پہلے نکلتی قرعہ اس کے نام تصور کیا جاتا تو میں نے عبداللہ سے کہا کہ مالک تو فرماتے ہیں کہ پرزے لکھیں جائیں اور ان کو مٹی میں چھپا دیا جائے فرمایا کہ یہ بھی تو ایک طریقہ ہے اور کسی نے ابوعبداللہ سے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں قرعہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی تین انگلیوں کو بند کرے اور پھر کھولے تو ابوعبداللہ نے اس طریقے کو پسند نہ کیا۔

پیشانی کے بال کاٹ لینا بھی اُن کے اِن امور سے تھا جن کو عجیب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اپنے خاندان اور قبیلے کے نام کی مفاخرت میں کوئی قوم اس حد تک بھی جاسکتی ہے اس سے حیرت ہوتی ہے۔

پیشانی کے بال کاٹنا

عربوں کے ہاں ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی صاحب عزت اور خاندانی آدمی کو قید کرتے تو اس پہ احسان رکھتے اور اس کے ساتھ مہربانی کا رویہ اختیار کرتے اور اس کو قتل نہ کرتے البتہ اپنے تفاخر اور فریق مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیتے اور اس بات پہ فخر کرتے۔ چنانچہ عربوں کا مشہور شاعر بشر بن ابی خازم اسدی کہتا ہے کہ:

وَ اِذْ جُزَّتْ نَوَاصِیْ آلِ بَدْرٍ

فَاَدُّوْھَا وَاَسْرٰی فِی الْوِثَاقِ

اس وقت کو یاد کرو جب آلِ بدر کی پیشانی کے بال کاٹ لیے گئے تھے لہٰذا تم اب وہ بال ہمیں دے دو اور ان قیدیوں کو بھی رہا کر دو جن کو تم نے باندھ رکھا ہے۔

وَاِلَّا فَاعْلَمُوْا اَنَّا وَاَنْتُمْ
بُغَاةٌ مَا بَقِيْنَا فِيْ شِقَاقٍ

ورنہ یاد رکھو کہ ہم اور تم دونوں ایک دوسرے پہ ظلم کرنے والے ہوں گے اور جب تک زندہ رہیں گے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے رہیں گے [62*]"۔

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ فزارہ میں آلِ بدر کے کچھ لوگ قبیلہ طے کی شاخ بنی لام کی پناہ میں تھے تو بنو لام نے فزاریوں کے چند اہم لوگوں کی پیشانی کے بال کاٹ لیے اور کہا کہ ہم نے تم پہ مہربانی کی ہے اور تمہیں قتل نہیں کیا۔ تاہم بنی فزارہ بنو اسد کے حلیف تھے اس لیے انہوں نے اس بات کا برا منایا اور بنو طے پہ چڑھائی کر دی۔ شاعر نے اسی معرکے کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنو اسد اور بنو طے کے درمیان ہوا تھا اور جس میں بنو اسد نے بنو فزارہ کے قیدی چھڑا لیے تھے۔ اہل عرب کے ہاں بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ قیدی کے شریف یا غیر شریف ہونے سے قطع نظر اس کی پیشانی کے بال کاٹ لیے جاتے اور ان بالوں کو سرمایہ افتخار تصور کیا جاتا۔ وہ ان بالوں کو اپنے پاس سینت سینت کر رکھتے اور جب کہیں عرب اکھٹے ہوتے تو وہ اپنی مفاخرت بیان کرنے کے لیے لوگوں کو یہ بال دکھاتے اور اپنی بہادری کے محیر العقول حالات بیان کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے شاعر مبالغہ کی ان حدوں کو چھوتے کہ ان کا بیان کسی انوکھی داستان کا حصہ محسوس ہوتا۔ عرب قبائل کی باہمی مخاصمت معمول کی بات تھی اور ان کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ اکثر جاری رہا کرتا۔ کوئی مرکزی نظم نہ ہونے کی وجہ سے ان کے آپس کے جھگڑے طول پکڑ لیتے آج اگر کسی قبیلے کا دباؤ زیادہ ہے اور اس کی طاقت زیادہ ہے تو ضروری نہیں کہ یہ سلسلہ طویل عرصہ تک چلتا رہے اس لیے کہ عرب قبائل عام طور پہ اپنے حلیف بدلتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کے درمیان طاقت کا توازن بھی مختلف اوقات میں مختلف ہوا کرتا تھا۔ قبائل کے اندرونی حلقوں میں ایک سیاسی ہلچل ہمیشہ جاری رہا کرتی جس کا عمومی مقصد یہی ہوا کرتا کہ وہ عرب کے کسی طاقتور قبیلے کو اپنا حلیف بنانے میں

کامیاب ہو جائیں اور اس سلسلہ میں ان کے شاعر اور قبیلے کے سربراہ اپنی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے طاقتور قبیلوں کے پاس جا کر ان لوگوں کے شاعر اپنے قبیلے کی وفا اور شجاعت کو مبالغہ کی حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرتے جس کی وجہ سے بعض اوقات ان کو بڑے قبیلوں کے حلیف بننے کا موقع مل جاتا۔ الغرض عربوں میں قسم قسم کے طور طریقے پائے جاتے تھے۔ چنانچہ ہرم بن سنان جو دورِ جاہلیت میں اہل عرب کا معروف سخی تھا اس کی مدح میں عرب کے سب سے بڑے شاعر زہیر نے یہ قصیدہ کہا:

حَدِبٌ عَلَى المَوْلَى الضَّرِيكِ اِذَا
نَابَتْ عَلَيْهِ نَوَائِبُ الدَّهْرِ

یہ اپنے محتاج چچازاد بھائی پر مشفق اور مہربان ہوتا ہے جب زمانے کی آفات اس پہ نازل ہو جاتی ہیں۔

عَظُمَت دَسِيْعَتُهٗ وَ فَضَّلَهٗ
جَزُّ النَّوَاصِی مِنْ بَنِی بَدْرِ

اس کے عطیے بڑے ہیں اور بنی بدر کے لوگوں کی پیشانی کے بال کاٹنے نے اسے صاحب فضیلت بنا دیا ہے۔

اَ يَّامَ ذُبْيَانٌ مُرَاغِمَةٌ
فِیْ حَرْبِهَا وَ دِمَائُوهَا تَجْرِیْ

اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب قبیلہ ذبیان جنگ میں ان کے خلاف صف آرا تھا اور ان کے

خون بہے جارہے تھے۔

وَمُرَهَّق ُالنّمِيْرَانِ يُطْعِمُ فِىْ
اللاء واء غَيْرُ مُلَعَّنِ الْقِدْرِ

یہ لوگوں کو قحط سالی کے زمانے میں کھلاتا ہے اس نے بہت سی آگیں جلا رکھی ہوتی ہیں جہاں کثرت سے لوگ آتے ہیں (اور چونکہ یہ اکیلا کھانا نہیں کھاتا بلکہ یتیم مسکین اور مہمان کا انتظار کرتا ہے اور ان کے ساتھ مل کے کھاتا ہے)اس لیے کوئی اس کی ہنڈیا کی مذمت نہیں کرتا[*63]"۔

یہ نہیں کہ عرب میں صرف مرد ہی مفاخرت اور شاعری میں ممتاز تھے بلکہ ان کی عورتیں بھی بہت سے حوالوں سے مردوں کے ہم پلہ تھیں۔ عام طور پہ مورخین نے عرب کی بھدی تصویر پیش کی ہے جس میں عورت کو صرف تعیش کی چیز بتایا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب کے ہاں آزاد عورت کی ایک اہمیت بہرحال موجود تھی اور اس کو تسلیم بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ عربوں کی مشہور شاعرہ خنساء نے اپنی قوم کی مفاخرت میں کیا خوب شعر کہے ہیں!

جَزَزْنَا نَوَاصِىْ فُرْسَانِهَا
وَكَانُوْا يَظُنُّوْنَ اِنْ لَنْ تُجَزَّا

ہم نے ان کے سواروں کی پیشانی کے بال کاٹ لیے حالانکہ انہیں گمان تھا کہ یہ بال کبھی کاٹے نہ جاسکیں گے۔

وَمَنْ ظَنَّ مِمَّنْ يُّلَاقِیْ الحُرُوْبَ
بِاَنْ لَا يُصَابُ فَقَدْ ظَنَّ عَجْزًا

جو شخص جنگوں میں بھی شریک ہو اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کرے کہ اسے کوئی زخم نہیں لگے گا تو اس نے غلط خیال کیا۔

نُضِيْفُ وَنَعْرِفُ حَقَّ القِرٰی
وَنَتَّخِذُ الحَمْدَ ذُخْراً وَكَنْزًا

ہم ضیافت کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ضیافت کا حق کیا ہے ہم تعریف کو اپنا ذخیرہ اور اپنا خزانہ بناتے ہیں۔

وَنَلْبَسُ فِی الحَرْبِ سَرْدَ الْحَدِيْدِ
وَفِی السِلْمِ خَزًّا وَعَصْبًا وَ قَزًّا

اور ہم جنگ کے موقعے پر لوہے کی بنی ہوئی زرہ پہنتے ہیں اور امن کے زمانے میں خز کی پشم کا بنا ہوا کپڑا یمنی چادر اور ابریشم پہنتے ہیں[*64]“۔

> وہ اپنے اُن شاعروں سے از حد پریشان تھے جو مخالف قبیلے کی ہجو کہہ کے اُن کی عزت خاک میں ملا دیتے تھے چنانچہ اس طرح کا کوئی شاعر اگر اُن کے قابو آجائے تو اُس کی زبان باندھ کر وہ اپنی عزت کی حفاظت کرتے۔

طریقہ زبان بندی

عربوں میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی شخص کو گرفتار کرتے اور اسے قیدی بناتے تو اگر وہ شاعر ہوتا تو اس ڈر سے کہ وہ ان کی ہجو کہے گا اس کی زبان کو ایک تسمے سے باندھ دیتے۔اس لیے مشہور مورخ جاحظ کہتا ہے کہ عرب ہجو سے اتنا ڈرتے تھے کہ مبادا ان کا ذکر آنے والی نسلوں میں باقی رہ جائے اور ان کا ذکر ان کے مرنے کے بعد اس انداز سے کیا جائے جسے کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا۔اس لیے اگر کسی معرکے میں وہ کسی شاعر کو گرفتار کرتے تو اس کی خوب نگرانی کرتے اپنا ایک آدمی ہر وقت اس کے ساتھ رکھتے اور اسے بولنے نہ دیتے۔اس سے پختہ عہد لیتے کہ وہ ان کی ہجو نہ کہے گا تاہم وہ شاعروں کے وعدوں کو خوب جانتے تھے اور ان پہ کم ہی اعتبار کرتے۔اس لیے کبھی کبھار وہ کسی شاعر کی زبان کو تسمے سے باندھ کے ایک طرف ڈال دیتے جیسا کہ کلاب کی جنگ میں بنو تیم نے عبد یغوث بن وقاص الحارثی کی زبان کو باندھ کر کیا تھا جس کا ذکر عبد یغوث نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔عبد یغوث شاعر بھی تھا اور شاہسوار بھی اور اس کے ساتھ وہ اپنے قبیلے مذحج کا سردار بھی تھا۔امام لیثی نے البیان میں لکھا ہے کہ دنیا

میں طرفہ اور عبد یغوث سے بڑھ کر کوئی حیرت انگیز شخص نہیں گذرا کیونکہ موت جب انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوتی اور اس عالم میں جو اشعار وہ کہتے وہ عمدگی اور زبان و بیان کے اعتبار سے زمانہ امن کے ہم پلہ ہوا کرتے اور ان میں کوئی بھی کمی تلاش کرنا ممکن نہ ہوتی اور وہ ان شعروں کے ہم پلہ ہوتے جو انہوں نے اپنی مسندوں پہ بیٹھ کے کہے ہوتے۔ عربوں کا مشہور شاعر ابو عارم جعفر اسی عبد یغوث کا پوتا تھا جو نہ صرف یہ کہ ایک بہادر سردار تھا بلکہ اپنے دادا کی طرح ایک با کمال شاعر بھی تھا جسے خلیفہ منصور کے عہد میں قتل کیا گیا۔ تاہم اس کے دادا عبد یغوث کو یوم کلاب الثانی جسے یوم الصفقہ بھی کہا جاتا ہے کو قتل کیا گیا۔ کلاب بصرہ اور کوفے کے درمیان اس چشمے کا نام تھا جہاں سے بنو تیم نے یغوث کو گرفتار کیا تھا اور اس کی زبان بندی کی تھی جس کا ذکر یغوث نے اپنے ایک قصیدے میں کیا ہے جس کے چند شعر یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

اَقُوْلُ وَقَدْ شَدُّوْا لِسَانِیْ بِنِسْعَةٍ
اَمَعْشَرَ تَیْمٍ اَطْلِقُوْا عَنْ لِسَانِیَا

اور جب انہوں نے میری زبان کو تسمے سے باندھ دیا تو میں نے کہا اے قوم تیم میری زبان کھول دو۔

اَمَعْشَرَ تَیْمٍ قَدْ مَلَکْتُمْ فَاَسْجِحُوْا
فَاِنَّ اَخَاکُمْ لَمْ یَکُنْ مِنْ بَوَائِیَا

اے قوم تیم ! تم نے مجھ پہ قابو پا لیا ہے لہٰذا تمہیں میرے حق میں نرمی برتنا چاہیے کیونکہ تمہاری قوم کا آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے وہ میرا ہم پلہ تو نہ تھا۔

فَاِنْ تَقْتُلُوْنِی تَقْتُلُوا بِیَ سِیِّداً
وَاِنْ تُطْلِقُوْنِی تَحْرُبُوْنِیْ بِمَا لِیَا
لٰہذا اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک سردار کو قتل کرو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو مجھے اور میرے مال کو لوٹ لو گے۔

زبان بندی کے ضمن میں اور اسی طرزِ عمل کے بارے میں ایک گروہ نے کہا ہے کہ بنو تیم نے درحقیقت یغوث کی زبان کو ایک تسمے سے باندھ دیا تھا۔ الجاحظ نے البیان والتبیان میں اور علامہ اصفہانی نے اغانی میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور ابن النباری نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ بنو تیم نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ان کی ہجو نہ کہہ ڈالے اس کی زبان کو تسمے سے باندھ دیا تھا اور زبان کو باندھنے کی تشریح میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مثال کے طور پہ کہا گیا ہے اور حقیقت میں کسی کی بھی زبان نہ باندھی گئی تھی۔ چنانچہ شعرا کے ابیات اور شارحین اور پھر قالی نے امالی میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ ابن الانباری نے بھی شرح المفضلیات میں یہی قول بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ زبان کو تسمے سے باندھا ہی نہیں جا سکتا لٰہذا شاعر کی مراد صرف اس قدر ہے کہ مجھ سے اچھا سلوک کرو تا کہ میری زبان پہ تمہاری شکر گذاری کا بیان جاری ہو اور جب تک تم نے میری زبان باندھ رکھی ہے میں تمہاری مدح پہ قادر نہیں ہوں۔ تاہم بہت سے مورخین کا خیال ہے کہ اصل حقیقت وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عرب اپنی ہجو کے ڈر سے شاعروں کی زبان باندھ دیا کرتے تھے۔

سینے کو خون سے رنگنا

عہدِ جاہلیت میں عرب بالعموم شکار کے گوشت پہ زندگی گذارتے تھے اور جن باتوں کو دوسرے لوگ مشکل خیال کرتے اُن کو اِن کے گھوڑے اپنی عمدگی اور اصالت کی وجہ سے آسان بنا دیا کرتے تھے اور عرب اپنے وہ مقاصد حاصل کرلیا کرتے تھے جن کا دوسرے لوگ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ عرب اپنی شجاعت اور جفاکشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ اپنے احوال کو بہتر بنانے کے لیے صرف اسی راہ کو اختیار کرتے جس میں مردانگی اور جفاکشی کا عنصر موجود ہو۔ وہ بلند اخلاق اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جھوٹ اور بدعہدی سے صرف ان کی ذات ہی متاثر نہ ہوگی بلکہ ان کا پورا قبیلہ ذلیل تصور کیا جائے گا جس کو وہ کسی صورت برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب بادیہ نشین دنیا کی عجیب قوم تھے جس کی مثل پیش کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ ان کے گھوڑے ہی ان کی کل متاع تھے جسے وہ اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا کرتے تھے اور ان کا جو گھوڑا سب سے تیز ہوتا اور غارت میں سب سے پہل کرتا تو وہ اس کے لیے فخریہ طور پہ جھنڈیاں بلند کرتے اور اس

گھوڑے پر تفاخر کے خاص نشان لگا دیئے جاتے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں یہ عادت اور رسم چلی آئی تھی کہ جب وہ اپنے گھوڑوں کو شکار کی طرف بڑھاتے اور اس پہ جھپٹنے کے لیے گھوڑے کو اکساتے تو جو گھوڑا سب سے پہلے شکار کے پاس پہنچ جاتا وہ اس کے سینے کو اسی شکار کے خون سے رنگ دیتے جو اس بات کی علامت ہوتا کہ یہ گھوڑا غارت کے وقت سب سے تیز ہے۔

نیز یہ کہ یہ سب سے پہلے اپنے مقصود تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے تاہم اسلام کے آنے سے عربوں کے ہاں اس طرح کی بہت رسومات رخصت ہوگئیں اور آج کل کے بادیہ نشین تو شاید اس قسم کی رسموں کے نام تک سے آشنا نہ ہوں گے۔البتہ حجاز کے بدویوں کے ہاں اس سے ملتی جلتی ایک رسم آج تک پائی جاتی ہے جو اس طرح ہے کہ جب ان کے یہاں کوئی قابل قدر انسان بطور مہمان آتا تو وہ اس کے لیے کوئی جانور یعنی بکری یا اونٹ ذبح کرتے اور جب وہ مہمان ان کے ہاں سے رخصت ہونے لگتا تو وہ اس جانور کے خون سے اس کے اونٹ کے کوہان پر مثلث نما نشان بنا دیتے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ عرب قبائل میں مہتم بالشان انسان ہے اور ان بزرگ اور ذی عزت لوگوں میں شامل ہے جو عزت کے مستحق ہیں۔

تعقیہ

قتل عرب معاشرے میں معمول کی بات تھی۔ اگرچہ اس قتل کی بھاری قیمت پھر پوری قوم کو ادا کرنا پڑتی اور قاتل و مقتول قبائل کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا آغاز ہوتا جو سو سال تک بھی جاری رہ سکتی تھی۔ اس طرح کی مثالیں عرب کی تاریخ میں موجود ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اہل عرب میں دانش اور اہل دانش کی بھی کوئی کمی نہ تھی جو اس کوشش میں مصروف رہتے کہ ان کے قبائل اس طرح کی لامتناہی جنگوں میں نہ الجھیں۔ چنانچہ اسی کی ایک شکل تعقیہ تھی جس میں قاتل قبیلہ معذرت کرنے مقتول قبیلے ہاں جاتا۔ ابوالعباس ثعلب کہتا ہے کہ تعقیہ معذرت کے اس تیر کو کہتے ہیں جو پہلے پہل قاتل قبیلے کی طرف سے مقتول قبیلے کی طرف داغا جاتا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ مقتول قبیلہ کچھ وقت تک اس قتل کا بدلہ لینے سے رک جائے اور اس کا مطلب یہ بھی ہوتا کہ قاتل قبیلہ نہ صرف یہ کہ معذرت اور ملاقات کے لیے تیار ہے بلکہ دیت کی ادائیگی کے لیے بھی تیار ہے۔ ابن الاعرابی اسی ضمن میں لکھتا ہے کہ تعقیہ کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ہی قبیلے کے کسی شخص کو قتل کردے تو قاتل سے اس خون کا مطالبہ کیا جائے گا تو ان کے

سرداروں کی ایک جماعت مقتول کے رشتہ داروں کے پاس کامل خون بہا لے کر حاضر ہوتی ہے اور ان سے معافی کی درخواست کرتی ہے اور خون بہا پیش کرتی۔

چنانچہ اگر مقتول کے رشتے دار طاقتور ہوتے تو معاف کرنے اور خون بہا لینے سے انکار کر دیتے اور اگر کمزور ہوتے تو کہتے کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارے درمیان امر و نہی کی ایک علامت رکھی ہے تو اگر وہ تمہارا ساتھ دے تو ہم دیت قبول کرنے کو تیار ہیں اور امر و نہی کی نشانی کا معاملہ یہ تھا کہ وہ کمان میں تیر کو رکھتے اور اسے آسمان کی طرف چلا دیتے جب تیر واپس آتا تو اس کو اٹھا کر دیکھتے اگر تو وہ خون سے بھیگا ہوا ہوتا تو وہ کہتے کہ ہم خون بہا نہیں لے سکتے بلکہ اپنے آدمی کے خون کے بدلے میں تمہارے آدمی کا خون بہائیں گے۔ تاہم اگر تیر خالی واپس آتا تو وہ خون بہا قبول کر لیتے اور اپنی داڑھی پہ ہاتھ پھیر کر کہتے کہ ہمیں خون بہا لینے کا حکم دیا گیا ہے اور داڑھی پہ ہاتھ پھیرنا دراصل صلح کی طرف میلان کی علامت تصور کی جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان کی طرف چھوڑا گیا تیر ہمیشہ خالی ہی واپس آیا کرتا وہ تو بس اپنی عزت نفس کی حفاظت کے خیال سے ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عربوں کا مشہور شاعر ہذلی ایسے لوگوں کی ہجو کرتا ہے کہ عربوں میں انتقام نہ لینا قصر شان تھا اور خون کے بدلے مال قبول کرنا کمینگی۔

اعقّوا بسہم ثمّ قالوا سالموا
یا لیتنی فی القوم اذ مسحوا اللحی

انہوں نے آسمان کی طرف تیر پھینکا اور پھر کہا: صلح کر لو اے کاش جب انہوں نے داڑھیوں پہ ہاتھ پھیرے تھے تو میں ان میں موجود ہوتا۔

الا یُنسئی اللّٰہ منّا معشراً شھدوا
یوم الاُملیح لا عاشوا ولا مرحوا

خدا ہم میں سے ان لوگوں کو دنیا میں رہنے کی اور مہلت نہ دے جو ملیح کی جنگ میں موجود تھے اور وہ زندہ رہے نہ کسی کو زخمی کیا۔

عَقُّوْا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَشْعُرْ بِهٖ اَحَدٌ
ثُمَّ اسْتَفَاءُوْا وَقَالُوا حَبَّذَا الوَضَحُ

انہوں نے آسمان کی طرف تیر پھینکا اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا پھر لوٹ کر انہوں نے کہا اونٹ اور بھیڑ بکریاں جو ہم خون بہا کے طور پہ لیں گے کیا ہی اچھی چیز ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَاِنَّ الَّذِىْ اَصْبَحْتُمْ تَحْلُبُوْنَهٗ
دَمٌ غَيْرَ اَنَّ اللَّوْنَ لَيْسَ بِاَشْقَرَا

جو دودھ تم دوہ رہے ہو یہ درحقیقت دودھ نہیں بلکہ خون ہے البتہ اس کا رنگ خون کی طرح سرخ نہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَلَا اَبْلِغْ بَنِىْ حَجرِ بْنِ وهْبٍ
بِاَنَّ التَّمْرَ حُلْوٌ فِى الشِّتَاءِ

بنی حجر بن وھب کو میرا پیغام پہنچا دو کہ کھجور تو موسم سرما میں ہی میٹھی ہوتی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اُرِيْدُ دِمَاءَ بَنِى مَالِكٍ
وَرَاىُ الْمُعَلّٰى بَيَاضُ اللَّبَنْ

میں بنی مالک کا خون چاہتا ہوں اور معلیٰ کی رائے یہ ہے کہ ہم اپنوں کے خون کے بدلے اونٹ لے لیں[65*]“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہی وجہ تھی کہ عربوں میں جب تک کسی قبیلے میں انتقام لینے کی قدرت موجود ہوتی تب تک وہ خون بہا لینے سے گریز کرتے اس لیے کہ اہل عرب کے ہاں انتقام سے پہلو تہی کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔وہ خون کے بدلے خون بہانے کے عادی تھے اور خون کے بدلے مال لینے کو کمینگی تصور کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ طاقتور قبائل خون بہا کو رد کر دیا کرتے تھے اور موقع ملتے ہی اپنا ادھار چکا لیتے تھے۔یعنی فریق مخالف کے کسی آدمی کو قتل کر کے حساب برابر کر لیتے تھے جس سے قتل کا ایک طویل سلسلہ جنم لیتا کہ قتل سے صرف قتل ہی جنم لیتا ہے۔تاہم اسلام نے ان سب طریقوں کو باطل قرار دے دیا اور ان کے سامنے اس مسئلے کا ایک احسن حل پیش کیا اور مقتول کے ولی کو یہ اختیار تفویض کیا کہ وہ اگر خون بہا لے کر راضی ہو جائے تو اس میں کوئی مذائقہ نہیں ورنہ خون کے بدلے خون تو ہے ہی۔

بادشاہوں کی دیت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ عربوں میں قتل کا خون بہا سو اونٹ تھا۔ جسے بعد میں اسلام نے بھی برقرار رکھا تاہم ان لوگوں کے سردار اور بادشاہ بہت سے معاملوں میں ممتاز تھے اس لیے ان کے ہاں بادشاہوں اور سرداروں کی دیت ہزار اونٹ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں میں بادشاہی کا کوئی خاص نظام موجود نہ تھا بلکہ بادشاہ سے مراد ان کا ہر وہ شخص تھا جو ان میں اہم اور ممتاز ہو اور وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی شجاع ہوسکتا ہے، سخی ہوسکتا ہے، شاعر ہوسکتا ہے، سردار ہوسکتا ہے۔ الغرض کوئی بھی ایسا شخص جس کو وہ لوگ محبوب رکھتے ہوں کے قتل کی صورت میں وہ اس کی دیت بادشاہوں کی صورت طلب کر سکتے تھے اور انہوں نے ایسا کیا بھی ہے۔ ابن عبد ربہ نے اپنی کتاب "**العقد الفرید**" میں لکھا ہے کہ سیار بن عمرو بن جابر الفزاری نے اسود بن منذر کو ایک ہزار اونٹ دینے کا ذمہ لیا تھا جس کے بیٹے کو الحرث بن ظالم نے قتل کر دیا تھا۔ اسود بن منذر نے اس کی دیت ایک ہزار اونٹ طلب کی۔ ہر چند کہ وہ نہ بادشاہ تھا نہ بادشاہ کا بیٹا تاہم چونکہ وہ طاقتور تھے اس لیے انہوں نے اپنے مطالبے کو منوایا جس کے بعد عرب بھر میں یہ عادت بد پھیلتی

چلی گئی کہ طاقتور کم دیت لینے پہ رضامند نہ ہوتا جس کی بنا پہ کئی خانہ جنگیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ سیار بن عمرو کے پاس فوری طور پہ ہزار اونٹ نہ تھے اس لیے اس نے اپنی کمان گرو رکھی کہ جب وہ انٹوں کی تعداد پوری کرلے گا تو اس کو واپس لے جائے گا۔ ایک اور مورخ ابوعبیدہ نے اپنی کتاب ''**مقاتل الفرسان**'' میں لکھتا ہے کہ سیار کے اخیافی بھائی الحرث بن سفیان الصاردی نے دراصل اسود کو خون بہا ادا کرنے کی ذمہ داری لی تھی مگر اس نے ابھی آٹھ سو اونٹ ہی دیت میں ادا کئے تھے کہ اس کا انتقال ہوگیا تب باقی دوسو اونٹوں کے لیے سیار نے اپنی کمان بنوحیرہ کے پاس گروی رکھی تھی۔ جب قراد بن احنش نے ان کا قصیدہ لکھا تو اس نے سارے خون بہا کو سیار کی طرف منتقل کر دیا۔ قراد بن اخنش کا یہ قصیدہ بہت طویل ہے ہم صرف چند شعر پیش کریں گے۔

وَنَحْنُ رَهَنَّا الْقَوْسَ ثُمَّتَ فُوْدِيَتْ
بِاَلْفٍ عَلَى ظَهْرِ الْفَزَارِيِّ اَقْرَعَا

اور وہ ہمیں تھے جنھوں نے کمان رہن رکھنے کے بعد پورے ایک ہزار اونٹ فزاری کے مال میں بطور فدیہ دیئے تھے۔

بِعَشْرِ مِئِينٍ لِلْمُلُوكِ سَعَى بِهَا
لِيُوفِيَ سَيَّارُ بْنُ عَمْرٍو فَاَسْرَعَا

یعنی دس سو اونٹ جو بادشاہوں کی دیت ہوا کرتی ہے اس کے ایفاء کے لیے سیار بن عمرو نے کوشش کی اور ایفاء کرنے کی جلدی کی۔

فِدًی لِسُیُوْفٍ مِنْ تَمِیْمٍ وَ فٰی بِھَا
رِدَائی وَ جَلَّتْ عَنْ وُجُوْہِ الاَ ھَاتِمُ

میں بنی تمیم کے تیغ زنوں پہ قربان جاؤں جن کے ساتھ میری چادر نے وفا کی اور جنہوں نے آلِ ہاتم کے چہروں کو روشن کر دیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

شَفَیْنَ حَزَازَتِ الصُّدُوْرِ وَلَمْ تَدَعْ
عَلَیْنَا مَقَالاً فِیْ وَفَاءٍ لِلَآئِمِ

اور انہوں نے ہمارے سینوں کے غصے کو شفاء دی اور کسی ملامت کرنے والے کے لیے وفا کرنے میں ہمارے خلاف کچھ کہنے کا موقع نہیں چھوڑا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَبَا نَا بِھِمْ قَتْلَیوَمَا فِیْ دِمَا ئِھِمْ
وَفَاءً وَھُنَّ الشَّا فِیَاتُ الْحَوَائِمِ

ہم نے ان کے بدلے میں کچھ لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کے خون ان کے برابر نہ تھے اور یہی خون پیاسوں کو شفاء دینے والے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

جَزِی اللّٰہُ قَوْمِیْ اِذْ اَرَدَ خَفَارَتِی
قُتَیْبَہُ سَعْیَ الاَ فَضَلِیْنَ الاَ کَارِمِ

خدا میری قوم کو افضل اور کریم لوگوں کی کوشش کی سی جزا دے اس لیے کہ جب قتیبہ نے مجھ سے امان حاصل کرنا چاہی تھی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

هُمْ سَمِعُوْا یوم المُحَصّبِ مِنْ مِنیٰ
نِدَا ئِی اِذَا التَقَّتْ زُقَاق المَوَسِمِ

تو انہیں لوگوں نے میری آواز منیٰ کے اس مقام پہ سنی جہاں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اس وقت جب کہ حج کی اجتماع گاہ کے تنگ مقامات میں سخت بھیڑ تھی[66*]"۔

حلت الخمر

اہل عرب میں جہاں بہت سی خامیاں تھیں وہیں وہ خوبیوں کا مرقع بھی تھے اور جانتے تھے کہ ان کے برے اعمال کا نتیجہ برا ہی نکلے گا۔ چنانچہ ان کے ہاں ایک رسم یہ بھی تھی جب وہ کسی بڑے کام بیڑا اٹھاتے تو شراب خوری سے رک جاتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شراب اعلیٰ اخلاق اور شہرت کی طرف متوجہ ہونے میں حارج ہوتی ہے۔ خاص طور پہ جب ان پہ اپنے کسی قریبی ساتھی کے قتل کا بدلہ لینا واجب ہو جاتا تو وہ اپنے ہاتھوں کے جام چھوڑ دیتے اور پکار کر ساقی کو مطلع کرتے کہ فلاں شخص کے قتل تک اس نے شراب اپنے اوپر حرام کرلی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا کہ ساقی کو یاد رہے اور آئندہ وہ اسے شراب پیش کرنے سے باز رہے۔ اہل عرب کی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی بات کا عہد کر لیتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے اور ان کا عہد کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا ان کا احساس طاقتور اور ارادے چٹانوں جیسے تھے۔ چنانچہ جب وہ کسی کے قتل کا عہد کرتے تو سننے والے جان جاتے کہ اب وہ اس عہد کو ضرور پورا کریں گے اور وہ دیکھتے کہ انھی کی آنکھوں کے سامنے اس عہد کی تکمیل ہوتی۔ چنانچہ عربوں کے مشہور شاعر امراؤالقیس کو جب اس کے

باپ کے قتل کی خبر دی گئی تو اس وقت وہ شراب پی رہا تھا۔امراؤالقیس کی اپنے باپ کے ساتھ کبھی نہ بنی تھی۔اس کا باپ حجر اس کی شعر گوئی کو ناپسند کرتا تھا۔اس لیے اس نے مدتوں سے امراؤالقیس کو اپنے گھر سے نکال رکھا تھا پھر جب امراؤالقیس کا ایک دوست الاعورالعجلی اس کے پاس اس کے باپ کے قتل کی خبر لے کے آیا تو امراؤالقیس شراب کے نشے میں بہک رہا تھا یہ خبر سن کر اس نے کہا میرے باپ نے میرا بچپن تو ضائع کر ہی دیا تھا اب جب کہ میں جوان ہوا ہوں تو میرے کندھوں پہ اپنے خون کا بوجھ لاد دیا ہے لہٰذا آج تو میں شراب پیوں گا اور جی بھر کے پیوں گا اور کل سے اس بھاری پتھر کو اٹھانے کی کوشش کروں گا جو میرے باپ نے میری خواہش کے برعکس مجھ پہ لاد دیا ہے اور آج تو میں کسی صورت ہوش میں نہیں رہنا چاہتا مگر کل سے یہ مستی نہ رہے گی۔

چنانچہ اس نے سات بڑے ساغر شراب کے پیئے اور مدہوش ہو رہا۔ہوش میں آنے کے بعد خود کو ملامت کی اور جام توڑ کے پرے پھینک دیا۔اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ نہیں لے لیتا نہ جام اٹھائے گا نہ اپنے سر کو دھوئے گا اور اس کا حلت الی الخمر کہنے کا یہی مقصد تھا عرب اس مفہوم کو عرصے سے ادا کرتے چلے آئے ہیں۔تاہم اسماعیل بن عبداللہ موصلی نے اپنی کتاب "**الاوائل**" میں لکھا ہے کہ امراؤالقیس ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حلت الی الخمر کی اصطلاح کو اپنے اشعار میں استعمال کیا۔اگرچہ لوگ اس سے قبل بھی خود پہ شراب حرام کرتے چلے آئے ہیں۔

اگلے دن عرب رواج کے مطابق امراؤالقیس نے اپنے ماتھے پہ سرخ رنگ کا کپڑا باندھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ارادوں کی خبر اس کے باپ کے قاتلوں کو ہو جائے۔عرب پشت پہ وار کرنے کو ہیچ تصور کرتے تھے اور مقابل کو حملے سے پیشتر ہی آگاہ کرتے اور اسی کو وہ مردانگی تصور کرتے تھے۔چند دنوں میں امراؤالقیس نے ان تمام لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا جو اس کی عظمت کے قائل تھے اور اس کی خاطر جان تک قربان کرنے کو تیار تھے۔اس کے علاوہ اس نے حمیر اور دیگر قبائل سے مدد بھی طلب کی اور بہت سے غنڈوں،مفت خوروں اور ڈاکوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملایا اور بنو اسد پہ چڑھائی کر دی۔بنو اسد امراؤالقیس کی طرف سے اتنے سخت حملے کی توقع نہ کر رہے تھے وہ امراؤالقیس کو ایک ملوک سا نوجوان تصور کرتے تھے جو صرف لفظوں سے کھیلنا جانتا ہے۔مگر امراؤالقیس کے حملے نے ان کی اس خوش فہمی کو دور کر دیا۔حقیقت یہ ہے کہ امراؤالقیس ہر عرب کی طرح نہ صرف غیرت مند تھا بلکہ تلوار کا بھی دھنی تھا۔اس لیے دن

کے پہلے پہر تو بنو اسد کے جوانوں نے ناچار اس حملے کا مقابلہ کیا مگر دن کے پچھلے حصے میں امراؤالقیس کے حملہ کا بے پناہ دباؤ برداشت کرنا ان کی استطاعت سے باہر ہو گیا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اب بنو اسد آگے آگے بھاگ رہے تھے اور امراؤالقیس کے ساتھی ان کے پیچھے تھے۔ سامنے پہاڑ تھا جس پہ چڑھتے ہوئے بنو اسد کے اونٹ ہانپ رہے تھے اور ان کے گھوڑے تھک چکے تھے۔ ابھی دن پوری طرح نہ ڈوبا تھا جب امراؤالقیس نے ان کو جا لیا اور جلد ہی ان پہ قابو پا لیا۔ امراؤالقیس نے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ اپنے باپ کے قاتل حملہ بن اسد کو ہلاک کیا اور اس کے دونوں بیٹوں عمرو اور کاہل کو نہ صرف قتل کیا بلکہ ان کی لاش کا مثلہ بھی کیا اور ناک کان کاٹ لیے۔

امام کلبی نے کندہ کے شیوخ سے روایت کی ہے کہ امراؤالقیس نے ان کی آنکھوں میں گرم لوئے کی سلائیاں پھرائیں اور زرہوں کو تپا کر ان کو پہنایا اور ان پہ جو ظلم اس سے بن پڑا اس نے ڈھایا۔ ابوسعید عسکری نے بھی اسی قسم کی باتیں بیان کی ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ امراؤالقیس نے ان کے بہت سے لوگوں کو پہاڑ کی چوٹی پہ ہلاک کیا اور ان کا خون بہہ بہہ کر پہاڑ کے دامن تک پہنچتا تھا۔ چنانچہ اپنی اس فتح کے خمار میں چاہے کوئی عام عرب ہوتا شعر ضرور کہتا اور وہ تو عربوں کا ایسا شاعر تھا جس کی مثل تلاش کرنا ممکن نہ تھی وہ لب گزیدہ کیسے رہ سکتا تھا۔ چنانچہ امراؤالقیس نے اس موقع پہ قصیدہ کہا اور کیا خوب کہا جس کا ذکر کئے بغیر یہاں سے گزرنا امر دشوار ہے۔ لہٰذا اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قصیدے کے چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں اس لیے کہ یہ پورا قصیدہ تو سینکڑوں اشعار پہ مشتمل ہے جس کو بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔

فَاَدْرَکْنَا الثَّارَ مِنھُم وَلَمَّا

یَنْجُ مِلحِیَّیْنِ اِلَّا اَلَّا قَلَّ

اور ہم نے ان سے خون کا بدلہ لے لیا اور ان دونوں قبیلوں میں سے چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ بچا۔

قُوْ لَا لِدُ وُدَنَ عَبِيُدِ العَصَا
مَا غَرَّ كُمُ بِالَاسَدِ البَاسِلِ

اور قبیلہ دودان سے جو لاٹھی کے بندے ہیں کہ تم نے بہادر شیر جیسے میرے باپ کو قتل کرنے کی جرأت کیسے کی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَ تَسْقِنِیْ الخَمْرَ اِنْ لَم یَرَوْا
قَتْلِی فِسئا مَا بِاَبِیْ السفَاضِلْ

اور جب تک تم مجھے اپنے صاحبِ فضیلت باپ کے بدلے میں گروہ در گروہ قتل کرتے ہوئے نہیں دیکھ لیتے مجھے شراب پیش مت کرنا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حَتّٰی اُبِیُر اَلحَیَّ مِنْ مَالِكٍ
قَتْلَا وَمِنْ یَشْرُفُ مِنْ كَاهِلِ

تا آنکہ میں مالک کے قبیلے کو قتل کر کے تباہ نہ کرلوں اور ان کے قبیلے شرفاء کو ذلیل نہ کرلوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَمِنْ بَنِیْ غَنْمِ بِنْ دُوُدَانَ اِذْ
نَقْذِفُ اَعْلَا هُمُ علی السَّافِلِ

اور بنی غنم بن دودان کے قبیلے کو بھی تباہ نہ کرلوں اور جب تک ہم ان کی لاشوں کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے نہ پھینک لیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

نَعلُوْهُم بِالبِيْضِ مَسْنُوْنَةً
حَتّٰى يُرَوْا كَالْخَشَبِ الشائل

اور ہم انہیں تیز تلواروں سے مار رہے ہوں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر بلند کی ہوئی لکڑیاں نہ معلوم ہونے لگیں۔

حَلَّت الخَمْرُ وكُنْتُ امرَءًا
عَنْ شُرْبِهَا فِى شُغلٍ شاغِلِ

اس وقت شراب حلال ہو چکی ہوگی اور اس کے پینے سے میں کئی ضروری کاموں سے غافل ہو چکا ہوں گا۔

فَالْيُوْمَ اَشْرَبُ غَيْرَ مُسْتَحقِبٍ
اِثْمًا مِنَ اللهِ وَلَا وَاغِلِ

لہٰذا آج میں شراب پیوں گا اور نہ تو اللہ کا گناہ کرتے ہوئے اور نہ ہی میں شراب پینے والوں کے پاس بن بلایا جاؤنگا۔

حَلَّتِ الْخَمْرُ وَكَانَتْ حَرَاماً
وَبِلَائِى مَا اَلَمَّتْ تَحِلُّ

اب شراب حلال ہوگئی ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ مجھ پہ حرام تھی اور یہ ایک مدت کے بعد حلال ہو کے مجھ سے آن ملی ہے[67*]"۔

عربوں کا طریقہ جنگ

یادرہے کہ انسانوں کی باہم لڑائی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان قدیم ہے اور لڑائی کی مختلف قسمیں ابتدائے آفرینش سے واقع ہوتی رہی ہیں۔ان سب کی اصل یہ ہے کہ انسانوں کا کوئی گروہ انسانوں ہی کے کسی دوسرے گروہ سے بدلہ لینا چاہتا تو وہ اس کے خلاف جنگ چھیڑ دیتا۔اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے انتقام لینا چاہتا تو اس کے حواری اس کے ساتھ ہو جاتے اور ان کے مخالف یعنی مدافعت کرنے والا گروہ بھی خم ٹھونک کر ان کے مقابلے پہ اتر آتا اس طرح ان کے درمیان باہم جنگ چھڑ جاتی اور اس بات کا انسانوں میں پایا جانا ایک امر طبعی ہے کہ اس سے نہ تو کوئی قوم خالی ہے اور نہ کوئی نسل اور اس انتقام کا سبب یا تو غیرت اور رقابت ہوتی ہے یا ظلم وفساد یا پھر اللہ کے دین کی خاطر جوش یا پھر اپنی حکومت قائم کرنے کا جنون۔چنانچہ پہلی قسم کی جنگ اکثر و بیشتر آس پاس یا آمنے سامنے رہنے والے قبائل میں واقع ہوتی ہے۔دوسری قسم کی جنگ جس میں ظلم وتعدی اور غارت پائی جاتی ہے عام طور پہ وحشی قوموں کے مابین پائی جاتی ہے۔جن میں عرب ترک ،ترکمان ،کرد اور اسی قسم کے دوسرے لوگ شامل

ہیں جن کی معاش کا دارومدار لوٹ مار پہ ہوتا تھا اور ان کی نظر ان املاک پہ ہوتی جو اوروں کے قبضے میں ہوں وہ اس کو ہتھیا لینے کے جذبے سے ان پہ حملہ آور ہوتے پھر جو کوئی اپنے مال ومتاع اور جان وعزت کی حفاظت کے خیال سے ان کے مقابلے پہ آتا یہ لوگ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے۔ چنانچہ محض غارت کے علاوہ ان کے پیش نظر اور کوئی غرض نہ ہوتی اس لیے کہ انھیں نہ تو کسی مرتبے کی خواہش تھی اور نہ ہی کسی حکومت کے قائم کرنے کی چاہت۔ ان کا مطمع نظر صرف یہ ہوتا کہ اوروں کے قبضے میں جو مال ہے وہ چھین لیں۔ تیسری قسم کی جنگ جس میں لوگ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائیں اس کو جہاد کہا گیا ہے۔ چوتھی قسم کی جنگ وہ جنگ ہے جس میں حکومتیں ان افراد کے خلاف طاقت کا استعمال کرتی ہیں جو ریاست میں بغاوت کی طرف مائل ہوں۔ چنانچہ جنگوں کی ان اقسام میں پہلی دو جنگیں تو ظلم وفساد کی جنگیں ہیں اور دوسری دو جہاد وعدل کی اور جنگ کی یہی چار قسمیں ہیں اور انھی کی بنا پہ انسانوں کے مابین خون بہتا رہا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک مخلوق میں جتنی بھی جنگیں ہوئی ہیں دو قسم کی ہیں۔ اول بطریق زحف جس میں جنگجو صف بندی کے بعد مخالف پر دفعتاً ٹوٹ پڑتے ہیں۔ دوسری جنگ یہ ہے کہ جس میں چند مردانِ جنگ باری باری ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں اور پھر ان میں سے یا تو کوئی قتل ہو جاتا یا وہ مڈبھیڑ کے بعد اپنے مستقر کی طرف لوٹ آتا۔ پہلا طریقہ عجمیوں کی جنگ کا طریقہ تھا اور وہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس پہ قائم رہے اور اسی میں ان کی کئی نسلیں گزر گئیں کروفر کا طریقہ عربوں کا طریقہ جنگ تھا یا اہل مغرب میں افریقہ کے بربروں کا طریقہ جنگ تھا چنانچہ بیان کیا گیا کہ کروفر کی جنگ کے مقابلے میں صفیں باندھ کر حملہ کرنے کا طریقہ زیادہ قابل وثوق اور زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زحف کی جنگ میں صفوں کو ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کو ایسا سیدھا رکھا جاتا ہے جس طرح تیروں کو یا جس طرح نماز کی صفوں کو برابر کیا جاتا ہے وہ صفوں کو لے کر آگے بڑھ جاتے ہیں اسی لیے یہ طریقہ زیادہ مضبوط اور زیادہ دلیرانہ ہوتا ہے اور اس طریقے سے دشمن کو خوف زدہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جنگ کی یہ صورت ایک لمبی دیوار اور مستحکم قلعہ کا حکم رکھتی ہے جسے راستے سے ہٹانے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ:

اِنّ اللّٰہ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲/۲۳۲)

ترجمہ:

اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں ساتھ ساتھ ملا کر بنائی ہوئی مضبوط دیوار کی طرح صفیں بنا کر لڑتے ہیں۔"

××××××××

جس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ثابت قدم رہ کر ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور حدیث پاک میں بیان ہوا ہے کہ!

اَلْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے"۔

××××××××

چنانچہ اسلام میں مومنین کو جو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ثابت قدم رہیں اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں اس کی حکمت بھی زحف کی جنگ ہی سے سمجھ آتی ہے اور اس جنگ میں صفیں بنانے سے مراد یہ ہے کہ نظم کو قائم رکھا جا سکے اس لیے کہ جو بھی صف کو توڑے گا اور جس نے بھی صف آرائی میں خلل ڈالا تو جنگ کے بعد شکست اور ہزیمت کا گناہ اسی کے سر ہوگا۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہوگی جیسے اسی کی وجہ سے شکست ہوئی جس نے سب سے پہلے اپنی صف کو چھوڑا۔ چنانچہ یہ بہت بڑا گناہ ہوگا جس کا نقصان اس شخص کی بجائے اس کی پوری قوم کو اٹھانا پڑے گا اور اس کی خرابی عام ہوگی اور دین کی دیوار پھاڑ کر اس کا اثر دور تک جائے گا لہٰذا اسے کبائر میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ زحف کی جنگ شارع کے نزدیک

زیادہ سخت ہوتی ہے۔ رہی کروفر کی جنگ تو اس میں زخف کی جنگ کی شدت ہوتی ہے اور نہ ہی شکست کے خطرے سے بے خوفی ہوتی ہے۔ البتہ کبھی کبھی جنگجو فوج اپنے پیچھے ایک پکی صف بھی بنا لیا کرتے تھے جہاں آ کر وہ کروفر کی جنگ میں پناہ لیا کرتے تھے اور یہ ان کے لیے زخف کی جنگ کے قائم مقام تھی۔ چنانچہ وہ سلطنتیں جن کے پاس کثیر التعداد فوجیں ہوتیں اور ان کے ملک وسیع ہوتے اور وہ اپنے لشکروں کو کئی قسموں میں تقسیم کر لیتے جنھیں وہ دستے کہتے پھر ہر دستے میں کئی صفیں بناتے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی فوجیں کثیر التعداد ہوتیں اور انھیں دور دراز سے جمع کر کے لایا گیا ہوتا۔ لہٰذا جب وہ آپس میں مل جاتیں اور دشمن کے ساتھ الجھتیں تو دوست اور دشمن میں تمیز کھو دیتیں اور ایک دوسرے سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس بات کا ڈر رہتا کہ کہیں وہ ایک دوسرے ہی کو نہ دھکیلنے لگیں اسی وجہ سے تو وہ اپنی فوجوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم رکھتے اور ہر دستے میں ایسے لوگ ضرور رکھتے جو ایک دوسرے کو جانتے ہوں وہ انھیں طبعی ترتیب پر چاروں جہتوں میں مرتب کرتے اور تمام افواج کا سردار خواہ بادشاہ ہو خواہ سپہ سالار فوج کے قلب میں رہتا اور اہل عرب کے ہاں اس ترتیب کو تعبیہ کہا جاتا۔

فارس اور روم اور ابتدائی اسلام کے دو عہدوں کی تاریخ میں اس طریقہ جنگ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اس عہد کی جنگوں کا طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ کے سامنے الگ صفوں میں ایک ایسی فوج رکھتے تھے جس کا سپہ سالار جھنڈا اور شعار بالکل الگ ہوتا۔ فوج کے اس دستے کو مقدمہ جیش کہا جاتا اور بادشاہ کی دائیں جانب ایک اور فوج اسی طرز کی ہوتی جس کو میمنہ کہہ کر پکارا جاتا۔ بادشاہ کی بائیں جانب کی افواج کو میسرہ کہہ کر پکارا جاتا۔ پھر اس لشکر کے عقب میں بھی ایک فوج ہوتی جسے ساقہ کہہ کر پکارا جاتا۔ بادشاہ ان افواج کے درمیان جلوہ گر ہوتا جسے ان کی فوجی اصطلاح میں قلب کہہ کر پکارا جاتا۔ چنانچہ جب یہ ترتیب مکمل ہو جاتی تو وہ دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ یاد رہے کہ اگر دشمن کی فوج کسی دوسری فوج کے قلب کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو اسے جنگ میں فتح حاصل ہو جاتی کیونکہ قلب کا جھنڈا گر جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ یا تو ان کا بادشاہ ہلاک ہو چکا ہے یا وہ فرار ہو گیا ہے جس سے اکثر و بیشتر اس فوج میں بددلی پھیل جاتی تھی اور وہ بھاگ نکلتیں اگرچہ ان کی افواج کثرت میں کیسے ہی بڑھی ہوئی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات کے عہد پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ اسی طریقہ جنگ کو اختیار کرتے ہوئے انھوں نے ملکوں کے ملک فتح کیے۔ ان کا قلب بے پناہ مضبوط ہوا کرتا اور کوئی دشمن کبھی ان کے قلب تک نہ پہنچ سکا۔ ان کا

مقدمہ ہی دشمن کو کھدیڑنے کے لیے اکثر اوقات کافی ثابت ہوتا۔ چنانچہ ہم اموی اور عباسی عہد کو دیکھتے ہیں تو ان کی فوجیں اسی ترتیب سے لڑا کرتی تھیں پھر لوگوں کا اندازِ جنگ بدلا تو فوجوں کی ترتیب بھی بدل گئی اور ان کی ہیت بھی۔ تاہم عربوں کے عہدِ جاہلیت میں کروفر کی جنگوں کے کئی اسلوب موجود تھے جن کا تذکرہ ابھی کیا جائے گا۔

ان کے ہاں طریقہ جنگ یہ تھا کہ وہ اپنے تمام لشکروں کی پشت پر بے جان چیزوں اور بے زبان جانوروں کی صفیں بنا دیا کرتے تھے جس میں ان کے گھڑ سوار گھمسان کی جنگ میں ستانے کے لیے آتے تھے اور پیچھے کی صف کا مقصد اپنے لوگوں کو ثابت قدم رکھنا ہوتا تا کہ وہ جنگ سے قریب تر اور غلبے سے قریب تر رہیں۔ بعض اوقات وہ فوجیں جو بطریق زخف جنگ کیا کرتی تھیں وہ بھی ایسا ہی کرتی تھیں تا کہ اس سے ان کی ثابت قدمی اور قوت میں اضافہ ہو۔ چنانچہ سلطنت ایران جس کی فوجیں کثیر ہوتی تھیں اس کے باوجود کہ وہ زخف کے طریقہ جنگ پہ کاربند تھے وہ اپنے پیچھے ہاتھیوں کی صف بنایا کرتے تھے اور ان کے اوپر محلوں کی طرح چوبی برج لاد دیتے تھے، ان برجوں میں جنگی بہادر اسلحہ اور جھنڈیاں ہوتی تھیں گھمسان کی جنگ میں وہ انھیں اپنی صفوں کے پیچھے رکھتے تھے یہ ان کے لیے قلعوں کا کام دیتے اور اس سے ان کو قوت حاصل ہوتی، ان کا اعتماد بڑھ جاتا۔ ذرا غور کریں کہ قادسیہ کی جنگ میں کیا ہوا تھا۔

ایرانیوں نے تیسرے دن ہاتھیوں کے ساتھ مسلمانوں پر ہلہ بول دیا تھا یہاں تک کہ دلیرانِ عرب بھی آگے بڑھے اور ہاتھیوں کے اندر گھس گئے اور پھر انھوں نے ہاتھیوں کی سونڈوں کو کاٹ کر رکھ دیا جس سے ہاتھی بھاگ اٹھے اور ان کا منہ اپنے اصطبلوں کی طرف ہو گیا اس لیے ان کے راستے میں سب سے پہلے انھیں کی فوجیں آئیں جن کو وہ روندتے ہوئے گزر گئے۔ اس طرح تیسرے دن ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور مسلمان ان پہ غالب رہے۔ رہے رومی، اندلس کے سلاطین اور قوم گاتھ اور بیشتر ایرانی تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے قلب کے لیے عمدہ اور بڑے تخت بناتے پھر انھیں میدان جنگ میں سجاتے اور پھر بادشاہ ان تختوں پہ نمودار ہوتا اور اس تخت کے ارد گرد فوجوں کو ترتیب دیا جاتا اور ان فوجوں کی کوشش ہوتی کہ چاہے ان کے کتنے ہی سر کیوں نہ کٹیں ان کے بادشاہ تک کوئی نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ وہ اپنے قلب کے ان جھنڈوں کو نظر میں رکھتے جو بادشاہ کے تخت کے چاروں طرف بلند کیے ہوئے ہوتے اور سب سے پہلے تو بادشاہ کے تخت کو تیز اندازوں اور پیادوں کی ایک کثیر تعداد گھیرے ہوئے ہوتی جس سے دشمن پہ ہیبت

پڑتی اور اس کا تخت عظیم الشان نظر آتا اور اس کی طاقت ناقابل تسخیر دکھائی دیتی اور ان کا عظیم الشان ہیکل یعنی بادشاہ کا تخت جب تک قائم رہتا اس کی فوجیں جی داری سے لڑتیں اور دشمن کو خوب زک پہنچاتیں حتیٰ کہ فتح ان کے قدم چومتی۔ مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگِ قادسیہ میں بھی ایرانیوں نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا اور رستم اپنے لشکر کے قلب میں اس تخت پر بیٹھا تھا جو خاص اس مقصد کے لیے تیار گیا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کے قلب کو پچھاڑ دیا اور رستم تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا اور وہ دریائے فرات میں کود گیا دریا سے نکلنے کے بعد وہ اپنی ریاست کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں نکلا جہاں ایک دیہاتی نے اس کا رزبفت سے بنا لباس حاصل کرنے کی نیت سے اسے قتل کر دیا۔

رہے عرب تو ان کے بادیہ نشین قبائل اور قوموں کی اکثریت کا طریقہ جنگ کروفر پر مبنی ہوتا تھا اور یہ لوگ اپنے اونٹوں اور ان جانوروں کی جن پر ان کی عورتیں سوار ہوتی تھیں اپنے پیچھے صف بنا لیتے اور یہ جانور ان کے لیے دستہ فوج کا کام دیتے۔ عرب اس صف پناہ کو اپنی اصطلاح میں مجبوذہ کہتے تھے اور ہر قوم اپنی جنگ میں یہی کرتی، حملہ کرتے وقت اسے زیادہ قابل اعتماد سمجھتی اور عقب سے اچانک حملے اور شکست سے بے خوف رہتی۔ جیسا کہ ہم مشاہدہ کر چکے ہیں اور بعد کے زمانے کی سلطنتوں نے اس طریقہ کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور اس صف کی جگہ ان کے وہ جانور ہوتے تھے جن پہ ان کا سامان اور خیمہ لدا ہوتا مگر ان کی یہ صف ساقہ کا کام تو نہیں دے سکتی تھی جو ہاتھیوں یا اونٹوں کی صف دیا کرتی تھی اسی وجہ سے ان کی فوجوں کو اکثر شکست کھانا پڑی ہے اور یہ اس طریقہ سے ان کی فوجوں کا جنگ سے فرار ہونے کا راستہ بھی کھلا رہتا ہے۔ جنگ کا شور اور وحشت جب ان کا منہ پھیر دیتی تو وہ جنگ سے بھاگ اٹھتے اور بہت دفعہ ایسا ہوا بھی تھا۔ رہے عرب تو وہ ان سے بہت سی باتوں میں مختلف تھے اس لیے ابتدائے اسلام میں انھوں نے دشمن کے خلاف جو لڑائیاں لڑیں وہ صف آرائی کے طریقے سے لڑی تھیں۔ عرب صرف جھکائی دے کر لڑنے کے عادی تھے۔ لیکن مسلمانوں کو ابتدائی عہد میں دو باتوں نے ایسا کرنے پہ مجبور کیا۔ ایک یہ کہ ان کے دشمن بطریق زخف ان سے لڑتے تھے لہٰذا انھیں بھی مجبوراً ان سے اسی طریق پہ جنگ لڑنی پڑی۔ دوسرے یہ کہ چونکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اللہ کے احکامات ان تک پہنچائے جن میں یہ حکم بھی شامل تھا کہ جنگ کے دوران صبر اور استقلال سے کام لیں، اب چونکہ ایمان ان میں راسخ ہو چکا تھا اس لیے جب وہ جہاد کے لیے نکلتے تو پورے ذوق وشوق سے نکلتے اور جان کی بازی لگانے کے لیے نکلتے اور ظاہر ہے

زخف کا طریقہ جنگ جانبازی سے زیادہ قریب ہے۔ اول اول جس نے میدان جنگ میں صف آرائی کے طریقے کو منسوخ کیا اور اس کی جگہ ترتیب تعبیہ ایجاد کی وہ مروان بن الحکم تھا۔ اس نے پہلی جنگ اس ترتیب سے ضحاک خارجی کے ساتھ لڑی تھی۔ امام ابن جریر طبریؒ نے کہیں لکھا ہے کہ!

’’جب جبیری کی جنگ کا کہیں ذکر ہونے لگا تو خوارج نے شیبان بن عبدالعزیز الیشکری المقلب بہ ابوالفدا ء کو اپنا سردار بنایا تو مروان نے اس وقت خوارج سے لڑنے کے لیے صف بندی کی رسم کو توڑ کر قانونِ قرا دیس یا ترتیب تعبیہ اختیار کی اور اسی زمانے سے جب صف آرائی کی رسم ختم ہوئی تو زخف کا طریقہ بھی فوجوں نے فراموش کر دیا۔ جب اسلامی سلطنتیں تکلف و آرام کی خوگر ہو گئیں تو فوج کی پشت پر صف تقویت قائم کرنے کی رسم جاتی رہی کیونکہ جب تک سلطنت بدویت کی حالت میں رہتی ہے اور لوگ اون کے خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں تو اونٹ اور عورتوں اور بال بچوں کے رہنے سہنے کے ڈیرے بھی ان کے ساتھ رہتے۔ مگر جب انھیں سلطنت کا آرام و راحت حاصل ہو جاتا ہے اور لوگ محلوں اور شہروں میں رہنے لگتے ہیں اور قدیم بدویانہ راہ و رسم چھوڑ دیتے ہیں تو اس وقت وہ اونٹوں اور کجاووں کے اس زمانے کو بھی بھول جاتے ہیں جب ان کی جانبازی کی اِک عالم میں دھوم تھی مگر اب انھیں اونٹوں اور کجاووں کا رکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے لہٰذا وہ سفر کو جاتے وقت اپنی عورتوں اور بچوں کو گھر چھوڑ جاتے اور جنگ میں صرف ان جانوروں کو لے جاتے جو ان کا ضروری مال و اسباب اٹھائے ہوئے ہوتے مگر ان کو ادراک نہ تھا کہ جنگ کا یہ طریقہ اس جرأت اور حمیت کو فنا کر دیتا ہے جو بدویانہ طریقہ جنگ میں موجود تھا اور جو جذبہ جو احساس میدان جنگ ہی میں ان کے بیوی اور بچوں کی موجودگی میں ان کے اندر لہریں لیتا تھا وہ ختم ہو جاتا اور ان کی نظروں سے یہ خدشہ او جھل ہو جاتا کہ شکست کی صورت میں ان کے سامنے ہی ان کے بچوں کو نیزوں میں پرو دیا جائے گا اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جائے گی اس لیے ان کے صبر و ثبات میں کمی ہو جاتی اور میدان جنگ کا دباؤ جونہی ان کی برداشت سے باہر ہوتا تو وہ بھاگنے کو ترجیح دیتے اور ایک بھاگنے والے کو دیکھ کر دس دوسرے بھی بھاگ کھڑے ہوتے اور میدان جنگ

سے دس سواروں کو بھاگتے دیکھ کر پوری فوج بھاگ اٹھتی اور اپنے پیچھے ذلت اور ہزیمت کی داستانیں چھوڑ جاتی، بعد کی جنگوں میں بہت دفعہ ایسا منظر دیکھنے کو ملا ہے خاص طور پہ ان فوجوں کے اندر جن کا سامنا مسلمانوں کے ابلتے جذبہ جہاد سے لبریز لشکروں سے ہوا اور وہ میدان جنگ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں''۔

××××××××

چنانچہ عربوں میں کروفر کی جنگ کو فوقیت حاصل تھی اور انھیں اسی طریقہ جنگ سے تقویت حاصل ہوتی تھی۔ یاد رہے کہ مغرب میں افریقہ کے بعض بادشاہ اور بربر قبائل بھی اسی طریقہ جنگ پہ کاربند تھے اور بعض افریقی سلاطین اپنی فوج میں اہل فرنگ کے کچھ لوگ اس کام کے لیے مقرر کر دیتے تاکہ وہ فوج کی اگلی صفوں کے نظم کو قائم رکھیں۔ اہل مغرب تو سب جھکائی دے کر لڑنے کے عادی ہیں اس لیے بادشاہ سے اگلی صف میں لڑتے اور بادشاہوں کے لیے صف تقویت کا کام دیتے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس صف میں ان لوگوں کو شامل کیا جائے جو جم کر لڑنے کے عادی ہوں ورنہ وہ اہل کروفر کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور ان کے قدم اکھڑ جانے سے مخالفین ان کے قلب تک رسائی حاصل کر لیں گے جہاں ان کا بادشاہ ہوتا۔ رہے ترک تو ان کا اپنا ایک الگ طریقہ جنگ تھا اس لیے کہ ترک اقوام کی جنگوں کا انحصار ان کے تیراندازوں پر ہوا کرتا تھا اور وہ جنگ کے لیے اپنی افواج کو اس طرح ترتیب دیتے کہ آگے پیچھے تین صفیں بناتے۔ جب لڑائی شروع ہو جاتی تو اپنے گھوڑوں سے اتر کر میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتے اور اپنے ترکشوں کو خالی کر کے تیروں کو اپنے سامنے رکھ لیتے پھر بیٹھ کر دشمن پر تیراندازی کرتے اور ہر صف اپنے سے آگے کی صف کی پشت پناہ رہتی تاکہ حریف دفعتاً انھیں دبوچ نہ لے اور اسی طرح یہ آخر تک لڑتے رہتے حتیٰ کہ دو فریقوں میں سے کسی ایک کو فتح حاصل ہو جاتی، ان کے تیراندازوں کی یہ ترتیب واقعتاً عجیب وغریب اور محکم ترتیب تھی جس کی بنا پہ وہ دشمن کو خود سے دور رکھتے اور اسے اتنا نقصان پہنچاتے کہ فتح ان کے قدم چومتی۔ اہل عرب کے ہاں جنگ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنے لشکروں کے گرد خندق کھودا کرتے تھے کہ متقدمین کا دستور تھا کہ جب جنگ کے لیے لشکر ایک دوسرے کے قریب آ

پہنچتے تو وہ خندق کھودتے تا کہ دشمن ان پہ شب خون نہ مارے اوران کی بے خبری اور نیند کی حالت میں دفعتاً ان پہ نہ آپڑے۔ رات کی تاریکی وحشت اور خوف کو بڑھا دیتی ہے لہٰذا سپاہی بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، تاریکی میں بھاگ جانے کو ننگ و عار کا پردہ سمجھا جاتا تھا اور اگر کسی سبب سے ایسا ہو جائے تو فوج کے متزلزل ہو جانے اور شکست کا خدشہ رہتا ہے اس لیے ان کے ہاں دستور تھا کہ وہ جہاں کہیں خیمے گاڑتے وہیں وہ اپنے لشکروں کے گرد خندق کھود لیا کرتے تھے تا کہ اس طرح کے کسی احتمال سے بچا جا سکے۔ مگر یاد رہے کہ یہ ان زمانوں کی بات ہے جب سلطنتیں ابھی مستحکم تھیں اور انھیں ہر اس منزل پہ جہاں وہ اترا کرتے بہت سے آدمی دستیاب ہوتے اوران کی سلطنتیں باعظمت اور فوجیں پر ہیبت تھیں اور آبادی کی کثرت تھی اس لیے جب وہ اپنے لیے مستقر بناتے تو اس کے گرد خندقیں کھود لیا کرتے۔

لیکن جب عمران عالم میں کمی واقعہ ہوئی اور سلطنتیں کمزور ہو گئیں اور فوج میں بھی کمی آ گئی تو انھیں مزدور نہ مل سکے تو خندق کھودنے کی یہ رسم ایسی مٹی کہ جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ ان کی یہ عادت بھی بہت سی دوسری باتوں کی طرح وقت کی تہوں میں اتر گئی اور اللہ ہی بہترین قدرت دینے والا ہے۔ جنگ صفین کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو وصیتیں اپنے اصحاب کو کیں اگر ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ان سے فن سپاہ گری کے بہت سے پہلو واضح ہوتے ہیں اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں بہت سے معرکوں میں حصہ لیا تھا اور آپ ﷺ کی صحبت میں زندگی کا کثیر حصہ گذارا تھا اس لیے لامحالہ ان کا فن سپہ گری کی باریکیوں کا جاننا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ!

> فوج کی صفیں اس طرح قائم کرو کہ گویا وہ کوئی مضبوط دیواریں ہیں اپنے زرہ پوش دستے کو سب سے آگے رکھو اور جن کے پاس زرہ نہ ہو ان کو قدرے پیچھے رکھو اور پنے منہ کو بھینچ لو یعنی اپنے دانتوں کو نیچے والے دانتوں پہ دبا کے رکھو اس سے جب تلوار تمہارے سر پہ پڑے گی تو اچٹ جائے گی اور اپنے نیزوں کے اوپر جھکے رہو تا کہ وہ محفوظ اور ٹوٹنے سے بچے رہیں اور لڑتے وقت اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھلا رکھو اور کان کو ہر آہٹ سے آشنا رکھنے کی کوشش کرو تا کہ اگر کوئی تم پہ پیچھے سے حملہ کرے تو اس کا وار خالی جائے، اپنے دل کو مضبوط رکھو کیونکہ اس

سے بزدلی بھاگ جاتی ہے اور اپنی آواز کو پست رکھو کیونکہ اس سے گھبراہٹ نہیں ہوتی اور شایان وقار بھی یہی ہے، اپنے رایت اور علم کو سیدھا اور بلند رکھو۔ جھکاؤ نہیں اور اپنا علم اپنے شجاع سوار کے حوالے کرنا اور بزدلوں کو اس سے دور رکھنا ورنہ وہ سب کی ہزیمت کا باعث بن جائے گا، لڑتے وقت صدق و صبر سے مدد چاہو کیونکہ نصرت بمطابق صبر نازل ہوتی ہے۔ ادھر اشتر نے بھی جنگ صفین میں قبیلہ ازد کو جوش دلاتے ہوئے کہا تھا کہ میدان جنگ میں اپنے دانتوں کو خوب بھینچ کر رکھو اور اپنا سر آگے کر کے اپنے حریف کے سامنے نکلو اس پر سختی اور شدت کے ساتھ حملہ کرو کہ جیسے کوئی قوم دشمن کے خون کی پیاسی اپنے باپ اور بھائیوں کا قصاص لینے کے لیے دل و جان سے لڑتی ہے، جن کے افراد نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہو کہ اگر ان کو قصاص نہ ملا تو وہ میدان جنگ میں ہی کٹ مریں گے اور دنیا کی ننگ و عار کو ہرگز برداشت نہ کریں گے"

×××××××

عربوں میں جنگ اور ہتھیار کی زبان ہی سب سے اہم زبان تھی کہ وہ بہت غصہ ور اور بدلہ لینے والے تھے اور شاید ہی کبھی کسی قبیلے نے اپنے لوگوں کا خون کسی کو معاف کیا ہو بلکہ وہ قتل کے بدلے قتل پہ یقین رکھتے تھے اور اسی بنا پہ ان کے درمیان بہت سی جنگوں نے جنم لیا جن میں بہت سا انسانی خون بہا اور اہل عرب کی جنگوں کے طریق پہ ہم نے جتنا بیان کیا ہے وہ کافی ہے اب ہم مختصر طور پہ ان کی باہمی جنگوں کا مطالعہ کریں گے اور ہر عمل کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

> تاریخ کے ان صفحات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب کی تلواریں ہمیشہ دشمن کے خون سے تر ہی رہی ہیں، اور اُن کے نیزے دشمنوں کے سینوں کی تلاش میں ہی رہتے تھے۔

عہد جاہلیت کی جنگیں

یاد رہے کہ اہل عرب کی باہمی جنگوں کی داستان بہت طویل ہے اور ان کی تلواریں اپنے مقابل کے خون سے ہمیشہ تر ہی رہتیں۔ ان کے ہاں بدلے اور انتقام کی آگ ہمیشہ جلتی ہی رہتی اور وہ اس آگ سے اپنے سینوں کو روشن ہی رکھتے۔ وہ اگرچہ معاف کرنا بھی جانتے تھے کہ ان کا ظرف بڑا وسیع تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کو بدلہ لینے ہی میں لطف آتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے شعرا نے اس موضوع پہ اتنا کچھ لکھا ہے جس کو بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ ان کی شجاعت اور جنگی کارناموں کا شمار بھی ممکن نہیں اس لیے کہ ان کی باہمی جنگوں کے لیے کسی بہت بڑے جواز کا موجود ہونا ضروری نہ تھا۔ وہ پانی کے کسی چشمے، گھوڑا دوڑانے کی چپقلش اور کسی کی چراگاہ میں اونٹ چرانے جیسی معمولی باتوں پہ بھی مخالفین کو قتل کر دیا کرتے اور یہی قتل بعد میں ایک بڑی جنگ کی بنا بن جاتا۔ اس لیے کہ عرب قتل کو معاف نہیں کیا کرتے تھے اور خون بہا لینے کو عار سمجھا کرتے تھے۔ اہل عرب کی باہمی جنگوں پہ ابوعبیدہ اور دیگر مورخین نے سیر حاصل کلام کیا ہے چونکہ اس

موقع پر ان کی تمام باہمی جنگوں کی تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ان کی تعداد ابوالفرج اصفہانی کے مطابق ایک ہزار سات سو جنگوں سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ہم ان کی چند مشہور جنگوں کا تذکرہ مثال کے طور پہ کریں گے۔

××××××

یوم آداب؛

ان میں ایک جنگ یوم آداب کہلاتی ہے کہ اس دن ثعلبہ بن بکر نے ابوحسان الہذیل بن ہبیرۃ التغلبی کی سرکردگی میں بنی ریاح بن یربوح پہ چڑھائی کی اور یہ غارت کی عام سی کاروائی تھی جس کو اہل عرب اپنا معمول جانتے تھے۔ چنانچہ بنو ہذیل نے بنو ریاح کے ہاں غارت ڈالی اور ان کی کئی عورتوں کو اٹھا کر لے گئے۔ جب بنو ریاح کے مردوں کو اس امر کی طلاع ملی تو انھوں نے اپنے جنگجوؤں کو اکٹھا کیا اور ان کا راستہ کاٹنے کے لیے ان سے پہلے آداب کے مقام پر اس جگہ پہنچے جہاں ان کے خیال میں ان کے دشمن نے دن کے تیسرے پہر قیام کرنا تھا۔ ان کا یہ خیال درست ثابت ہوا اور دن کے آخری حصے میں ان کی مڈبھیڑ دشمن سے ہوگئی۔ بنو ہذیل نے جب پانی لینے کے لیے اپنے آدمیوں کو چشمے پہ بھیجا تو بنو ریاح نے ان کے سرکاٹ کر ان کے برتنوں میں ڈال دیئے اور ان کی سواریوں کو ان کے لشکر کی طرف بھگا دیا۔ جب بنو ہذیل نے یہ دیکھا کہ ان کے سواروں کا یہ حال ہوا ہے تو انھوں نے دشمن پہ یلغار ڈال دی۔ مگر بنو ریاح ان کے استقبال کے لیے تیار ہی تھے اس لیے جلد ہی جنگ کی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے اور زمین لوگوں کے خون سے تر ہونے لگی پھر بنو ریاح بنو ہذیل پہ غالب آئے اور انھوں نے ان سے لوٹا ہوا مال اور اپنی عورتیں چھین لیں۔

یوم نعف قشاوۃ؛

اس دن بنی شیبان کے سردار بسطام بن قیس نے بنی یربوع پہ حملہ کر کے بجیر کو قتل کر دیا تھا اور اس کے باپ ابو ملیل کو گرفتار کر لیا پھر فوراً ہی اس پہ احسان کر کے اسے چھوڑ دیا اور اس کے بیٹے کو جوان کی قید

میں تھا اسے نئے کپڑے پہنا کر اور اس کو اپنے پاس سے سواری دے کر اس کے قبیلے کی طرف روانہ کر دیا۔

یوم شعب جبلہ؛

عربوں کے مورخ ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عربوں میں تین جنگیں بہت بڑی اور خونی جنگیں تصور کی جاتیں ہیں ان میں یوم کلاب ربیعہ، یوم شعب جبلہ اور یوم ذی قار شامل ہیں۔ یہاں ہم یوم شعب جبلہ کا احوال بیان کرنے جا رہے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے صرف انیس سال قبل بپا ہوئی تھی اور اس جنگ میں عامر بن صعصعہ اور ان کے حلیف بنو عبس ایک طرف تھے تو دوسری طرف بنو اسد اور بنو غطفان تھے۔ تاہم عامر بن صعصہ کا پلڑا بھاری تھا۔ بنو اسد اور غطفان کا سردار حصن بن حذیفہ تھا جو بنو عبس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور معاویہ بن جون الکندی تھا جو ایک بڑی جماعت لے کر بنو عبس کی حمایت کے لیے آیا تھا۔ پھر بنو حنظلہ بن مالک اور رباب کا سردار لقیط بن زرارہ تھا جو اپنے بھائی معبد بن زرارہ اور دوست یثربی بن عدس کے خون کا بدلہ لینے کی خواہش دل میں لیے جنگ کی اس آگ میں اترا تھا۔ ان کے ساتھ معاویہ کا بھائی حسان بن الجون بھی تھا۔ نعمان بن المنذر کا بھائی وبرہ الکلبی بھی ان کے ساتھ تھا۔ تاہم ابو عبیدہ سے دیگر کئی مورخین نے اختلاف کرتے ہوئے بتایا تھا کہ بنو اسد اور بنو ذیبان کے ساتھ معاویہ بن شرجیل بن الاخضر بن الجون تھا اور بنی حنظلہ اور رباب کے ساتھ حسان بن عمرو بن الجون تھا جو اپنے ساتھ بنی کندہ اور دیگر لوگوں کی بڑی جمعیت لے کر میدان جنگ میں اترا تھا۔ انھوں نے اپنے دشمن کی طرف ایسے لشکروں کے ساتھ کوچ کیا تھا جو بڑے بادشاہوں کے پاس ہوا کرتے ہیں اس جنگ کی خون ریزی اس وجہ سے بہت بڑھ گئی تھی کہ اس میں عربوں کے بہت سے قبائل ہر دو طرف سے اس جنگ میں شرکت کے لیے آمادہ تھے۔ ان میں بنو تمیم بھی آئے اور لقیط بھی حاجب اور عمرو بن عمر بھی تھے مگر بنو سعد اس جنگ سے باہر رہے اور بنی عامر سے ہلال بن عامر اور عامر بن ربیعہ نے بھی اس جنگ میں شرکت نہ کی۔ نیز یہ کہ غنی، باھلہ اور سعد بن بکر کے علاوہ قشیر کے لوگ بھی اس جنگ سے الگ رہے مگر ان

کے علاوہ دیگر بہت سے قبائل اس جنگ میں شریک ہوئے جن میں بجیلہ بھی شامل تھے اور بنو عبس بن رفاعہ بن بہثہ بن سلیم نے عباس بن مرداس کے باپ مرداس بن ابی عامر کی سرکردگی میں شرکت کی۔ان کے ساتھ بنی عقل کے کچھ لوگ بھی چلے آئے تھے۔چنانچہ شعب کی جنگ میں شریک ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر جا پہنچی تھی۔بیان کیا گیا کہ کچھ اور لوگ بھی اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہونے کے لیے آئے کہ اللہ کے سوا ان کی تعداد کا کسی کو علم نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں اس قدر فوج کبھی اکٹھی نہ ہوئی تھی پھر جنگ کی آگ بھڑکی اور اس میں ذبیان اسد کندہ اور ان کے حریفوں کو شکست ہوئی۔اس جنگ میں لقیط بن زرارہ مارا گیا اور شریح بن الاحوص نے اسے نیزہ مارا تھا جو اس کے سینے کے پار نکل گیا تھا۔اس کے ساتھی اس کو میدان جنگ سے سخت زخمی حالت میں اٹھا کر لے گئے تھے مگر وہ جانبر نہ ہوسکا اگلے ہی دن مر گیا۔

پھر اس جنگ میں طفیل بن مالک نے حسان بن الجون کو گرفتار کر لیا تھا اور معاویہ بن الجون کو بھی گرفتار کیا گیا اور اسے عون بن الاحوص نے گرفتار کیا تھا۔تاہم مورخین نے بیان کیا ہے کہ عربوں نے اپنے قدیمی دستور کے مطابق اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس کو رہا کر دیا تھا جبلہ کی جنگ کا واقعہ اسلام سے ستاون سال پہلے ہوا تھا۔عامر بن طفیل کی پیدائش اسی سال ہوئی تھی۔محمد بن حبیب نے ابوعبیدہ سے روایت کی ہے مگر اوروں نے ابوعبیدہ سے اس امر میں اختلاف کیا ہے۔عرب کی جنگوں میں سے اس جنگ میں جتنا خون بہا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

یوم الکلاب الاول؛

اس دن سلمہ بن الحرث بن عمرو بن المقصو رکو فتح حاصل ہوئی اس کے ہمراہ بکر بن وائل حنظلہ بن مالک بنو اسید اور کچھ لوگ بنی عمرو بن تمیم اور رباب میں سے بھی تھے مگر اس وقت انھیں رباب نہ کہا جاتا تھا وہ اس واقعہ کے بعد رباب کہلائے تھے۔اس بات کا ذکر ابوعبیدہ نے کیا ہے اور اسی جنگ میں شرجیل قتل ہوا تھا۔اسے ابوحنش عاصم بن النعمان الحبشی نے قتل کیا تھا۔تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ اسے ذوالسنینہ حبیب بن عتبہ نے قتل کیا تھا اور ذوالسنینہ اس کا لقب تھا کیونکہ اس کا ایک

دانت زیادہ تھااور یہ اخنش کا ماں جایہ بھائی تھا کیونکہ اس کی ماں مہلہل بن ربیعہ کے بھائی عدی بن ربیعہ کی بیٹی تھی جس کا نام سلمٰی بیان کیا گیا ہے۔اس مقام پر مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے عدی مہلہل کا بھائی ہےاور یوم الکلاب اول کو یوم الشعبہ بھی کہا جاتا ہے۔

یوم الکلاب الاثانی؛

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ اسی جنگ کا تسلسل ہے جسے یوم الکلاب اول کہا گیا ہے۔اس جنگ میں بالخصوص بنوسعداور رباب نے اپنے سردار قیس بن عاصم کی سرکردگی میں مذحج قبائل پہ فتح حاصل کی تھی۔اگرچہ مذحج قبائل بارہ ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ میدان جنگ میں اترے تھے ،ان کے حلیفوں میں ہمدان اور کندہ بھی تھے،ان کے سردار کا نام یزید بن المعمور تھا مگر ان کو اس جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔عبد یعغوث بن وقاص الحارثی کو قید کرلیا گیا۔کندہ کے اس سردار کی گرفتاری کے بعد سنان بن اسمی کے دانت بھی توڑ دیئے گئے۔قیس بن عاصم نے اپنی کمان مار کر اس کے دانت توڑے تھے اور عبد یعغوث کو اہتم کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا تھا۔حالانکہ اس کی رہائی کے عوض سو اصیل اونٹوں کا خون بہا قرار پا چکا تھا۔تاہم بنی تیم نے اسے دشمن کے ہاتھوں سے رہا کرا لیا تھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا خون بہا قرار پا چکا ہے مگر چونکہ ان کی عبد یغوث سے دشمنی چلی آرہی تھی اور اس نے ان کے کسی آدمی کو قتل کر رکھا تھا اس لیے اسے اپنے قبیلے کے مقتول رئیس نعمان بن الجساس کے بدلے قتل کر دیا گیا۔بعض مورخین نے اس جنگ کا نام یوم الکلاب ثانی کی بجائے یوم جزالدوابر بھی لکھا ہے۔ابوعبیدہ کہتا ہے کہ اس جنگ میں خاص طور پہ رباب اور سعد کے سوابنی تمیم میں سے کسی نے شرکت نہیں کی۔بنوتمیم رباب کے مقابل تھےاور بنوسعد نے مقاعس کا مقابلہ کیا تھا۔

یوم عاقل؛

یہ جنگ ہوازن اور حنظلہ کے درمیان ہوئی جس میں حنظلہ کا پلڑا بھاری رہا۔اس جنگ میں الصمہ بن الحارث بن جشم کو گرفتار کیا گیا اور اس کی فوج کو شکست ہوگئی۔اسے بنو مالک بن حنظلہ کے ایک فرد جعد بن الشماخ نے گرفتار کیا تھا پھر اس کو ایک سال تک اپنے پاس رکھا جس کے بعد احسان کے طور پر اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس کو رہا کر دیا گیا مگر شرط یہ رکھی گئی کہ وہ اس کی جزا دے گا۔ چنانچہ اس نے اس کی جزا دی اور صمہ نے اس کی گردن کاٹ دی۔اس کے بعد اس نے دوبارہ بنو حنظلہ پر حملہ کیا تو الحراث بن بیبہ المجاشی نے اس کو گرفتار کر لیا اور بنو اسد کے ایک آدمی نے جو بنو یربوع میں اپنے بھانجے کے ہاں مقیم تھا اس نے صمہ کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا۔صمہ نے اپنے آپ کو اپنے بیٹوں کے فدیہ میں پیش کیا مگر جب وہ دشمن کے علاقے میں داخل ہوا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا قاتل ابو مرحب تھا جس نے اپنی تلوار کے وار سے صمہ کی گردن اڑا دی تھی جس کی وجہ ان کی کوئی قدیمی رنجش بیان کی جاتی ہے۔کچھ مورخین نے بیان کیا ہے کہ بنو مجاشع نے انھیں میدان جنگ میں کسی بات کا طعنہ دیا تھا جس کی بنا پر صمہ کو قتل کیا گیا اور اس کے دو بیٹوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالا گیا۔

یوم اضم؛

یہ جنگ بنو عائدہ بن مالک بن بکر بن سعد اور غسانی بادشاہ الحرث بن مزیقیا کے مابین ہوئی تھی اس جنگ میں عربوں کا پلڑا بھاری رہا تھا۔مزیقیا کا اصل نام عمرو بن عامر تھا اور شام میں آل جفعہ بن علیہ بن عمرو بن عامر کے یہاں جو غسانی حکومت قائم تھی وہ انھی کے خاندان کی حکومت تھی۔ پہلے اس نے بنی عائدہ کا قتل عام کیا تھا اور اس دن عمرو بن زید مارا گیا تھا۔بنی قیس کے ایک آدمی کو جس کا نام عامر بن ضامر تھا اسے اٹھا لیا گیا۔چنانچہ اس نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نیزہ ماروں گا جس سے ایسے بیل کی سی آواز نکلے گی جو اپنے نتھنوں سے آواز نکالتا ہو۔اس کے بعد اس نے ابن مزیقیا کا

قصد کیا اور اسے ایسا ہی نیزہ مارا جس کا کہ اس نے دعویٰ کیا تھا جس سے مزیقیا کی موت واقع ہو گئی۔اس کے بعد اس کی فوج میں بددلی پھیل گئی جس کی وجہ سے اس جنگ میں غسانیوں کو عربوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔بعض مورخین کا خیال تھا کہ یہ وہی جنگ ہے جسے بنوخزاعہ کی بڑی جنگ کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ جنگ مزیقیا کی اولاد میں سے حرث کی بجائے کسی اور کے خلاف لڑی گئی تھی۔بعض مورخین کا اسی جنگ کے بارے میں یہ دعوی بھی ہے کہ یہ جنگ حرث نہیں بلکہ اس کے بیٹوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ واللہ اعلم

یوم الحسن؛

حسن ایک قسم کا درخت ہے جسے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ جنگ بنوثعلبہ بن سعد بن ضبہ نے بکر بن وائل کے خلاف لڑی تھی اور اس جنگ میں بنی صباح کے ایک آدمی نے جس کا نام عاصم بن خلیفہ تھا نے عربوں کے مشہور سردار بسطام بن قیس کو قتل کیا تھا۔چونکہ عاصم بن خلیفہ بائیں ہاتھ سے کام کرتا تھا چنانچہ اس نے بسطام کی بائیں کنپٹی پر نیزہ کچھ اس طرح مارا کہ وہ دوسری طرف کی کنپٹی سے جھانکنے لگا۔

یوم ایار؛

اسی جنگ کا نام بعض لوگوں نے یوم النقیہ بھی لکھا ہے یہ جنگ بنوضبہ نے بنوعبس کے خلاف لڑی تھی اور اس جنگ میں عمارۃ الوھاب قتل ہوا اسے شرحاف بن المثلم نے اپنے ایک چچازاد بھائی مضفال کے قتل کے بدلے کے طور پہ قتل کیا تھا۔اس لیے کہ کچھ عرصہ قبل کسی معمولی بات پہ عمارۃ نے مضفال کو قتل کردیا تھا۔چنانچہ عربوں کی مستحکم روایات کی بنا پر اسے بدلے کے طور پہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔عمارۃ نے مفضل کو قتل کیا تھا مگر اس کا علم بہت ہی کم لوگوں کو تھا اس لیے مفضل کا قاتل پورے

ایک سال تک گمنام رہا۔ پھر شراب کے خمار میں کسی محفل میں عمارۃ نے خود ہی اس بات کا اعتراف کر لیا کہ اسی نے مفضل کو قتل کیا تھا۔ اب بنوعبس کو مفضل کے قاتل کا پتا تھا اور وہ اس کی تاک میں تھے کہ یہ جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ اسی جنگ کی آڑ میں انھوں نے عمارۃ کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہ جنگ عربوں کی روایتی غارت گری کی جنگ تھی جس کی ابتدا اس بات سے ہوئی کہ بنوضبیہ بنوعبس کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گئے تھے جس کی بنا پہ بنوعبس نے اپنے حلیفوں کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا اور بنوضبیہ کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس جنگ میں بنوعبس کو فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے بھی اپنے اونٹوں کے بدلے میں بنوضبیہ کے بہت سے اونٹ اپنے قبضے میں کر لیے اس کے علاوہ انھوں نے بنوعمارۃ کو بنوعبس کے مفضل کے بدلے میں قتل کیا۔ اس کو مفضل کے بھتیجے شرحاف نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور اپنی انتقام کی سلگتی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

یوم رحرحان الثانی ؛

یوم حرنان میں بنی عامر بن صعصہ نے الاحوص کی سرکردگی میں بنی دارام پہ چڑھائی کی تھی اور اس جنگ میں معبد بن زرارہ قید ہوا۔ اسے عامر بن مالک اور اس کے بھائی طفیل نے قید کیا تھا۔ اسے قید کرنے میں قبیلہ غنی کے ایک آدمی جس کا نام ابوعمیلہ عصہ بن وہب تھا نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ انھیں اس کے مستقر تک لے گیا تھا۔ ابوعمیلہ طفیل کا رضائی بھائی بھی تھا تاہم کچھ عرصہ ان کی قید میں رہنے کے بعد معبد ان کی قید ہی میں مر گیا تھا۔ اسے قید کرنے والوں نے اس ڈر سے کہ کہیں بنوتمیم اسے چھڑا کر نہ لے جائیں بیڑیوں سے جکڑ کر طائف بھیج دیا تھا اس تمام واقعہ کا سبب یہ تھا کہ الحرث بن ظالم المری نے خالد بن جعفر کو الاسود بن المنذر کے سامنے دھوکے سے لا کر مار ڈالا تھا۔ پھر اس نے زرارہ بن عدس کے ہاں پناہ طلب کی جو عرب رواج کے مطابق اسے حاصل ہو گئی مگر اسے پناہ دینے والوں کو اس کی بھاری قیمت اس جنگ کی صورت ادا کرنا پڑی جس میں ان کے سو سے زائد آدمی ہلاک ہوئے۔ پھر رحرحان کی جنگ ختم ہونے کے بعد لقیط بن زرارہ نے اپنے باپ

کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے بنی عامر سے جنگ کرنے کے لیے اِدھر اُدھر سے سوار جمع کیے اور اپنے حلیف قبائل کو بھی اس جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی جو اس پہ رضامند تھے جس کے نتیجے میں جبلہ کی بڑی جنگ عربوں کے درمیان لڑی گئی جس کا بیان ابھی اوپر گزرا ہے۔ بیان کیا گیا کہ رحرحان اور جبلہ کی جنگ میں ایک سال سے بھی کم وقفہ تھا جس میں دونوں طرف سے کافی خون بہایا گیا۔عربوں کی اسی طرح کی جنگوں کی وجہ سے ان کے شہ سواروں کی شجاعت کا پتا چلتا تھا اور وہ ہر دم خود کو جنگ کی آگ سینکنے کے لیے تیار پاتے تھے۔

یوم ضریہ؛

بنوحنظلہ کے بارے میں بنوسعد اور بنورباب کے مابین پھوٹ پھر گئی۔بنوعمرو تمیم بکر بن وائل کے حلیف بن چکے تھے تھے۔حنظلہ سعد اور رباب سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے اور اس جنگ میں ان کا رئیس ناجیہ بن عقال تھا۔دوسری طرف سعد اور رباب کا سردار قیس بن عاصم تھا۔

اس پر ابن خفاف نے سعد اور رباب کو کہا۔

اگر تم نے بنوعمرو اور بنوحنظلہ کے جنگجو سپائیوں کو قتل کر ڈالا تو اس کے اعیال کا ضامن کون ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم۔

اس نے پھر کہا! اگر انھوں نے تمہارے جنگجو سپاہیوں کو مار ڈالا تو تمہارے اہل و اعیال کا ذمہ دار کون ہوگا۔

انھوں نے جواب! وہ

اس پر ابن خفاف نے ان سے کہا کہ تم انھیں ان کے اہل و اعیال کے لیے چھوڑ دو اور وہ تمہیں تمہارے اہل و اعیال کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور اس بات کا ذمہ میں لیتا ہوں"۔

چنانچہ اس معاملے پہ اس نے قبیلہ تیم اور قبیلہ سعد کے لوگوں سے بات چیت کی اور ہمہ ضریہ میں مقام نسار پہ پہنچ کر عمرو اور حنظلہ کو اس گفتگو سے آگاہ کیا۔اس محفل میں دونوں اطراف سے ان کے

اشراف شریک تھے جن میں ناجیہ بن عقال، قعقاع بن معبد بن زرارہ اور سنان بن عقلمہ بن زرارہ شامل تھے۔ اکثر لوگوں نے صلح کی اس تجویز کو قبول کر لیا مگر مالک بن نویرہ نے اسے رد کر دیا جس کے نتیجے میں عربوں کے مابین ایک بڑی جنگ چھڑ گئی جس میں دونوں طرف سے خوب خون بہا۔ یہ عرب معاشرے کا معمول تھا اس لیے کہ میدان جنگ میں ان کو اپنی جان کے مقابل اپنی آن زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔ عربوں کے مابین باہمی جنگوں کا یہ سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اس پہ شرح وبسط سے بیان کرنا مشکل ہے جن لوگوں کو اس معاملے سے زیادہ دلچسپی ہو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جو خاص اسی موضوع پہ لکھی گئی ہیں۔

> عربوں کی طرح اُن کے تہوار بھی عجیب سے تھے جن کی بنا اُن کے کسی مشہور واقعے پر رکھی گئی ہوتی اور اُن کے میلوں میں تجارت کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا ذوق بھی عروج پہ رہتا اور لوگ اپنے شاعروں کو سنتے۔

عربوں کے میلے اور بازار

سال کے بارہ مہینوں میں عرب مختلف مقامات پر مختلف اجتماعات منعقد کرتے تھے جہاں وہ نہ صرف زباو بیان کے حوالے سے اپنے تخیلات کا تبادلہ کرتے تھے بلکہ ان میں تجارت بھی اپنے زوروں پہ ہوتی تھی اور لوگ اپنے ذوق کے مطابق ان محافل میں شریک ہوتے تھے۔ سارے ملک عرب کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ ان میں اپنی قابل فخر اور اچھی چیزوں کو لے کر آئیں۔ نبی اکرم ﷺ بھی ان میلوں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ مگر ان کا مقصد لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا ہی ہوا کرتا۔ چنانچہ وہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ لوگوں کے ان اجتماعات میں شریک ہوتے اور ہر قبیلے کی قیام گاہ پر جا کر ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے۔ عربوں کی خاص بات یہ تھی کہ اگر انھیں کوئی کہے کہ وہ اس کی بات سنیں تو پوری توجہ کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے دور دور سے آئے ہوئے عربوں کو ان بازاروں اور میلوں میں دین اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی بات کو غور سے سنا، اس پہ اپنی رائے دی۔ یاد رہے کہ اہل عرب جلد باز نہ تھے اس لیے بہت سے لوگوں نے نبی

اکرم ﷺ کی دعوت کو سنا اور توقف کیا تا کہ انھیں غور وغوض کے لیے وقت مل جائے، انھی میں وہ بدقسمت لوگ بھی تھے جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی بات کو سنا مگر اس پہ توجہ نہ کی۔ چنانچہ اہل عرب کے ان بازاروں اور میلوں میں سے ایک دومۃ الجندل کا میلہ تھا۔

××××××××

دومۃ الجندل؛

یہ میلہ ربیع الاول کو لگا کرتا تھا اور عربوں کے قافلے دومۃ الجندل میں اترا کرتے جہاں وہ خرید وفرو خت کرتے اور باہمی لین دین کو پورا کرتے۔ یہیں پہ عرب شعرا کی محفلیں جمتیں اور وہ اپنا تازہ کلام پیش کرتے۔ یہاں جس قسم کی خرید وفروخت ہوتی اسے " **بیع الحصاۃ**" کہا جاتا۔ یہ اس قسم کی خرید وفروخت تھی جسے اسلام نے باطل قرار دیا تھا۔ اس بیع کی تشریح یہ ہے کہ کوئی بیچنے والا خریدار کو کہتا کہ! یہ کنکر پھینک کہ جس کپڑے پر بھی گرے گا وہ ایک درھم میں تیرا ہو جائے گا۔ کسی اور نے "**بیع الحصاۃ**" کی تشریح یوں کی ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین بیچتا تو کہتا کہ جہاں تک تمھارا کنکر پہنچ جائے اسے وہاں تک تمہیں بیچ دوں گا۔ ایک اور تشریح یہ ہے کہ ایک شخص مٹھی بھر کر کنکر لیتا اور کہتا کہ جس قدر مٹھی میں کنکر ہوں گے اسی قدر چیزیں لے لوں گا یا فروخت کندہ اس شرط کے ساتھ بیچتا کہ خریدار مٹھی بھر کنکر لے اور فروخت کنندہ کہے کہ ہر کنکر کے مقابلے میں ایک درھم لوں گا۔ ایک اور تشریح یہ ہے کہ خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک شخص ہاتھ میں کچھ کنکر لیتا اور کہتا کہ جب کوئی کنکر گر گیا تو بیع واجب ہو جائے گی اور اسی قسم کی بیع کی ایک اور تشریح یہ ہے کہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ سامنے سے گزرے اور کوئی فرد کنکر ہاتھ میں لے لے اور کہے کہ جس بکری کو بھی کنکر لگ گیا تو وہ اتنے داموں میں تمھاری ہو جائے گی اور فروخت کی یہ تمام صورتیں باطل ہیں کیونکہ ان میں باطل طریقے سے دوسرے کا مال کھایا جاتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ ان میں دھوکہ اور شرط پائی جاتی ہے اور یہ صورتیں جوئے سے مشابہت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان سب کو باطل قرار دیا ہے۔ دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر پہلے دن لوگوں کی نگہداشت کرتا اور ان کا انتظام کرتا۔ پھر دومۃ الجندل کا یہ میلا نصف ماہ تک جاری رہتا۔ بعض اوقات بنوکلب ان کے میلے پر غالب آجاتے تو

اکیدران سے عشر وصول کرتا۔پھر بنی کلب کا کوئی سرداران کا انتظام کرتا اوراس طرح یہ میلہ مہینے کے آخر تک قائم رہتا۔

سوق ھجر :

یہ سرزمین بحرین کا مقبول بازار تھا جہاں عرب دوردور سے آتے اورآپس میں مل بیٹھتے کہ اس طرح کے بازاراور میلے عرب تہذیب کی بنیاد تھے۔جہاں ہر قبیلہ اپنی فصاحت اور بلاغت پیش کرتا جس میں ان کی شجاعت کے تذکرے ہوا کرتے اوران کی سخاوت کے فسانے کہے جاتے۔ ہر قبیلے کی خواہش یہی ہوتی کہ وہ باقی سب قبائل سے بڑھ جائے اوراسے سب سے زیادہ عزت وتکریم حاصل ہو۔اسی سوق حجر سے وہ مثال ہے جو عربوں میں بہت مقبول تھی جس میں کہا گیا کہ " **كَمُبْضِعِ تَمَرٍ اِلَى هَجَرٍ** "یعنی کہ جیسے کوئی کھجوریں بیچنے حجر کو جائے اوراسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے کہ "مجھے حجر کے تاجر پہ تعجب ہوتا" شاید ان کی مراد یہ ہو کہ وہاں کی وبا بہت سخت سے اور تیزی سے پھیلتی ہے یا اس لیے کہ اس شہر کے تاجروں کو سمندری سفر درپیش تھا۔اسی نام کا ایک شہر یمن میں بھی ہے جس کے اورعشر کے درمیان ایک دن اورایک رات کا فاصلہ حائل ہے۔یہ لفظ مذکر اور منصرف ہے اورکبھی مونث بھی بولا جاتا ہے اوراس کا اسم نسبت ہجری ہے اور یہ میلا وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور یہ میلہ یا بازار ربیع الآخر کو لگا کرتا تھا جہاں عربوں کے قبائل اکٹھے ہوا کرتے ۔بنی عبداللہ بن دارم کا ایک شخص اس میلے کا منتظم تھا اس لیے وہی شرکت کرنے والے قبائل سے عشر وصول کیا کرتا تھا۔

سوق عُمَان؛

یہ لفظ بہ وزن غراب آتا ہے۔قاموس میں ذکر کیا گیا ہے کہ عمان یمن کا ایک شہر تھا نیز یہ شداد کے وزن پہ بھی بولا جاتا جو شام کے ایک شہر کا نام تھا۔مگر صاحب قابوس نے اس کا ذکر نہیں کیا جہاں یہ بازار لگا کرتا تھا۔تاہم بعض دیگر نے لکھا ہے کہ یہ میلہ بحرین میں لگا کرتا تھا اور لوگ سوق حجر سے یہاں منتقل ہو جاتے تھے اور جمادی الآخر تک اس میلے کا بازار گرم رہا کرتا جس میں عرب پورے جوش خروش سے شرکت کرتے۔

سوق المشقر ؛

عربوں کا یہ میلہ پہلی جمادی الآخر سے شروع ہوتا تھا اور اس کے منعقد ہونے کی جگہ بحرین کے ایک قلعے میں تھی جہاں وہ کئی مختلف اور عجیب طریقوں سے بیع کے معاملات کیا کرتے تھے۔ان کے انھی طریقوں میں سے ایک کو" **بیع الملاسمہ** " کہا جاتا۔اس بیع کے کئی طریق مروّج ہیں جن کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔اس میں کبھی اس طرح ہوتا کہ ایک لپٹے ہوئے کپڑے کو لایا جاتا کہ سودا کرنے والا اسے چھوئے اور کپڑے کا مالک اس سے کہے کہ میں تمہارے پاس یہ کپڑا اس شرط پہ بیچتا ہوں کہ تمھارا اسے چھو لینا تمہارے دیکھنے کے قائم مقام ہوگا اور جب تمہیں اسے دیکھ لو گے تو پھر تمہیں کوئی اختیار نہ ہوگا۔اسی بیع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ وہ دونوں محض چھو لینے کو بیع قرار دیں اور اس کے سوا کوئی اور شرط اس ضمن میں طے نہ کی جائے۔اسی کی تیسری صورت یہ ہوتی کہ آجر اور تاجر کسی چیز کو بیچنے کے لیے یہ طے کر لیں کہ میلہ کے ختم ہو جانے پہ یہ چیز اس کی ہو جائے گی اور یہ سب صورتیں وہ ہیں جنھیں اسلام نے آکر باطل قرار دے دیا۔انھی میں بیع کی ایک صورت کو" **بیع ملاسمہ** " بھی تھی جس میں کنکر پھینکے جاتے تھے اور جس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے اور انھی میں ایک "**بیع منابذہ**" بھی ہے،اس بیع میں دونوں فریق کسی چیز کو پھینک کر اس پہ بیع منعقد کیا کرتے۔

سوق ذوالمجاز ؛

انھی میں سے ذوالمجاز کا میلہ ہے اور یہ میلا عرفہ کی جہت میں اوراس کے پہلو ہی میں منعقد ہوتا تھا ۔ارزقی نے کہا کہ اس نے ہشام بن الکلبی سے سنا کہ ذوالجماز کا میلا عرفہ سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر لگا کرتا تھا جس کی بنا بنو ہذیل نے رکھی تھی۔اس لیے اس میلے کو بنو ہذیل کا میلا بھی کہا جاتا تھا۔مگر صحاح کے مصنف نے لکھا ہے کہ ذوالمجاز کا میلا منیٰ کے ایک مقام پہ لگا کرتا تھا جہاں عہد ِجاہلیت میں یہ میلا لگا کرتا تھا۔مگر طبرانی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ عرب عہدِ جاہلیت میں یہاں میلا منعقد کیا کرتے تھے۔مگر طبرانی ہی نے مجاہد سے سے یہ روایت بھی کی ہے کہ عرب عہدِ جاہلیت میں نہ عرفہ میں خرید وفروخت کیا کرتے تھے نہ منیٰ میں۔تاہم عربوں کا یہ میلہ ان کے ہاں بہت اہمیت کا حامل تھا جس میں دور دراز کے قافلے بھی شرکت کیا کرتے۔

سوق مجنّہ ؛

عربوں کے انھی میلوں میں سے ایک میلہ سوق مجنہ کا بھی تھا جہاں عربوں کے وسیع بازار سجا کرتے اوران بازاروں کے بیچ مختلف قافلوں کے ٹھکانوں پر شاعر اپنا کلام پیش کیا کرتے۔اسی بازار میں کسی شاعر نے ہجو کہی جس کی بنا پہ عرب قبائل میں باہم جنگ چھڑ گئی۔مجنہ مکے کے قریب ایک جگہ کا نام تھا جہاں عرب اپنی خوشیوں کی یہ رونق بپا کیا کرتے ۔یہ میلا ایام حج کے قریب ہی لگا کرتا اس لیے اس کی رونق دوسرے میلوں سے زیادہ ہوا کرتی۔حضرت بلالؓ نے ہجرت کے بعد اسی میلے کی یاد میں یہ شعر کہا تھا۔

وَهَلْ اَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ
وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيْلُ

کیا میں کسی روز مجنہ کے پانیوں پر وارد ہوں گا اور کیا شامہ اور طفیل مجھے پھر سے دکھائی دیں

گے۔"

سوق عُکَاظ ؛

عربوں کا سب سے بڑا اور سب سے مقبول میلہ سوق عکاظ تھا۔لفظ عکاظ کی تشریح علمائے لغت نے کچھ اس طرح کی ہے کہ عین مہملہ پر پیش ہے کاف مخفف ہے اور آخر میں ظاء معجمہ ہے اور یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح سے آیا ہے۔لحیانی کہتا ہے کہ اہل حجاز اسے منصرف بولتے ہیں مگر تمیم کی لغت میں یہ غیر منصرف آیا ہے ۔عکاظ کا میلہ عربوں کا بزرگ ترین میلا تھا جو نخلہ اور طائف کی درمیانی وادیٔ میں ایک نخلستان میں لگا کرتا تھا جہاں عرب بھر کے لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔وادیٔ نخلہ کا یہ نخلستان مکہ کی نسبت طائف سے زیادہ قریب تھا۔چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ طائف اور اس کے درمیان دس میل کا فاصلہ تھا اور یہ نخلستان صنعائے یمن کے راستے سے "قرن المنازل" سے ایک مرحلے کے فاصلے پر ہے۔جس مقام پہ عرب اکٹھا ہوا کرتے اسے لوگ " **ابتــــدا** "کہا کرتے ۔وہاں کچھ بڑے پتھر بھی پڑے ہوئے تھے لوگ جن کی عبادت کیا کرتے ،وہ ان کا طواف بھی کرتے۔اہل عرب یہاں خرید و فروخت کرتے ،مفاخرت کرتے اور باہم مباحثہ و جدال کرتے ۔شعرا اپنا تازہ کلام پیش کرتے ۔عرب شعرا نے اپنے اشعار میں سوق عکاظ کا ذکر اتنی تفصیل اور وسعت سے کیا ہے کہ جیسے اس بازار یا اس میلے میں گزرے ہوئے پل ان کی زندگی کے اہم ترین لمحات تھے اس لیے وہ اپنے کلام میں اس کا تذکرہ بڑے شوق سے کرتے۔مثال کے طور پہ عربوں کے معروف شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ نے بازارِ عکاظ کے بارے میں کہا کہ!

سَانْشُرُ اِن حَیِیتُ لَھُم کَلَامًا

یُنَشَّرُ فِی المَجَا مِعِ مِن عُکَّاظِ

اگر میں زندہ رہا تو ان کے سامنے جا کر وہ کلام پڑھوں گا کہ جس کا ذکر مدتوں عکاظ کی مجلسوں

میں ہوتا رہے گا۔“

یہاں ایک خاص مقام پر میلا عکاظ کے موقعہ پر عربوں کے فصیح و بلیغ خطیب عربوں کو اپنے پر دانش خطبوں سے نوازا کرتے۔ انھی خطیبوں میں سے قس بن ساعدہ ایادی تھا جس نے ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پہ سوار ہو کے اپنا مشہور خطبہ دیا تھا۔ یہیں مختلف عرب قبائل کے شعرا عربوں کے معروف اور بڑے شعرا کے قصیدے لٹکایا کرتے جن کی فصاحت پہ ان کو ناز ہوا کرتا۔ عربوں کے دوسرے بازاروں اور میلوں میں لوگ اپنے علاقے اور شہر کے بازاروں میں جاتے مگر عکاظ کے میلے میں تقریباً تمام اہل عرب شریک ہوا کرتے اور جزیرہ کی ہر جہت سے عرب یہاں یلغار کیا کرتے۔ چنانچہ قریش، ہوازن، احابیش، عقیل، مصطلق اور دیگر عربوں کے گروہ سبھی یہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ جس کا کوئی عزیز کسی کی قید میں ہوتا وہ یہاں آ کر اس کے فدیے کی تدبیر کرتا اور جس کا کوئی مقدمہ ہوتا وہ حاکم کے پاس نالش لے کر جاتا اور اس میلے میں بنو تمیم کے کچھ لوگ منصف بنا کرتے تھے جن میں سے ایک اقرع بن حابس تھا اور چونکہ یہ میلا تمام عربوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی اسی لیے عربوں کے ایک شاعر طریف بن تمیم عنبری کہتا ہے کہ:

أَوَ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ
بَعَثُوا اِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

جب بھی کوئی قبیلہ عکاظ میں آتا ہے تو اپنا سردار میرے پاس بھیجتا ہے تاکہ وہ اپنی فراست سے مجھے جان لے۔“

فَتَوَسَّمُوْنِیْ اِنَّنِیْ اَنَا ذَاكُمُ
شَاكِیْ سِلَاحِیْ فِی الْحَوَادِثِ مُعْلَمُ

مجھے اپنی فراست سے جان لو میں وہی ہوں میں مکمل ہتھیار باندھے رہتا ہوں اور حوادث کے

وقت نمایاں علامت لگائے ہوئے ہوتا ہوں۔‘‘

تَحتِی الاَ غَرُّ و فَوقَ جِلدِیْ نَشرَ ۃٌ
زَغَفٌ تَرُدّ السَّیفَ وَ ھُوَ مُثَلَّم

اور میرے نیچے اَغر گھوڑا ہوتا ہے اور میری کھال کے اوپر وسیع اور نرم زرہ ہوتی ہے جو تلوار میں دندانے ڈال کر اسے لوٹا دے۔‘‘

حَوْلِیْ اُسَیّدُ و الھُجَیْم وُ مَازِنٌ
وِاذَا حَلَلْتُ فَحَوْلَ بَیْتِیْ خَضَّمٌ

میرے گرد اُسید، ہجیم اور مازن کے قبائل ہوتے ہیں اور جب میں کہیں اترتا ہوں تو میرے گھر کے گرد لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔‘‘

وَلِکُلِّ بَکرِیٍّ لَدَیَّ عَدَوَ ۃٌ
وَاَبُو رَبِیعَۃَ شَانِیٌ و مُحَلِّم

اور ہر بکری کو مجھ سے عداوت ہے اور ابو ربیعہ اور محلم بھی مجھ سے شاید دشمنی رکھتے ہیں ‘‘۔[*68]

یہ طریف عربوں کے مشہور اور بہادر شہ سواروں میں سے تھا۔ ایک بار اس نے بنی شیبان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اس کے بعد وہ اس میلے میں آیا تو مقتول کے کسی رشتہ دار نے اسے غور سے دیکھا تو

طریف نے اسے مخاطب کیا، یوں غور سے دیکھنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں تجھے خوب پہچان لینا چاہتا ہوں اس لیے کہ ممکن ہے جب ہم پھر کسی موقع پر ملیں تو پھر یا میں تجھے قتل کر دوں گا یا تیرے ہاتھوں سے قتل ہو جاؤں۔ کیونکہ عربوں کے دل میں انتقام کی سلگتی آگ صرف اسی وقت بجھتی تھی جب وہ قاتل سے بدلہ لے لیں۔ اس موقع پر طریف نے یہ شعر کہے جس کے بعد اتفاق سے کسی ویرانے میں اس کا سامنا اسی شخص سے ہو گیا جس نے اسے قتل کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے قول کو پورا کیا اور طریف کو قتل کر دیا۔ طریف کے کچھ شعر پیش خدمت ہیں۔

تَغَيَّبْتُ عَنْ يَوْمَيْ عُكاظ كِلَيْهِمَا
وَاِنْ يكُ يَوْمٌ ثالِثٌ اَتَغَيَّبُ

میں عکاظ کی دونوں جنگوں میں غیر حاضر رہا تھا اور اگر تیسری جنگ ہوئی تب بھی میں اس میں شامل نہیں ہوں گا۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَاِن يكُ يَوْمٌ رَابعٌ لا اكُنْ بِهٖ
وَاِن يكُ يَوْمٌ خامِسٌ اَتَجَنَّبُ

اور اگر چوتھی جنگ ہوگی تب بھی میں وہاں نہ ہوں گا اور اگر یہاں پانچویں جنگ ہوئی تب بھی میں غیر حاضر ہی رہوں گا۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

مورخین نے بیان کیا کہ عکاظ میں کئی بار جنگیں ہوئیں۔ چنانچہ ابو عبیدہ نے درید بن الصمہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ عکاظ میں چار جنگیں ہوئیں تھیں جنھیں لوگ یوم شمطہ، یوم العبلا، یوم شرب اور یوم الحریرہ کے ناموں سے جانتے تھے اور یہ سب مقامات جن میں یہ جنگیں وقوع پذیر ہو

ئیں وہ سب عکاظ کے اندر ہیں۔ ابوعبیدہ نے مزید بیان کیا کہ شمطہ عکاظ کے علاقے کا وہ مقام ہے جہاں قریش اوران کے حلیف بنوکنانہ نخلہ کی جنگ کے بعد اترے اور نخلہ کی لڑائی جنگ فجار کی پہلی لڑائی تھی جو ایک سال قبل ہی واقعہ ہوئی تھی کیونکہ بنوکنانہ نے ہوازن اوران کے حلیف بنی ثقیف وغیرہ سے یہاں کا وعدہ کیا تھا شمطہ کی جنگ میں ہوازن کے ہاتھوں قریش اور بنوکنانہ کو شکست ہوئی۔ تاہم اس جنگ میں قریش کا کوئی اہم آدمی قتل نہ ہوا اور بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اس جنگ میں زحم نامی پہاڑ پہ جا کر اس جنگ سے الگ ہو گئے تھے لہٰذا ان میں سے بھی کوئی قابل ذکر آدمی قتل نہ ہوا۔ چنانچہ عربوں کے ایک شاعر نے اس جنگ کے بارے میں کہا کہ!

فَا بْلِغ َاِن ْبَلَغْتَ َبِہٖ ہِشَا مًا
وعَبْدَ َا للّٰہ اَبْلِغ ْوالوَلِیْدَا

اگر تو اس امر کی خبر پہنچا سکے تو اس کی خبر ہشام، عبداللہ اور ولید کو پہنچا دینا جو قریش کے سردار ہیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

بِاَنّا یَوْمَ شَمْطَۃَ قَدْا قَمْنَا
عُمُودَ الِدّیْنِ اِن ّٰلہ عُمُو دًا

کہ شمطہ کی جنگ میں ہم نے دین کے ستون کو قائم رکھا بے شک جنگ دین کا ایک سکون ہے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

پھرایک سال بعد مذکورہ قبائل عکاظ کے پہلو میں عبلاء کے مقام پر ملے مگر پھر ہوازن کو شکست اور قریش اور بنوکنانہ کو فتح حاصل ہوئی۔ چنانچہ خداش بن زہیر کہتا ہے کہ!

اَلَمْ يَبْلغكُم' اَنَّا جَدَعْنَا
لَدَی العَبْلَاء خِنْدَفَ بِالقِيَادِ

کیا تمھیں خبر نہیں پہنچی کہ ہم نے عبلاء کے مقام پر خندف کو مطیع کر کے ان کی ناک کاٹ ڈالی تھی۔"

ضَرَبْنَا بِبَطْنِ عُكَاظَ حَتّٰى
تَوَلّوا طَالِعِيْنَ مَعَ النِّجَادِ

اور ہم نے انھیں عکاظ کی وادیٔ میں اس قدر مارا تھا کہ وہ پہاڑی علاقوں کی طرف بھاگ نکلے تھے[*69] ۔"

ایک سال بعد وہ پھر شرب کے مقام پر ملے اور یہ نخلہ کی جنگ سے لے کراب تک کی چوتھی جنگ تھی اور مقام شرب بھی عکاظ کے اندر شامل ہے۔ کہا گیا کہ اس جنگ سے بڑی کوئی جنگ عربوں نے کبھی نہ لڑی تھی، اس بار قریش اور کنانہ کی غیرت عروج پہ تھی اس لیے کہ اس سے قبل وہ بنو ہوازن سے دو جنگیں ہار چکے تھے۔ قریش سے امیہ کے دونوں بیٹوں حرب اور ابوسفیان نے خود کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ نہ وہ خود میدان جنگ سے بھاگ سکیں اور نہ ان کے ساتھی پشت دکھانے کے متعلق سوچ سکیں اس لیے انھوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ لوگ ہمارے لاشوں کو اٹھانے کے لیے موجود رہیں کہ اس بار یا تو ہم جنگ میں فتح حاصل کریں گے یا پھر مر جائیں گے۔ چنانچہ جب یہ جنگ شروع ہوئی تو قریش نے ہوازن اور تمام قبائل قیس کو شکست دی۔ صرف بنو نصر نے کچھ دیر تک قریش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ عکاظ ان کا شہر تھا جہاں ان کے اموال اور اہل و عیال تھے مگر وہ بھی آخر دم تک قریش کے مقابلے پہ نہ ٹھہر سکے اور بنو ہوازن اور اس کے حلیف قبائل کو

شکست ہوئی۔اس دن بنو ہوازن کا خوب قتل عام کیا گیا جس کے متعلق امیہ بن اسکر الکنانی نے یہ شعر کہے۔

اَلَا سَائِل ُ هَوَازِن َ يَوْمَ لَا قَوْا
فَوَارِس َ مِن ُ كِنَا نَة َ مُعْلَمِيْنَا

جس دن ہوازن کا بنی کنانہ کے ان شہ سواروں سے سامنا ہوا جنھوں نے نمایاں نشان لگا رکھے تو اس دن کے متعلق ان سے پوچھ کہ ان پہ کیا گزری۔

لَدَى شَرْب وَقَد جَا شُوا وجُشْنَا
فَا َ وْ عَب َ فِیْ النَّفِیْرِ بَنُوا َ بِیْنَا

اور شرب کے مقام پر وہ بھی جوش میں آ گئے تھے اور ہم بھی پورے جوش میں تھے اور ہمارے باپ کی تو تمام کی تمام اولاد جنگ کے لیے نکل آئی تھی۔“

قَومِیْ اللّذُو ُ بِعُکَا ظ ِ طَيَّرُ وْا شَرَراً
مِن ُ رُؤُس ِ قَوْمِكَ ضَرْبًا بِالمَصَا قِيْلِ

میری قوم تو وہ قوم ہے جس نے عکاظ میں تمھاری قوم کے سروں سے صقیل شدہ تلواروں سے آگ کے شرارے نکالے تھے۔“

پھر ایک سال بعد ”حریرہ“ کے مقام پر یہ پھر ایک دوسرے کے مقابل اترے اور حریرہ عکاظ کے قریب سیاہ پتھروں والی وہ سرزمین تھی جو بادِ جنوب کے چلنے کی جگہ کے ساتھ ملحق تھی اور اس لڑائی

میں بنوہوازن کوایک بار پھراہل قریش اور بنو کنانہ پہ فتح حاصل ہوئی۔عکاظ کے میلے کے بارے میں مورخین نے مزید لکھاہے کہ یہ بازار یکم ذوالقعدہ سے بیس ذوالقعدہ تک سجا کرتا تھااس کے بعد عرب مکہ کی طرف روانہ ہو جاتے،عرفات میں قیام کیا کرتے، پھر مناسک حج ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے وطنوں کولوٹ جاتے۔بعض نے لکھا کہ وہ سارے کا سارا ماہ شوال یہاں قیام کیا کرتے۔ان دو اقوال کے علاوہ بھی مورخین کے کئی اقوال ہیں اور شاید اس اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ عربوں کے ہاں سال کے شمار کرنے میں اختلاف پایا جاتا تھا۔چنانچہ "**قبائل العرب**" کے مصنف کی رائے یہ ہے کہ عرب نصف ذوالقعدہ سے لے کر آخر ذوالقعدہ تک یہاں قیام کیا کرتے تھے جب ذوالحجہ کا چاند نظر آجاتا تو وہ ذوالمجاز پہنچ جاتے تھے ذوالمجاز کا میلا جیسا کہ اوپر ذکر گزر چکا ہے کہ عکاظ سے قریب ہی واقع ہے اور یہاں آٹھویں ذوالحجہ تک میلا لگا رہتا تھا اسے یوم ترویہ بھی کہا جاتا تھا اس دن یہ لوگ سیر ہو کر پانی پیا کرتے تھے اور اسے اپنے ساتھ بھی لے لیا کرتے تھے اس لیے کہ ان کے ہاں یہ روایت مشہور تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دن اپنے خواب پہ غور وفکر کیا تھا اور نویں ذوالحجہ کو حقیقت ان پر واضح ہوگئی تھی اور دسویں ذوالحجہ کو انھوں نے اس پہ عمل کیا تھا یعنی اللہ کی خاطر اپنے محبوب بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا قصد کیا تھا جس کی یاد میں قیامت تک لوگ قربانی کرتے رہیں گے۔

سوقِ صحار؛

عربوں کا ایک میلا سوق صحار تھا اور یہ رجب کی دس تاریخ سے اگلے پانچ دنوں کے لیے لگا کرتا تھا جس میں عرب شرکت کرتے تھے اور مختلف قبیلوں کے شاعر اپنی قوم کی مفاخرت کو بیان کرتے اور اپنی شجاعت اور سخاوت پہ شعر کہتے،ان کے تاجر خرید وفروخت کرتے اور دوسرے لوگوں سے ملتے اور عربوں کے یہ میلے ان کی تہذیبی اور سماجی روایات کے امین تھے کہ ان کے بیان کے بغیر عربوں کی

تاریخ نامکمل محسوس ہوتی ہے۔

سوقِ شحر؛

یہ عمان سے عدن تک کے ساحلی علاقوں کا نام ہے اور بعض نے اسے زیر کے ساتھ شِحر بھی لکھا ہے اور اس کا شمار بھی عربوں کے مشہور میلوں میں ہوا کرتا اس لیے کہ یہاں بھی دور دراز سے آئے عربوں کے قافلے اترا کرتے تھے۔عربوں کا یہ بازار شعبان کے نصف میں سجا کرتا تھا اس میں بھی دومۃ الجندل کے میلے کی طرح بیع کا آغاز کنکر پھینک کر یا پتھر ڈالنے سے ہوا کرتا اور یہ ان کی وہ رسمیں تھیں جن کو اسلام نے باطل قرار دیا کہ اس میں دھوکہ اور فریب کا عنصر نمایاں تھا۔

سوقِ عدن ابین؛

جب شحر کا میلا اجڑ جاتا تو لوگ عدن ابین کے بازار کا رخ کرتے اور ان کے قافلے ایک ایک کر کے یہاں اترنے لگتے۔عدن یمن کا ایک جزیرہ تھا جہاں اول اول عربوں کے مشہور آدمی ابین نے قیام کیا تھا اور پھر یہ میلا اسی کے نام کے ساتھ شہرت حاصل کر گیا۔لوگ رمضان کا نصف مہینہ یہیں گذارا کرتے اور یہاں عرب اپنے تجارتی مال کی خرید و فروخت کرتے اور اس میلے کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں بڑے پیمانے پر خوشبوؤں کی تجارت کی جاتی جو دوسرے علاقوں میں کم یاب تھیں۔

صنعاء کا بازار؛

عربوں کے ان میلوں میں ایک بڑا میلا یمن کے مشہور شہر صنعاء میں لگا کرتا اور اسی کتاب میں یمن کے مقبول اور اہم شہر صنعاء کا تذکرہ گذر چکا ہے جس میں بیان کیا گیا صنعاء کا شمار عربوں کے متمدن

ترین شہروں میں کیا جاتا تھا اور یہی وہ شہر تھا جو صدیوں اہل یمن کا دارالخلافہ رہا تھا۔ چنانچہ نصف رمضان کے بعد عرب عدن ابین کے بازار کو خیر باد کہتے اور یمن کے مشہور شہر صنعاء کا رخ کرتے جہاں عربوں کا ایک اور بڑا میلا لگا کرتا جہاں کی تجارت زوروں پہ ہوتی۔ صنعاء کا یہ میلا نصف رمضان کے بعد شروع ہوتا اور مہینے کے آخر تک جاری رہتا۔ صنعاء یمن کا عمدہ شہر تھا جہاں سے رنگا ہوا چمڑہ اور دھاری دار چادریں دور دراز کے ملکوں کو روانہ کی جاتیں۔ اہل یمن کی یہ مصنوعات یمن کی ایک بڑی بندرگاہ معافر سے دوسرے ملکوں کی طرف روانہ کی جاتیں۔ یاد رہے کہ یمن کی دھاری دار چادریں پورے عرب میں مقبول تھیں اور عرب انھیں یہاں سے خرید کر اندرون عرب پہنچایا کرتے تھے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے بھی یمن کی دھاری دار چادر اوڑھی ہے۔

حضر موت کا میلہ؛

عرب کے انھی میلوں میں ایک میلا حضر موت کا میلا تھا جہاں عرب آپس میں اکٹھا ہوا کرتے۔ پہلے پہل عربوں کا یہ میلہ بہت پر رونق ہوا کرتا تھا اور ذوالقعدہ میں لگا کرتا تھا۔ پھر ذوالقعدہ میں ہی ذوالمجاز کا میلا لگنا شروع ہوا تو یہاں آنے والے عربوں کی تعداد میں کمی آتی چلی گئی اور آدھے عرب دوسرے میلے کو ترجیح دینے لگے۔ اس لیے بعد میں اس میلے کی رونق کم ہوتی چلی گئی۔ اگر یہ بازار منعقد ہوتا بھی تو اس میں صرف قرب و جوار کے عرب ہی شامل ہوتے، دور دراز سے آئے عربوں کے قافلے یہاں رکے بغیر آگے نکل جاتے اور ذوالمجاز کے میلے میں شرکت کرتے۔ حضر موت کے لوگوں نے اگرچہ مدتوں یہ بازار سجایا مگر اس کی رونق آخر کم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی۔

سوقِ حُباشہ؛

انھیں میں سوق حباشہ ہے جو بارق کے علاقے قنونا کی جہت میں تھا جو مکے سے جاتے ہوئے یمنکے

راستے پر واقع تھا۔عربوں کا یہ میلا حج کے دنوں کے بعد رجب میں منعقد ہوا کرتا۔عربوں کے قافلے حج سے واپسی پر یہاں ستانے کی غرض سے رکا کرتے۔ یہ عربوں کا بہت قدیم اور پر رونق میلا ہوا کرتا تھا جہاں عربوں کے سردار اپنے خیموں کے باہر اپنے قبائل کی مفاخرت بیان کیا کرتے۔ان میلوں اور بازاروں کے علاوہ بھی عربوں کے ہاں کئی دیگر اجتماعات منعقد ہوا کرتے تھے جن پہ ابھی ہم مقدور بھر نگاہ ڈالیں گے۔

عربوں کے دیگر اجتماعات

عربوں کے میلوں اور بازاروں کا تذکرہ ابھی گزرا ہے مگر ان میلوں کے علاوہ بھی عربوں کے ہاں بہت سے اجتماعات منعقد ہوتے تھے جن کا مکمل احاطہ تو ممکن نہیں مگر اس پہ ایک سیر حاصل بحث ضرور کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اہل عرب میں بعض اجتماعات تو صرف باہمی انس تفریح اور گذشتہ جنگوں کے کارناموں کو بیان کرنے کے لیے منعقد کیے جاتے ان میں وہ اپنے گزرے دنوں کی یاد تازہ کرتے اور اپنے قابل فخر لمحات کا تذکرہ کرتے اور ان کے شعرا اپنے اشعار پیش کرتے جن سے ان کی طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی۔ عربوں کی یہ محافل عام طور پہ رات کے وقت صحرا کے بیچ چاند کی کھنکتی چاندنی کے درمیان بپا کی جاتیں۔ عربوں کی باتیں حیرت انگیز ہیں اور ان کے کارنامے بسیط ہیں جن کے تذکرے میں زندگی گزر جائے مگر بات ختم نہ ہو۔ مزید براں عربوں میں اس قدر دقیق غور و فکر پایا جاتا ہے کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کا دن بالخصوص صبح کا وقت دوڑ دھوپ کرنے معاش کی تلاش کرنے اور زندگی کی مصلحتوں کو پورا کرنے میں گزرتا۔ ان کا بیشتر وقت اپنی حالت کو بہتر بنانے اور روزی کمانے یا شکار کرنے

میں صرف ہوتا۔عہدِ جاہلیت میں عرب اپنے وقت کے بہترین استعمال کے قائل تھے اور وقت کی قدر و قیمت سے پوری طرح آگاہ تھے، بیکار بیٹھنے کو نامردی تصور کرتے تھے۔ان کی یہ حالت ہمارے زمانے کے عربوں کی حالت کے برعکس ہے جو اپنے وقت کی قدر و قیمت سے آگاہ نہیں اور اس کو ضائع کرتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ہر قسم کی فضیلت حاصل کرنے کے معاملے میں پیچھے رہ گئے ہیں اور عالی صفات اور اچھے اخلاق سے محروم ہیں کہ درحقیقت معاملہ تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔پھر آج کے اہل عرب کے اور اُن کے شب و روز ہمارے موضوع سے خارج ہیں بلکہ ہم تو عہدِ جاہلیت کے ان عربوں کے شب و روز جاننے کی سعی کر رہے ہیں جنھوں نے اسلام قبول کر کے دنیا میں اس بڑے انقلاب کی بنا رکھی جس کی برکت سے آج خطہ ارض پہ ایک ارب اسی کروڑ لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہیں۔حقیقت یہی ہے کہ اگلے وقت کے عربوں نے محاسن اخلاق اور قابل فخر باتوں سے دفتر بھر دیئے تھے۔جب وہ اکٹھے ہوتے اور مجلس بپا کرتے تو ایک جانب سے حلقہ بنالیتے اور ان کے حلقے کے درمیان وہ شخص بیٹھتا جو ان میں سب سے زیادہ بزرگ اور شرف والا ہوتا۔اسی طرح ان میں جب کوئی شخص کسی عجیب حادثے یا عجیب بات کا ذکر کرنا چاہتا تو اٹھ کر ان کو اس طرح خطاب کرتا جس طرح ایک خطیب خطبہ دیتا ہے۔

جب ان کا کوئی شخص اپنا خطبہ سنا رہا ہوتا تو وہ اپنی داڑھی کو چھوتا اور کبھی اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں لے لیتا اور یہ عربوں میں گفتار کی ایک طرز اور ان کی پختہ عادت تھی جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی تھی۔اسی طرح باہمی گفتگو کرتے ہوئے بھی وہ بعض اوقات ایک دوسرے کی داڑھی کو ہاتھ میں لے لیتے اور ان کی یہ عادت ان کے خیال میں یہ باہمی الفت اور اعتماد کی علامت تھی جیسا کہ امام خطابی نے شرح سنن میں بیان کیا ہے اور عربوں کے بعض اجتماعات جنگ کی تدبیر کرنے اور دشمن پہ غارت ڈالنے کے لیے منعقد کیے جاتے اور ان امور کے ضمن میں وہ صرف اسی وقت حرکت کرتے تھے جب ان کے حل وعقد مخصوص مقام پر جمع ہو کر باہمی مشاورت کر لیتے تھے۔مثلاً یہ کہ ان امور کی ذمہ داری اٹھانے والا الصحرا کے بیچ ایک خیمہ لگاتا پھر لوگ اس میں اترتے اور جب ان کا اجتماع مکمل ہو جاتا تو ان کے درمیان مذاکرہ چلتا۔جو رائے قرار پا جاتی پھر اسی پہ عمل کیا جاتا اور کوئی شخص اس امر کے خلاف نہ جاتا۔جنگوں اور دیگر مہموں میں کامیابی ان کے اسی نظم کی مرہون منت تھی۔ان کے درمیان بعض اجتماعات ان کے جھگڑوں کے مقدمات اور باہمی فیصلوں کے لیے بھی منعقد کیے جاتے۔بعینہٖ اسی طرح جس طرح دارالندوہ تھا جو قصی بن کلاب کا

گھر تھا جو نبی اکرم ﷺ کے اجداد سے تھے۔امام کلبی نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں یہ گھر جو ایک بڑا حویلی نما گھر تھا اسے قصی بن کلاب نے بنایا تھا۔مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ مکہ کا پختہ اینٹوں سے بننے والا پہلا گھر تھا اور دیگر لوگ خیموں میں رہا کرتے تھے جو بیت اللہ شریف کے چاروں طرف حصار کیے ہوئے تھے۔اس کے بعد اور لوگوں نے بھی مکہ میں پختہ مکان بنوائے حتیٰ کہ وہ اسلام کے زمانے کے قریب پہنچ گئے اور ان کی قوت اور تعداد بڑھ گئی۔

دارالندوہ کا دروازہ کعبہ کی طرف تھا اور قریش قصی کے طرز سے برکت حاصل کرنے کے لیے اسی کے گھر میں اپنے معاملات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔چنانچہ ان میں سے کسی مرد یا عورت کی شادی ہوتی تو اسی گھر میں ہوتی کوئی اور مرحلہ درپیش ہوتا تو اس کا فیصلہ اس گھر میں کیا جاتا کسی غیر قبیلے کے خلاف جنگ لڑنی ہو تی اور اس کے لیے جھنڈا اٹھانا ہوتا تو اسی گھر سے اٹھایا جاتا اور اس جھنڈے کو قصی کی اولاد کے سوا اور کوئی نہ اٹھا سکتا تھا۔اگر قریش کی کوئی لڑکی قمیض پہننے کی عمر کو پہنچ جاتی تو اس کی پہلی قمیض اسی گھر میں سی جاتی اور اس کے پہننے کے بعد وہ لڑکی اپنے والدین کے ہاں چلی جاتی اور ہر بچے کا ختنہ بھی اسی گھر میں ہوتا تھا اور ہر قسم کے لڑائی جھگڑے کا فیصلہ بھی دارالندوہ میں ہی کیا جاتا تھا۔

عربوں کے مورخ کلبی نے بیان کیا ہے کہ اہل قریش کے ہاں قصی کی زبان سے نکلا ہر لفظ کسی حکم کسی قانون یا کسی دین کی طرح تھا۔عرب ان کی زندگی میں تمام خیر کو انھی کی جانب منسوب کرتے تھے۔جیسا کہ ابن ہشام نے بھی بیان کیا ہے کہ ایک مجلس بیت اللہ کے سائے میں نبی اکرم ﷺ کے دادا حضرت حضرت عبدالمطلب کی مجلس تھی جہاں کعبہ کے سائے میں ان کے لیے ایک خاص تخت بچھایا جاتا تھا جس پر حضرت عبدالمطلب کے احترام اور تعظیم کی وجہ سے کوئی نہ بیٹھتا تھا حتیٰ کہ ان کے بیٹے بھی۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دادا حضرت عبدالمطلب کو اتنی محبت تھی کہ انھوں نے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ کوئی محمد ﷺ کو اس تخت پر چڑھنے سے نہ روکے۔چنانچہ جب حضرت عبدالمطلب اس تخت پہ تشریف فرما ہوتے تو نبی اکرم ﷺ آپ کی دائیں جانب ان کے پہلو میں بیٹھا کرتے اور حضرت عبدالمطلب لوگوں سے کہا کرتے دیکھو میرے اس پوتے سے کوئی اونچی آواز میں بات نہ کرے کہ عربوں میں اس کی بڑی شان ہوگی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کے دادا کے تصور سے بڑھ کے ہوا کہ ان کی شان تو عجمیوں کے ہاں بھی بہت بلند ہے۔عربوں کے بعض اجتماعات ثواب یا نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے بھی منعقد

ہوتے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ دانش کی وہ باتیں شامل ہوتیں جن سے صرف عرب کے شرفاء واقف ہوتے جیسا کہ عہدِ جاہلیت میں قریش ہر جمعہ کے دن کعب بن لوئی بن غالب کے پاس جمع ہوا کرتے تھے اور کعب آنحضرت ﷺ کے ساتویں دادا ہوتے تھے۔ کعب اہل قریش کو خطبہ دیا کرتے اور زبیر بن بکار کی روایت کے مطابق یوں کہا کرتے کہ:

"اما بعد! سنو، سمجھو، سیکھو اور جانو کہ رات تاریک ہے، دن صاف ہے،، زمین بچھونا ہے آسمان چھت ہے، پہاڑ میخیں ہیں اور ستارے علامات اور پہلے لوگ اور پچھلے لوگ ایک جیسے ہیں تم صلہ رحمی کیا کرو اور شادی کی وجہ سے جو رشتہ داری قائم ہو اس کا تحفظ کرو اپنے مالوں کو بار آور کیا کرو۔ کیا تم نے کسی مرنے والے کو واپس آتا دیکھا یا مردے کو پھر زندہ ہوتے دیکھا ہے اور ظن اس طرح نہیں جس طرح تم کرتے ہو اس کے علاوہ کعب بن لوئی بن غالب بن مالک بن فہر اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ بعثت انھی کے خاندان میں ہوگی۔ چنانچہ وہ لوگوں کو کہا کرتے کہ ان کی اولاد سے ایک عالی شان نبی ہوگا اور تم پہ اس کی اطاعت فرض ہے۔ میں تمہیں ان کی پیروی اور تابعداری کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ تم اپنے حرم کو آراستہ رکھا کرو اس کی تعظیم کرو عنقریب اس کی بڑی شان ہوگی اور تمہیں میں سے ایک نبی کریم نکلے گا پھر وہ یہ اشعار پڑھتے۔

×××××××

نَهَارٌ وَلَيْلٌ كُلَّ اَوْبٍ تَجَاذُبُ

سَوَاءٌ عَلَيْنَا لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا

یہ دن اور رات کا ہر بار لوٹنا ایک قسم کی کھینچا تانی ہے اور ہمارے لیے رات کیا اور دن کیا دونوں یکساں ہیں۔"

يَوْبَانِ بِالاَحَدَاثِ حِيْنَ تَاوَّبَا
وبالِنعمالضَّافِئ عَلِيْنَا سُتُورها

کہ یہ دن اور رات جب دونوں لوٹتے ہیں تو حوادث کے ساتھ لوٹتے ہیں اور ان کے پردوں میں ہمارے لیے کثرت سے نعمتیں ہوتی ہیں۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

صَرُوْفٌ وَ انْبَاءٌ تُقَلِّبُ أَهلَهَا
لَهَا عُقدٌ ما يُسَحَلُّ مَرِيْرُ هَا

یہ دن اور رات کی گردشیں اور خبریں ہوتی ہیں جو دنیا کے لوگوں کو الٹتی پلٹتی رہتی ہیں اور ان کی گردشوں کی گرہ کو کوئی کھول نہیں سکتا۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

عَلَى غَفْلَةٍ يَاتِىْ النَبِّى مُحَمَّدٌ
فَيُخَبِرُ اَخبارًا صَدُوقًا خَبِيْرُهَا

اور تم میں نبی محمد ﷺ اچانک آجائیں گے اور وہ خبریں بتائیں گے جن کا جاننے والا سچا ہوگا۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

يَا لَيْتَنِىْ شَاهِدٌ فَحَواءَ دَعْوَاتِ
هِنَ العَشِيْرَةُ تَبغِى الحَقَّ خِذلَانَا

کاش میں اس کی دعوت کے مفہوم کو جانوں جب ان کا قبیلہ حق کی طرف داری چھوڑ دینے کا ارادہ کرے گا[70*]۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ بات ان الہامی ادراکات میں سے ہے جن کو عقلیں تصور میں لاتی ہیں اور وہ صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ نفوس جن کا تصور کرتے ہیں وہ حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسی نے یعنی کعب نے یوم عروبہ کا نام یوم الجمعہ رکھا تھا اور اسے وہ صورت دی تھی جو آج تک مروّج ہے کیونکہ آج بھی لوگ جمعہ کے دن اکٹھے ہوتے ہیں وعظ و نصیحت سنتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل ان کے ہاں اتوار کو اول پیر کو اھون منگل کو جبار بدھ کو دبار جمعرات کو مونس جمعہ کو عروبہ اور ہفتہ کو شیار کہا جاتا تھا اور ان کے کسی شاعر نے ان کو یوں نظم کیا ہے!

اُؤمِّلُ اَنْ اَعِیْشَ وَاَنَّ یَوْمِیْ
بَاَوَّل اَو بِاَھْوَن اَوْ جَبَسَا

اگرچہ میں دنیا میں باقی اور زندہ رہنا چاہتا ہوں مگر انھی دنوں میں سے ایک نہ ایک دن مجھے ضرور مرجانا ہے اور یہ ایک احمقانہ خیال ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَوِ التَّالِی دَبَارِ فَاِنْ اَفُتْہُ
فَمُونسِ فَالعَرُوبَۃ اَوَشِیَارِ

دانش مند کو چاہیے کہ وہ دنیا میں باقی رہنے کی امید رکھے کیونکہ ہوسکتا ہے ہفتہ کا ہر دن آدمی کی زندگی کی انتہا ہو اور اسی دن عمر کا خاتمہ ہوجائے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

اسی طرح عربوں نے دن اور رات کی ساعتوں کے وہ نام رکھے ہیں جو عام طور پہ متعارف نہیں۔ وہ نام یہ ہیں اول درور، پھر بزوغ، پھر ضحیٰ، پھر غزالہ، پھر حاجرہ، پھر زوال، پھر دلوک، پھر عصر، پھر اصیل، پھر صبوب، پھر حدود پھر غروب۔ مورخین میں سے بعض نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے دن کو بارہ گھنٹوں میں تقسیم کیا اور اس امر کا ذکر اپنی اس وصیت میں کیا جو انھوں نے اپنے

بیٹے شیث کو کی تھی۔اس کو بتایا تھا کہ کون سی ساعت پہ کون سا عمل فرض ہے اور کون سے وقت کون سی عبادت کرنی ہے۔اہل عرب نے دن کی ساعات کے ساتھ رات کے لمحات کی تقسیم بھی کی ہے۔جو کچھ اس طرح ہے کہ رات کی ساعات میں پہلے شاہد ہے پھر غسق ، پھر عتمہ، پھر فحمہ، پھر موہن ، پھر قطع ، پھر جوسر، پھر عبکہ، پھر تباشر، پھر فجر اول، پھر معترض، پھر اسفار۔یوم عروبی کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ عروبہ کا نام جمعہ اس لیے پڑا کہ انصار نے کہا کہ یہودیوں کا ہر چھ دن کے بعد ایک دن ہوتا ہے جس میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں، اسی طرح عیسائیوں کے ہاں بھی ایک دن ہوتا ہے تو آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں جس میں اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر کیا کریں اور نماز پڑھیں۔

پھر کہا کہ ہفتہ تو یہودیوں کا دن ہے اور اتوار عیسائیوں کا دن ہے لہٰذا کیوں نہ ہم اپنے لیے یوم عروبہ کو مقرر کر لیں۔چنانچہ اس مقصد میں مشاورت کے لیے وہ اپنے سردار سعد بن زرارہ کے ہاں اکٹھے ہوئے تو اس نے لوگوں کی بات کو تسلیم کیا۔لہٰذا انھوں نے اس دن دو رکعت نماز ادا کی پھر انھیں وعظ کیا۔لہٰذا انھوں نے اس دن جمع ہونے کی وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔بیان کیا گیا ہے کہ اسلام آنے کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔اگرچہ سورۃ جمعہ اس کے بعد نازل ہوئی۔لیکن پہلا جمعہ جو آنحضرت محمد ﷺ نے پڑھایا تو اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی اور آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ مدینہ کے آغاز میں ایک بستی قباء میں اترے اور عمرو بن عوفؓ کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ان کے ہاں پیر منگل بدھ اور جمعرات کو قیام کیا اور ان کے ہاں مسجد کی بنا رکھی جو آج تک قائم ہے اور مسجد قباء کہلاتی ہے۔پھر جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، جب بنی سالم بن عوف کی وادیٔ کے وسط میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا۔تب آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا اور جمعہ نماز ادا کی جہاں آج مسجد جمعہ قائم ہے۔

امام عبداللہ سہیلی نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح میں بیان کیا ہے کہ اس سے قبل کہ انصار جمعہ کی نماز ادا کریں لوگ اس دن کو جمعہ ہی کہا کرتے تھے اس لیے کہ لوگ اس دن جمع ہوتے تھے۔اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ سبت کے معنی کاٹنے کے ہیں اور یوم السبت اسی سے نکلا ہے کیونکہ اس دن خلق اشیا کا سلسلہ منقطع ہوا گویا ہر شے کی تخلیق مکمل ہوگئی، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسماء متداولہ اہل کتاب سے مروی ہیں اور عرب مستعربہ نے اہل کتاب کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے یہ نام ان سے لیے تھے۔ان سے پہلے لوگوں کو صرف

وہ نام معلوم تھے جو عرب عاربہ نے یا جو سریانیوں نے رکھے تھے جن کے ذکر کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ بیان کیا گیا کہ عربوں کے بعض اجتماعات حلف اٹھانے اور معاہدوں کے لیے بھی منعقد ہوتے تھے۔ چنانچہ جب قریش میں سرداروں کی کثرت ہوگئی، ان میں ریاست کی ذمہ دار پھیل گئی، ان کے ہاں باہمی کھینچا تانی شروع ہوگئی، وہ ایک دوسرے پہ غلبہ پانے کی خواہش کرنے لگے تب ان کے اندر ایک خلفشار نے جنم لیا جس میں بہت سا خون بہا۔ پھر ان کے اہل دانش نے قوم کو ایک معاہدے پہ اکٹھا کرنے کوشش کی جس میں یہ قرار پایا کہ بلا جواز دست درازی اور ظلم کو روکا جائے گا، ظالم سے مظلوم کو اس کا حق دلوایا جائے گا۔ شاید اسی معاہدے کو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا شاید یہ اس سے قبل کوئی اجتماعی کوشش تھی جسے سوائے علامہ آلوسی کے کسی اور نے بیان نہیں کیا۔ انھوں نے بھی اس کو حلف الفضول نہیں لکھا لیے درست قرینہ یہی ہے کہ اس معاہدے کو حلف الفضول تصور نہ کیا جائے۔ اس معاہدے کی روایت زبیر بن بکار نے کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی زبید کا ایک آدمی عمرہ کی نیت سے یمن سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ مال تجارت بھی تھا جسے بنی سہم کے آدمی نے اس سے خرید لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص العاص بن وائل تھا۔ تاہم عاص بن وائل نے اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا تو اس مظلوم شخص نے مقام حجر پہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھے!

یَالَ قُصَیٍّ لِمَظْلُومٍ بِضَاعَتُہٗ
بِبَطْنِ مَکَّۃَ نَائِی الدَّارِ وَالنَّفَرِ

اے آلِ قصی جس شخص کے مال تجارت پر مکہ کی مقدس وادیٔ میں دست درازی کی گئی اس کی مدد کو پہنچو۔"

وَاَشْعَثَ مُحرمٍ لم تُقض حُرْمَتُہٗ
بَیْنَ الْمَقَامِ وَ بَیْنَ الحِجْرِ الْحَجَرِ

کیونکہ اس شخص کا گھر اور اس کی قوم کے لوگ اس سے دور ہیں اور وہ غریب الوطنی کی حالت

میں ہے۔"

اَقَائِم" مِنْ بَنِیْ سَہْمٍ بِذِمَّتِہِم
اَو ذَہِبٌ فِی ضَلَا لٍ مالُ مُعْتَمِرِ
کیا بنی سہم کے لوگ اپنے عہد پہ قائم ہیں یا یہ کہ عمرہ کرنے والے کا مال یونہی ضائع چلا جائے گا
"۔[*71]

اسی طرح اس کے بعد قیس بن شیبہ نے ابی بن حلف کے ہاتھ کچھ مال بیچا اس نے قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا حق مار لیا۔قیس نے بنی جمع کے ایک شخص سے پناہ طلب کی مگر اس کو پناہ نہ دی گئی جس پہ قیس نے اہل مکہ کے سامنے یہ شعر پڑھے۔

یَاٰلَ قُصَیٍ کَیْفَ ہٰذَا فِی الحَرَمْ
وحُرْمَۃِ البَیْتَ واَحلَافِ الکَرَم
اَظْلَمَ مَنْ لا یَمَنعُ عَنّی الظُّلم
اے آل قصی! حرم کے اندر یہ کیسے روا ہے کہ قسم ہے کعبے کی حرمت اور کرم کے حلیفوں کی کہ جو
شخص مجھ پہ وارد ہونے والے ظلم کو نہیں روکے گا گویا اس نے خود بھی مجھ پہ ظلم کیا ہے۔"

اس پر عباس بن مرداس السلمی نے اس کے جواب میں یہ شعر کہے!

اِن کَان جَارُک لَم تَنفَعکَ ذِمَّتُہ
وَقَد شَرِبتَ بِکَاسِ الذُّلِّ اَنفَاسَا

اگر تیرے پناہ دہندہ کے عہد و پیمان نے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تو پھر تیری زندگی ذلت کے پیالے سے پانی پینے کے مترادف ہے۔"

فَاتِ البُیُوتَ وکُن من اَھلِھَا صَدَدا
لا تَلقَ تَادِیبَھُم فُحشَا وَلَا بَاسَا

اور جو شخص بیت اللہ کے صحن میں پناہ لے گا وہ وہاں ابن حرب اور عباس کو پائے گا۔"

وَمَن یَکُن بِفِنَاءِ البَیتِ مُعتَصِمَا
یَلقَ ابن حَربٍ وَیَلقَ المَرءَ عَبَّاسَا

میری قوم قریش کامل اخلاق کی مالک ہے جب تک یہ لوگ زندہ ہیں اور با اقتدار ہیں شرف و دانش کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔"

قَومِی قُرَیشٌ بِاَخلَاقٍ مُکَمَّلَۃٍ
بِالمَجدِ والحَزمِ ماعَاشَا وَمَا سَاسَا

ایک تو وہ ہے جو حاجیوں کو پانی پلاتا ہے (یعنی عباس) اور دوسرا ابوسفیان بن حرب جو جھنڈا کامیابی سے پھیلاتا ہے اور بزرگی وہ شئے ہے جو پانچویں اور چھٹے حصے کا وارث بنا دیتی ہے "۔[*72]

اس پر ابوسفیان اور حضرت عباس دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس شخص کا مال اسے واپس دلا دیا گیا۔ پھر قریش کے مختلف بطن اکٹھے ہوئے اور انھوں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر اس بات پر حلف اٹھایا کہ مکے کے اندر کسی پہ ظلم نہ ہونے دیں گے اور یہی حلف الفضول تھا جس کا ابھی اوپر ذکر گزرا ہے۔ یاد رہے کہ اس معاہدے میں نبی کریم ﷺ بھی شامل تھے۔ اگرچہ اس وقت تک ابھی آپ ﷺ کو نبوت سے نہ نوازا گیا تھا اور آپ ﷺ کی عمر ابھی صرف بیس سال تھی اس کے باوجود بھی بعد کے زمانوں میں جب بھی نبی اکرم ﷺ نے اس معاہدہ کا ذکر کیا تو اس کی تعریف ہی کی اور اسے اچھے لفظوں سے یاد کیا۔ یہاں تک آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے معاہدہ حلف الفضول کے عوض اگر کوئی مجھے سو سرخ اونٹ بھی دے تب بھی میں نہ لوں۔ پھر فرمایا کہ اسلام آ جانے کے بعد بھی اگر کوئی مجھے اس طرح کے خیر کی طرف بلائے تو میں ضرور آ ؤں گا۔ اسلام آ چکنے کے بعد اس طرح کی باعث خیر باتوں کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور اسی معاہدے کے متعلق کسی قریشی شاعر نے کہا تھا کہ!

سَاقِیْ الحجیج و ھٰذا نَاشِرُ فَلِجٌ
والمَجْدُ یُورِثُ اَحْمَا سًا و اَسْدَا سا

اگر تو تیم بن مرہ ہاشم اور زہرۃ الخیر سے ابن جدعان کے گھر میں درخواست کرے تو تجھ پہ واضح ہو جائے گا کہ۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَیمَ بن مُرَّۃَ اِنْ سَاَلْتَ وھَا شِماً
وَزُھَرَ ۃَ الخَیْرِ فِی دَارِ ابنِ جُدْعَانِ

ان لوگوں نے پکارنے والے کی پکار پر مدد کو آنے کے لیے حلف اٹھا رکھا ہے جب تک کبوتری کمتان کے کھجور کے پیڑوں کی شاخوں پہ گاتی رہے گی یہ اسی طرح اس کی مدد کو آتے ہیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

معاہدہ حلف الفضول اگرچہ دورِ جاہلیت کا ایک فعل تھا جس کی اس وقت شدید سیاسی ضرورت تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی نیز آپ ﷺ نے جو کچھ اس کی تائید میں فرمایا اس کی وجہ سے یہ ایک شرعی حکم اور نبوی فعل بن گیا تھا۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ وہ بھی ہے جس کو اہل قریش حلف المطبین کے نام سے جانتے ہیں جسے سیرۃ ابن اسحاق سے ابن ہشام نے اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ جب قصیٔ کی وفات ہوئی اور اس کے بیٹوں نے اپنی قوم اور دیگر لوگوں میں حکومت کے کام کو اس کے بعد بھی بدستور جاری رکھا۔ تب انھوں نے شہر مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا علاوہ اس خطے کے جو قصی نے اپنی قوم کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ ان ٹکڑوں کو اپنی قوم میں اور دیگر لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً ان کے حلیفوں میں اور وہ انھیں بیچ دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصے تک قریش نے ان کا ساتھ دیا اور ان میں کسی قسم کا اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہوا۔ مگر پھر بنی عبد مناف بن قصی بن عبد شمس بنی ہاشم بنی مطلب اور نوفل نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ وہ بنی عبد الدار بن قصی کے قبضے سے وہ تمام امور واپس لے لیں گے جو قصی نے عبد الدار کے لیے مقرر کیے تھے۔

مثلاً حجابت، لواء سقایہ اور رفادہ وغیرہ، ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی قوم میں اپنے شرف اور فضیلت کی وجہ سے ان امور کے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ اس بات پہ قریش آپس میں منقسم ہو گئے اور ان کے مختلف گروہ بن گئے۔ ایک گروہ بنی عبد مناف اور اس کی رائے سے متفق تھا اور ان کی یہی رائے تھی کہ بنی عبد مناف بنی عبد الدار کے مقابلے میں ان مناصب کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے بنی عبد مناف بنی عبد الدار کے ساتھ تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ جو کچھ قصی نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا وہ ان سے نہ چھینا جائے بنی عبد مناف کا سردار عبد شمس بن عبد مناف تھا اور بنی عبد الدار کا سردار عامر بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرۃ بن کعب اور بنو الحارث بن فہر بن مالک بن النضر بنی عبد مناف کے ساتھ تھے اور بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ، بنو سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب اور بنو عدی بن کعب بنی عبد الدار کے ساتھ تھے۔ عامر بن لوئی اور محارب بن فہر غیر جانبدار رہے تھے۔ چنانچہ ہر گروہ نے اپنے موقف کے ضمن میں پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

بنو عبد مناف کی کوئی عورت خوشبو سے بھرا پیالہ لے آئی تھی جسے اس نے کعبہ کے ساتھ رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سب نے اس پیالے میں ہاتھ ڈبوئے اور عہد کیا کہ اس جنگ میں وہ دل و جان سے اپنے حلیفوں کا

ساتھ دیں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام مطیبین پڑ گیا۔ اُدھر بنو عبدالدار اور ان کے حلیفوں نے بھی کعبہ کے پاس عہد کیا اور پختہ قسمیں کھائیں کہ وہ ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ ان کو مورخین نے احلاف کے نام سے یاد کیا ہے۔ جب جنگ کی آگ بھڑکنے کو تھی تب ان کے اہل دانش نے محارب گروہوں کو صلح کی دعوت دی جس میں قرار پایا کہ بنی عبد مناف کے پاس رفادہ اور سقایہ کا انتظام دے دیں گے اور حجابت اور لواء اور ندوہ حسب سابق بنی عبدالدار ہی کے پاس رہیں گے۔ اس طرح جنگ کی وہ آگ بجھ گئی اور وہ بدستور اسی حالت میں رہے حتیٰ کہ ان کے
درمیان نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

اہل عرب کی عادات وخصائل میں اجتماعی زندگی کے خدوخال انتہائی پختہ تھے اور ان کا باہمی تفاخر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہاں انفرادی فخر کی بجائے قبیلے کی مفاخرت کو اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ عرب جہاں بھی جمع ہوتے اپنے قبیلے کی مفاخرت بیان کرتے۔ اگرچہ اس میں انفرادی شجاعت کو بھی نظر انداز نہ کیا جاتا ان کا ہر فرد اپنی ذات کو اپنے قبیلے کی عظمت کے مقابل ہیچ تصور کرتا اس لیے ان کے اجتماعات میں بھی ان عرب قبائل کی برتری اور عظمت کے تذکرے کو اولیت حاصل تھی۔ چونکہ اہل عرب کسی ایک مذہب بلکہ شاید حقیقی معنوں میں کسی بھی مذہب کے پیرو نہ تھے اس لیے ان کے اجتماعات کی نوعیت بھی الگ الگ تھی اور ان کے رسم رواج بھی الگ تھے۔ یہاں ہم نے ان کے جن اجتماعات کا ذکر کیا وہ عربوں کی مجموعی ہیت پہ دلیل ہیں مگر وہ عرب جو سنجیدگی سے سے خود کو کسی مذہب کا پیرو جانتے تھے ان کے اجتماعات کی نوعیت قدرے مختلف تھی جس کا مختصر تذکرہ آگے بیان کیا جارہا ہے۔

اُن کے اخلاق اُن کے عقائد نے وضع کیے تھے اور اُن کے عقائد خود ساختہ اور گمراہ کن تھے اس لیے اُن کی عیدیں اور تہوار بھی مشرکانہ رسم و رواج کا مجموعہ تھے جن میں وہ بری طرح الجھ چکے تھے۔

عربوں کے تہوار

یاد رہے کہ ہر اس اجتماع کو عید کہا جاتا ہے جو ایک معتاد طریقے سے بار بار آتا ہے خواہ یہ تہوار یا اجتماع سال بعد لوٹے یا مہینے یا ہفتے کے بعد۔ چنانچہ عید سے مراد یہ ہوا کہ وہ ایک لوٹ کر آنے والا دن ہے۔ مثلاً یوم الفطر یا یوم الجمعہ، دوسرے اس دن کا اجتماع اور تیسرے وہ اعمال جو اس کے تابع ہوں مثلاً عبادات اور عادات۔ عربوں کے اجتماعات اور عیدیں بعض اوقات ایک جگہ کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں اور بعض اوقات عام دنوں سے۔ ان میں سے ہر ایک کو عید کہا جاتا ہے اور زمانے کی مثال کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ!

"اِنَّ ھٰذا یَوْمٌ جَعَلَہُ اللّٰہُ لِلْمُسْلِمِیْنَ عِیْداً

اللہ نے اس دن کو مسلمانوں کے لیے عید بنایا ہے"

اس سے آپ ﷺ کی مراد جمعہ کے دن سے تھی۔ پھر ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ میں عید کے موقع پر نبی اکرم ﷺ ابو بکرؓ اور عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا۔ آنحضرت محمد ﷺ کا اس شخص کو جس نے یہ نظر مانی تھی کہ وہ بوانہ میں اونٹ ذبح کرے گا سے یہ پوچھنا کہ جس جگہ تم اونٹ ذبح کرنا چاہتے ہو کیا وہاں کوئی بت ہے۔ اس نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہاں کوئی میلہ لگتا ہے تو اس نے نہیں یا رسول اللہ۔ تب نبی اکرم ﷺ نے اسے اونٹ ذبح کرنے اور اپنی نذر کو پورا کرنے کی اجازت دی۔

ابن قتیبہ نے ادیان عرب میں بیان کیا ہے کہ عرب مختلف قبیلوں اور مختلف مذاہب میں منقسم تھے۔ چنانچہ ربیعہ غسان اور قضاعہ کے بعض گھرانوں کا مذہب نصرانیت تھا جب کہ حمیر بنی کنانہ بنی الحارث بن کعب اور کندہ کے چند گھرانوں میں یہودیت پائی جاتی تھی اور بنو تیم کے کچھ لوگ مجوسی تھے۔ زرارہ بن عدس تیمی اور اس کا بیٹا حاجب بن زرارہ انھی میں سے تھا جنھوں نے مجوسیت کی پیروی میں اپنی بیٹی سے شادی کر لی مگر چونکہ وہ عرب تھا اور اس کی نسوں میں وہی غیرت و حمیت والا عرب خون تھا اس لیے بعد میں وہ اپنے اس فعل پر سخت نادم ہوا۔ اور انھی میں اقرع بن حابس تھا جو مجوسی تھا۔ وکیع بن حسان کا دادا بھی مجوسی تھا۔ قریش کے چند گھرانے ملحد بھی تھے۔[73*] بنو حنیفہ نے عہدِ جاہلیت میں ایک بت بنایا تھا اور وہ اس کی پرستش کرتے تھے جس کا نام حیس تھا۔ ایک مدت تک عبادت کرنے کے بعد جب ان کے ہاں قحط کی سختی بڑھی تو وہ اپنے بت کو کھا گئے۔

اس پر بنو تمیم کے ایک شخص نے یہ شعر کہے!

اَکَلَتْ رَبَّهَا حَنِيْفَةُ مِنْ جُوْ
عٍ قَدِيْمٍ بِهَا وَ مِنْ اِعْوَازٖ

بنو حنیفہ نے بھوک اور ناداری کی وجہ سے قدیم زمانے میں اپنے ہی رب کو کھالیا تھا۔"

اور ان کے کسی اور شاعر نے کہا تھا کہ!

اَکَلَتْ حَنِیْفَۃُ رَبَّھَا
زَمَنَ التَقَحُّمِ وَالتَّبَاعَۃْ

کہ بنو حنیفہ نے قحط اور گرسنگی کے زمانے میں اپنے رب کو کھالیا تھا۔"

لَمْ یَحْذَرُوْا مِنْ رَّبِّھِمْ
سُوْءَ العَوَاقِبِ وَالتَّبَاعَہْ

اور وہ برے انجام اور اپنے رب کی گرفت سے نہیں ڈرے۔"

جاہلیت کے زمانے میں عرب کے بت پرستوں کی بہت سی عیدیں تھیں جن میں بعض مکانی تھیں اور بعض زمانی۔ان کی مکانی عیدیں بہت سی تھیں اور یہ ان کے بتوں کی جگہیں اور ان طاغوتوں کے مکانات تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے جس کی وجہ سے انھیں بت پرست کہا جاتا تھا جن کی خاطر وہ عید مناتے تھے اور سفر کرتے تھے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر یوں کیا ہے!

اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

"کیا تم نے لات وعزیٰ اور ایک تیسرے مناۃ کو دیکھا ہے اور کیا تمہارے لیے اولادِ نرینہ ہو اور اس کے لیے مادہ ہو یہ تو بڑی ہی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔"

عربوں میں خاص طور پہ ان تین بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ اگرچہ عام طور پہ پوجے جانے والے بتوں کی تعداد لامحدود تھی اور بعد کے لوگ ان سب سے آگاہ نہیں رہ سکے۔ چنانچہ عرب کے ان تینوں بتوں کے الگ الگ شہر تھے۔ وہ شہر جو خالص عربوں کے شہر تھے جو حرم اور میقات حج کی جہت میں تھے وہ تین ہیں یعنی مکہ مدینہ اور طائف۔ ان میں سے لات اہل طائف کا بت تھا جس کے بارے میں حاصل شدہ تاریخی آثار یہ بتاتے ہیں کہ پچھلے زمانوں میں لات دراصل ایک خداترس آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستو بھگویا کرتا تھا۔ پھر جب وہ مر گیا تو عرب مدت مدید تک اس کی قبر پہ ہی مقیم رہے اور اس کی تعریف کرتے رہے۔ پھر انھوں نے اس کا بت بنالیا اور اس کی پوجا شروع کردی۔ انھوں نے لات کے لیے ایک عمارت بھی تعمیر کردی جس کا نام انھوں نے "بیت الربۃ" رکھا۔

عزیٰ اہل مکہ کا بت تھا جو عرفات کے قریب تھا۔ وہاں ایک درخت تھا جس کے پاس اہل مکہ اپنے جانور ذبح کیا کرتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ وہ اس بت کو ختم کردیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کو گرادیا اور اس کے اموال لوگوں میں بانٹ دیئے۔ اس جگہ سے ایک شیطانی عورت نکلی جس نے اپنے بال پھیلا رکھے تھے اور وہ اس بات سے مایوس ہوچکی تھی کہ اب کبھی عزیٰ کو پوجا جائے گا۔ مناۃ مدینے کے لوگوں کا بت تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے وہ اس کے لیے احرام باندھا کرتے تھے۔ یہ بت مکے اور مدینے کے درمیان ساحل کی جہت سے قدید پہاڑ کے بالمقابل تھا۔ اپنے ان تینوں معبودوں کی خاص پوجا کے لیے عربوں نے سال بھر میں مخصوص موسم مقرر کررکھے تھے وہ ہر پہاڑی راستے سے عرب ان کا قصد کرکے آتے تھے اور بیت اللہ کی طرح ان کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کے لیے پجاری اور دربان مقرر تھے جن کے لیے لوگ تحائف اور چڑھاوے لے کر آیا کرتے تھے۔ وہ اپنے ان بتوں کا طواف کرتے اور وہاں اپنے جانور ذبح کرتے۔ تاہم یاد رہے کہ جہالت کے اندھیروں میں بھی ان کے لاشعور میں یہ بات موجود تھی کہ سب سے افضل اور عبادت کے لائق اللہ کا وہی گھر ہے جو ان کے لیے ان کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جو مکہ میں تھا اور جس کو کعبۃ اللہ کہا جاتا تھا[*74]۔ ان کی ایک اور عبادت گاہ یا جاہلیت کا گھر "ذوالخُلَصہ" تھا جسے وہ لوگ یمن یا شام کا کعبہ کہا کرتے تھے۔ تاہم جب اسلام کو طاقت حاصل ہوگئی اور اللہ کا دین ہی ہر طرف چھانے لگا تب رسول اللہ

ﷺ نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے فرمایا کہ کیا تو ذوالخلصہ کو تباہ کرکے میرے دل کو راحت نہ پہنچائے گا۔تب حضرت جریرؓ ایک سو پچاس سوار لے کر نکلے اور شرک کے اس گھر کو تباہ کرکے رکھ دیا۔حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ ہم وہاں پہنچے اور ہم نے شرک کے اس گھر کو اجاڑ دیا وہاں موجود اس کے تمام پجاریوں کو قتل کر دیا۔ازاں بعد ہم وہاں سے واپس ہوئے اور اس امر کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کی جنھوں نے ہمارے لیے اور قریش کے لیے خیر کی دُعا فرمائی۔دوسری روایت میں ہے کہ جریرؓ کے قاصد نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجا ہے میں واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ اس بت کدے کی حالت کسی خارشی اونٹ کی طرح نہیں کر دیتا۔

راوی کہتا ہے کہ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اہل قریش کے ان سواروں اور آدمیوں کے حق میں پانچ بار دعا فرمائی۔نجران کے لوگ ایک بہت اونچی کھجور کی پوجا کیا کرتے تھے اور ہر سال وہاں عید مناتے اس درخت پر جو شرک کی علامت تھا اس کا میلا لگاتے۔وہ اپنی اس عید پر ہر قسم کا خوبصورت کپڑا اور زیور پہن کر نکلتے اور اس کھجور کے اردگرد ڈیرے ڈال دیتے اور اپنا سارا دن وہیں گذارتے۔پھر اہل نجران کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ اہل نجران کے کسی بڑے آدمی نے ایک غلام خریدا جس کا نام فیمون تھا۔فیمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیرو تھا اور مذہب نصرانیت میں انتہائی پختہ تھا۔وہ ایک نہایت ہی صالح شخص تھا۔وہ دن بھر تو اپنے آقا کی خدمت اور اس کے کام کاج میں لگا رہتا اور رات کو اپنے اللہ کی عبادت کرتا۔اس کے آقا نے ایک دن دیکھا کہ اس کا غلام جب رات کی نماز کے لیے اٹھتا ہے اور عبادت میں محو ہو جاتا ہے تو ایک نور اس کا احاطہ کر لیتا ہے جس سے وہ سارا مکان روشن ہو جاتا ہے جو اس کے غلام فیمون کے زیر استعمال تھا۔فیمون کے آقا کو اس کی عبادت اور اس کے گرد پھیلے نور کی اس کیفیت نے بہت متاثر کیا۔اگلی صبح اس نے فیمون سے پوچھا کہ اس کا مذہب کیا ہے اور اس کی تعلیمات کیا ہیں۔جس پہ فیمون نے نہ صرف اسے اپنے دین کی تعلیمات سے متعارف کرایا بلکہ اس کو یہ بھی بتایا کہ یہ جو تم لوگ اس کھجور کی پوجا کرتے ہو تم باطل پہ ہو۔میں حق پر ہوں اگر میں چاہوں تو اپنے خدا سے دعا کروں اور وہ اس کھجور کو تباہ کر دے۔فیمون کا یہ بیان سن کر اس کا آقا حیران رہ گیا اور کہنے لگا کیا ایسا ممکن ہے۔فیمون نے جواب دیا بالکل ممکن ہے تب اس کے آقا نے کہا تم اپنے خدا سے درخواست کرو اگر تمھارا خدا سچا نکلا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور میرے حلیف جو تمام نجران میں موجود

ہیں اپنا پرانا دین چھوڑ دیں گے اور تیرا دین پنالیں گے۔ اس پہ فیمون نے کہا کہ چلو اس کے لیے آج ہی کی رات مقرر کر لیتے ہیں۔ رات کو فیمون نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر اہل نجران کی ہدایت کی دعا کی۔ اُس رات ایک تند و تیز آندھی آئی اور کھجور کے اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر لے گئی جس کی پوجا اہل نجران کیا کرتے تھے۔ تب پہلے فیمون کے آقا نے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ اہل نجران کی پوری بستی نے نصرانیت قبول کر لی اور عیسیٰ بن مریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو گئے اس طرح عرب کے علاقہ نجران میں عیسائیت پھیل گئی اور وہ لوگ مدتوں اس پر قائم رہے حتیٰ کہ اسلام کی ابدی تعلیمات لیے عرب ان کے آنگنوں میں اترے اور وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ہدایت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

تذکرہ آبائے عرب

سب تعریفوں کا حق دار وہی اللہ ہے جس کی شان بلند اور اقتدار عظیم ہے۔ جس کی قدرت تمام زمانوں اور پوری کائنات کو محیط ہے۔ جس کا نہ کوئی ہم سر ہے اور نہ کوئی شریک۔ وہ اکیلا ہے اور تمام تصرفات کا مالک ہے۔ جس کی حکمت نے تمام عقلوں اور ذہنوں کو متحیر کر رکھا ہے۔ جس کی شان بیان کرنے کے لیے تمام سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں تب بھی وہ ناکافی ثابت ہوں۔ وہ جو ہمارا رب ہے جس کی صفات اعلیٰ اور حکمت سب سے بالا ہے۔ جس کی عظمت و رفعت تخیل انسانی سے وراء ہے۔ جس نے اپنے احسان کے بدلے انسان کو شکر کی نعمت عطا کی۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ ازاں بعد اللہ کے رسول ﷺ پہ درود و سلام ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے افضل ترین گھرانے میں پیدا کیا۔ جس کا پودا لگانے کے لیے معزز ترین خاندان کو چنا اور آپ ﷺ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں پیدا کیا۔ عربوں کے آباء کے بارے میں مورخین کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ ان کی نسل حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ چنانچہ سیرت کے قدیم ترین ماخذ سیرت ابن اسحاق ؒ کی شرح لکھتے ہوئے امام ابن

ہشام[75*] نے لکھا ہے کہ عرب تمام کے تمام حضرت اسماعیل ؑ اور قحطان کی اولاد ہیں، انھوں نے قحطان کو ہی ابو العرب قرار دیا ہے۔ ابن اسحاق ؒ [76*] نے عربوں کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح ؑ اور سام بن نوح ؑ کی ساری اولاد کو عرب کہا جائے گا۔ ابن سحاق ؒ ہی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم ؑ کی اولاد میں عدنان سے قبیلے متفرق ہوئے عدنان کے دو بیٹے تھے جن کے نام مورخین نے عک اور معد بیان کیے ہیں۔ بعض مورخین نے یعرب بن یشعب بن نابت بن اسماعیل ؑ کو عربوں کا باپ کہا ہے تاہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ یشعب بھی تو عدنان اور قحطان ہی کی اولاد ہے۔

قبیلہ عک نے یمن میں سکونت اختیار کر لی اور عک نے اپنی شادی اشعری خاندان میں کر لی اس لیے ان کو اشعریین بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایک بار پھر عک اور عدنان کے خاندان یکجا ہو گئے۔ کیونکہ اشریین کا نسب بھی عدنان تک جاتا ہے۔ ابن اسحاق ؒ نے ان کا نسب یوں بیان کیا ہے۔ ''اشعر بن نبت بن اود بن زید بن ہمیسع بن عمرو بن عریب بن یشجب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان'' اس طرح اشعر سبا بن یشجب کا بیٹا ہوا۔ سبا جس کو سبا اکبر بھی کہا جاتا ہے کے بطن سے عربوں کی ایک نامور قوم ہوئی ہے جس کا احوال پیچھے گزر چکا ہے۔ چنانچہ معد بن عدنان کا ایک شخص عباس بن مرداس اپنے اس شعر میں قبیلہ عک پہ فخر کرتا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ قحطان کی اولاد ہی عرب کہلائے گی۔

وَعَكُّ بْنُ عَدْنَانَ الَّذِيْنَ تَلَقَّبُوْا
بِغَسَّانَ حَتّٰى طُرِّدُوْا كُلَّ مَطْرَدِ

بنی عک بن عدنان وہی لوگ ہیں جنھوں نے بنی غسان کا لقب حاصل کر لیا تھا حتی کہ وہ چاروں طرف پھیلا دیئے گئے۔

دیگر مورخین مثلاً علامہ ابن جریر طبری[77*] نے بھی عربوں کا نسب تقریباً یہی بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ارم بن سام بن نوح کے بیٹے عوص بن ارم اور حویل بن ارم تھے۔ پھر عوص بن ارم کے بیٹے

غائر بن عوص عاد بن عوص اور عبیل بن عوص تھے ان میں سے عاد بن عوص نے ناموری حاصل کی۔ان کا تذکرہ اس کتاب میں پیچھے گزر چکا ہے،انھیں ہی عادِارم کہا جاتا تھا۔پھر عاصر بن ارم کے بیٹے ثمود بن غاثر اور جدلیس بن غاثر تھے اور یہ سب عرب ہی تھے۔ثمود بن غاثر بھی عربوں کی نامور قوم تھی جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح ؑ کو مبعوث کیا تھا۔ان کا ذکر بھی سیرۃ المزمل جلد دوم میں گزر چکا ہے۔پہلے یہ لوگ مصری زبان بولتے تھے اس لیے عرب اِن کو عرب عاربہ کہتے ہیں۔

یہ اِن کی فطری زبان تھی اور اسمٰعیل بن ابراہیم ؑ کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے اِن قوموں کی یہ زبان ان کے درمیان رہنے کی وجہ سے بولنی شروع کی۔پس ثابت ہوا کہ عاد و ثمود اعمالیق،امیم ،جاسم،جدلیس اور طسم ہی اصل عرب تھے،عاد و ثمود کی قومیں عذاب الٰہی کی وجہ سے تباہ ہوگئیں۔طسم اور جدلیس کی تاریخ گم ہوگئی۔اغلب یہی ہے کہ وقت نے ان کو بھی تباہ کر دیا ہوگا۔تاہم عمالیق اور امیم کے کچھ نشانات بعد کے زمانوں تک باقی رہے۔عاد و ثمود کا تذکرہ بھی صرف اس لیے زندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نشان عبرت کے طور پہ قرآن میں جگہ دی۔چنانچہ عادِارم یعنی قوم سبا اور اس کے بعد قوم ثمود کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَى أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ○ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ○ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ○ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ سورۃ سبا ۳۴ / ۱۹ - ۱۵)

ترجمہ؛

اور سبا کے لیے اُن کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں کہ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجا لاؤ۔ اُس کا ملک ہے عمدہ اور پاکیزہ۔ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا، مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے اُن پر بند توڑ کر سیلاب بھیج دیا اور اُن کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انھیں دیئے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں، یہ تھا اِن کے کفر کا بدلہ جو ہم نے اِن کو دیا اور ناشکرے انسانوں کے سوا ایسا بدلہ ہم کسی اور کو نہیں دیتے اور ہم نے اُن کے اور اُن کی بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں بسا دیں اور اُن میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دیں تھیں کہ چلو پھرو اِن راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔ مگر انھوں نے کہا! اے ہمارے رب ہماری مسافتیں لمبی کر دے اور انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور آخر کا ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور نہیں بالکل تتر بتر کر دیا اور یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صابر و شاکر ہو۔ [*78]

××××××××

مزید ارشاد ہوا کہ:

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ O قَالُواْ يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هَـذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ O

القرآن الحكيم (سورة سورة هود ١١/ ٦٢)

ترجمہ:

اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا! اُس نے کہا " اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا، لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اسی کی طرف پلٹ آؤ یقیناً میرا رب قریب ہے

اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے انھوں نے کہا اے صالح علیہ السلام اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایک ایسا شخص تھا جس سے ہماری بڑی توقعات وابستہ تھیں! کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے"

××××××

قوم سبا کے متعلق حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ!

فروہ بن مسیک غطیفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

اور فروہ بن مسیک غطیفی کا تعلق قوم سبا سے تھا!

یارسول اللہ ﷺ۔

میری قوم کے لوگ جو سامنے آچکے ہیں یعنی ایمان لا چکے ہیں کیا میں انھیں ساتھ لے کر قوم کے اُن لوگوں سے نہ لڑوں جو پیچھے رہ گئے ہیں یعنی ہنوز ایمان نہیں لائے؟

آنخضرت محمد ﷺ نے فرمایا!

ضرور کیوں نہیں۔

چنانچہ آنخضرت ﷺ نے مجھے ایک لشکر کا امیر بنایا اور اہل سبا سے لڑنے کی اجازت عطا فرمائی۔

میں حضور ﷺ کے پاس سے گزرا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پہ قوم سبا کے بارے میں وحی نازل کی۔

نزول وحی کے بعد آنخضرت محمد ﷺ نے لوگوں سے پوچھا؟

غطیفی نے کیا کِیا؟

لوگوں نے کہا!

وہ تو چل نکلا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پیچھے آیا اور اُس نے مجھے پالیا۔

میں نے اپنا لشکر وہیں چھوڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اپنے اصحابؓ کے ہمراہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا:

(**اُدع القوم فمن اجابك منهم فاقبل و من ابی فلا تجعل علیہ حتّٰی تُحدّث الیّ**)

قوم سبا کو اسلام کی دعوت دے اور اُن میں سے جو اِس دعوت کو مان لے اور مسلمان ہو جائے اُس کو قبول کر اور جو انکار کرے اس پر جلدی نہ کر۔

یعنی فی الفور اُن کے خلاف کاروائی نہ شروع کر دینا تا آنکہ مجھے اطلاع کر لے۔

حاضرین میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا؟

یارسول اللہ ﷺ سبا کیا ہے؟ کیا یہ کوئی زمین ہے یا کسی عورت کا نام؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وہ نہ کوئی عورت ہے نہ کوئی زمین بلکہ یہ ایک شخص تھا جس سے عرب کے قبائل پیدا ہوئے۔

جن میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے۔ یعنی آزو، کندہ، حمیر، اشعر، انمار اور مذحج۔

اور چار شام میں آباد ہوئے جن میں لخم، جذام، دفان اور عاملہ شامل ہیں۔

لوگوں نے پوچھا؟

یارسول اللہ ﷺ انمار کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

انمار وہی ہیں جن سے قبائل خثعم یعنی بجیلہ نکلے"۔[*79]

××××××××

چنانچہ جب سدِ مارب ٹوٹا اور قوم سبا خوار ہو گئی تو عربوں کے مشہور شاعر اعشیٰ نے ان کا مرثیہ کہا!

اہل عرب کے ماہرین نسب نے اعشیٰ کا نسب یوں بیان کیا ہے۔

"اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن ہنب بن اقصی بن جدیلہ بن

اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد‘‘[*80]

اعشیٰ کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

وَفِیْ ذَاكَ لِلْمُؤْتَسِیْ اُسْوَۃٌ

وَمَأرِبُ عَفیٰ عَلَیْہَا الْعَرِمُ

سدِ مآرب کی بربادی کا واقعہ نمونے کے طلب کے لیے ایک عبرتناک نمونہ ہے اور سیلاب نے مآرب جیسے مقام کی صورت بدل دی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

رُخَامٌ بَنَتہٗ لَھُمْ حَمْیَرٌ

اِذَا جَاءَ مَوَّارُہٗ لَمْ یَرِمُ

وہ سراپا سنگ رخام کا بند جسے حمیر نے بنایا تھا جب کبھی اس میں موجیں آتیں یعنی پانی طغیانی کی شکل اختیار کرتا تو اسے ذرا بھی جنبش نہ ہوتی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَاَرْوَی الزُّرُوْعَ وَ اَعْنَا بَھَا

عَلٰی سَعَۃٍ مَا وُھُمْ اِذْقُسِمُ

اس بند کے پانی نے کھیتوں کو سراب کیا اور اس بستی کے انگور کی بیلوں کو سینچا اور جب پانی تقسیم ہوتا تو اس کی ریل پیل ہوتی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَصَارُوْا اَيَادِيَ مَا يَقْدِرُوْ
نَ مِنْهُ عَلٰى شُرْبِ طِفْلٍ فُطِمْ

پھر وہ ایسے تہی دست ہوئے کہ ایک دودھ چھڑائے ہوئے بچے تک کو اس سے ایک چلو پانی پلانے کی قدرت نہ رکھتے تھے یعنی ذرا سا پانی بھی اس میں باقی نہ رہا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مِنْ سَبَا الْحَاضِرِيْنَ مَارِبَ اِذْ
يَبْنُوْنَ مِنْ دُوْنِ سَيْلِهِ الْعَرِمَا

ہم قبیلہ سبا میں سے ہیں جو مآرب کے پاس اس وقت موجود تھے جب اِس کے پانی کے بہاؤ کے اُس پار لوگ بند باندھ رہے تھے۔[*81]

❖❖❖❖❖❖❖❖

قبیلہ غسان یمن میں مآرب کے بند پر ایک پنگھٹ پہ اترے۔ یہ مازن بن اسد بن الغوث کی اولاد کا پنگھٹ تھا۔اس لیے بنی مازن اسی نام سے معروف ہوگئے۔بعض کہتے ہیں کہ غسان مشلل میں ایک پنگھٹ کا نام تھا جو جحفہ سے قریب ہے اور جو لوگ اس پنگھٹ سے پانی پیتے رہے وہ مازن بن اسد بن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی اولاد کے کچھ قبیلے تھے جنھیں بعد میں اہل غسان کے نام سے پکارا گیا۔انصار جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی مدد کی تھی وہ حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امراء القیس بن ثعلبہ بن مازن بن الاسد بن الغوث کی اولاد سے تھے۔عربوں کے مشہور شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کی مدح کیا کرتے تھے انھی میں سے تھے۔

اُن کا ایک شعر ہے:

اِمَّا سَاَلْتِ فَاِنَّا مَعْشَرٌ نُجُبٌ
اَلْاَسْدُ نِسْبَتُنَا وَالْمَاءُ غَسَّانُ

کیا تُو نے کسی سے پوچھا نہیں کہ ہمارا تعلق عربوں کے اشراف سے ہے بنی اسد ہمارا قبیلہ اور غسان ہمارا پنگھٹ ہے۔

اہل یمن اور قبیلہ عک میں سے بعض لوگوں نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ عک بن عدنان بن عبداللہ بن الاسد بن الغوث کے خاندان سے ہیں۔ حالانکہ وہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ ابن اسحاقؒ نے مزید لکھا ہے کہ معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ نزار، قضاعہ، قُنص اور ایاد۔ ان میں سے قضاعہ سب سے بڑا تھا۔ قضاعہ حمیر بن سبا کے پاس جا بسا تھا۔ تاہم سیرت ابن ہشام لکھتے ہوئے ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ سے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ اہل یمن تو یہ کہتے ہیں کہ قضاعہ مالک بن حمیر کا بیٹا ہے۔ اپنی دلیل کو مستحکم کرنے کے لیے ابن ہشامؒ نے عربوں کے ایک قدیم شاعر عمرو بن مرہ جہنی کے یہ اشعار پیش کیے ہیں۔

نَحۡنُ بَنُو الشَّيۡخِ الۡهِجَانِ الأَزۡهَرِ
قَضَاعَةَ بۡنِ مَالِكِ بۡنِ حِمۡيَرِ

ہم عالی خاندان سے ہیں ہمارے چہرے روشن ہیں، ہم مشہور بزرگ قضاعہ بن مالک بن حمیر کی اولاد سے ہیں۔

النَّسَبِ الۡمَعۡرُوۡفِ غَيۡرِ الۡمُنۡكَرِ
فِي الۡحَجَرِ الۡمَنۡقُوۡشِ تَحۡتَ الۡمِنۡبَرِ

اور یہ وہ نسب ہے جسے سارا عرب جانتا ہے، جو مشہور ہے، ہم گمنام نہیں بلکہ زیر منبر پتھر میں منقوش ہیں[*82]۔

ابن اسحٰقؒ نے مزید لکھا ہے کہ بنی معد کے علمائے نسب کا خیال تھا قنص بن معد میں سے جو لوگ باقی بچے تھے وہ سب کے سب تباہ ہو گئے اِن میں سے صرف نعمان بن منذر کا خاندان نظر آتا ہے جو حیرہ کا حکمران تھا۔باقی سب تاریخ کے اندھیرے میں گم ہو گئے ۔ابن اسحاقؒ نے کہا کہ مجھ سے محمد بن عبداللہ بن شہاب زہری نے بیان کیا کہ نعمان بن منذر قُنص بن معد کی اولاد میں سے تھا۔بعض مورخین نے اسے قُنص کی بجائے قَنص بن معد بھی لکھا ہے۔پھر یعقوب بن مغیرہ بن الاخنس نے انصارِ مدینہ کے ایک شیخ سے روایت کی کہ نعمان بن المنذر کی تلوار حضرت عمر فاروقؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے جبیر بن معطمؓ بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصیٰ کو بلایا اور جبیرؓ علمائے قریش میں سب سے زیادہ نسب جاننے والے تھے۔بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ قریش کے علاوہ اِن کو سارے عرب کا نسب ازبر تھا۔وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے علم الانساب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے اور وہ عربوں کے نامور نسب داں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن سے پوچھا؟ کہ یہ تلوار نعمان بن منذر کی ہے تم کس کو اس کا حق دار جانتے ہو۔جبیرؓ مسکرائے اور کہا کہ وہ خود ہی اس کے حقدار ہیں۔اس لیے کہ نعمان بن منذر قنص بن معد کے پس ماندوں میں سے تھا۔اگرچہ عرب یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ بنی لخم میں سے تھا جو ربیعہ بن نضر کی اولاد ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی[83*] نے عربوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بلوغ الارب میں لکھا ہے کہ عربوں کا شمار دنیا کی قدیم ترین اقوام میں کیا جا سکتا ہے۔عرب ایک ایسی قوم ہے جو دیگر اقوام سے ازروئے گویائی، فصاحت اور بلاغت بیان میں بہت آگے تھی۔یہی وجہ ہے کہ انھیں یہ نام دیا گیا۔اس لیے عرب کے لفظی معنی ہیں "اظہار و بیان" چنانچہ جب کوئی شخص اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا تو عربوں میں کہا جاتا کہ:

اِعْرَبَ الرَّجُل عَمَّافی ضَمِیْرِہٖ

کہ فلاں نے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔

اور آنحضرت محمد ﷺ نے انھی معنی میں فرمایا کہ:

اَلثَّیِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِهَا

”ثیب اپنے دل کی بات خود ہی ظاہر کرے گی“ [*84]

××××××××

اس لیے یہ بات ظاہر ہے کہ تمام قوموں میں اہل عرب کی فصاحت اور بلاغت کسی مخصوص علامت کے طور پہ جانی جاتی ہے۔ یہ بات بھی بیان کی جاچکی ہے کہ عربوں کا شمار دنیا کی قدیم ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ یہ قوم طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد عاد اور ثمود عمالقہ، طسم، جدیس، امیم اور جرہم کے ناموں سے جانی جاتی رہی۔ حضرموت اور سام بن نوح کی اولاد میں یہ قوم عرب عاربہ کے طور پہ پہچانی جاتی ہے۔ پھر جب یہ زمانہ بھی گزر گیا اور یہ قومیں ختم ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جس طرح چاہا اِن کو نابود کردیا۔ ازاں بعد عرب قوم حمیر کہلان اور شاہانِ تبع کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ تاہم اِن کے علاوہ کچھ دیگر قبائل بھی تھے جو نسب میں عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح سے تعلق رکھتے تھے اور عربوں کی طرف منسوب ہوئے۔ پھر اسی حالت میں عرصہ دراز گزر گیا اور حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام بن تارخ کو نبوت کے لیے چن لیا۔

تارخ کا اصلی نام آذر بن ناحور بن ساروخ بن ارغو بن فالغ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نمرود کی شاہی میں دعوت اور پھر اللہ کے حکم سے حجاز کی طرف روانگی کے واقعات تفصیلاً پیچھے گزر چکے ہیں اس لیے اِن کو دوہرانا عبث ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو سرزمین حجاز میں بسایا اور اللہ کے حکم سے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ کے قریب ہی آباد ہوگئے۔ پھر حجر کی اسی بے آب وگیا وادی میں قوم جرہم کے لوگ بھی بس گئے جس سے اِن کا میل جول حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑھا۔ انھوں نے اِن لوگوں کے ساتھ بہت ہی شفقت کا برتاؤ کا کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنا بچپن بنو جرہم کے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہی بتایا۔ انھوں نے اِن کی زبان بھی سیکھ لی تھی حالانکہ آپ کے والد کی زبان عربی نہ تھی۔ پھر جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بنو جرہم اور عمالقہ کی طرف مبعوث کیا جن کی بستیاں اب حجاز میں

آباد ہو چکیں تھیں۔ان میں بہت سے قبائل نے حضرت اسماعیل ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا اور اُن کے مطیع وفرمان ہو گئے۔ پھر اِن کی نسل بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت اسماعیل ﷺ ایک نئی نسل کے ابوالاعلیٰ بن گئے۔ ان کے مطیع قبائل کے بطن سے ربیعہ، مضر، ایاد، عک ،نزار اور عدنان کی قومیں برآمد ہوئیں جنھیں آج ہم عربوں کے نام سے جانتے ہیں۔حضرت اسماعیل ﷺ کی اپنی اولاد اِن عربوں کو ''**العرب التابعہ للعرب**'' کہا کرتے، پھر وقت نے اِن قوموں کی قوت کا بھی خاتمہ کر دیا اور اسلام کے آنے سے اِن کی سیادت ختم ہوگئی۔یاد رہے کہ عربوں کی بھی کئی اقسام تھیں اور یہ سوال بھی محققین میں زیر بحث رہا ہے کہ کن لوگوں پہ لفظ عرب کا اطلاق ہوگا۔اس لیے کہ دراصل لفظ عرب ایک ایسی قوم کا نام ہے جس میں چند اوصاف جمع ہو گئے ہوں۔یعنی یہ کہ اِن کی زبان عربی ہو، دوسرے یہ کہ نسب کے اعتبار سے وہ خالص عربوں کی اولاد ہوں تیسرے یہ کہ ان کا مسکن عرب کی سرزمین ہو یعنی وہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے ہوں۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ جزیرۃ العرب کی حدود بحیرہ قلزم سے لے کر بحیرہ بصرہ تک اور یمن میں حجر کی آخری حدود سے لے کر شام کی اولین سرحدوں تک ہیں۔اس طرح یمن کے بہت سے علاقے جزیرۃ العرب کا حصہ تصور ہوں گے مگر شام کا بہت سا علاقہ اس میں شامل نہ ہوگا۔عرب لوگ اس علاقے میں بعثت سے پہلے بھی آباد تھے اور بعد میں بھی رہتے چلے آئے ہیں مگر جب اسلام آیا اور بہت سے ملک فتح ہوئے، بہت ہی کثیر زمین عربوں کے زیرنگیں آ گئی تو عربوں نے ان ممالک میں بھی سکونت اختیار کر لی۔المشرق کی آخری حدود سے لے کر المغرب کی آخری حدود تک پھر شام کے ساحلی علاقوں سے لے کر آرمینیا تک عرب آباد ہونے لگے۔

حالانکہ اصلاً یہ علاقے ایرانی، رومی اور بربری قوموں کی آبادی پر مشتمل تھے۔پھر یہ علاقے بھی دو قسموں میں منقسم ہو گئے کچھ علاقے ایسے تھے جہاں کے باشندوں کی اکثریت عربی زبان بولتی تھی۔چنانچہ وہاں کے لوگ یا تو عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان جانتے ہی نہ تھے یا پھر عربی زبان کے ساتھ دوسری زبانیں بھی جانتے تھے۔اس طرح اِن کی زبان میں غیر عربی محاورہ داخل ہو گیا تھا۔یہ عالم شام عراق مصر اور اندلس وغیرہ کی بیشتر بستیوں میں تھا۔فارس اور خراسان کے علاقے کا حال بھی مدتوں سے ایسا ہی چلا آ رہا تھا۔پھر کچھ علاقوں میں عجمیوں کی اکثریت تھی اور انھی کا غلبہ تھا مثلاً ترکستان، خراسان، آرمینیہ اور آذر بائیجان وغیرہ۔یہ علاقے تین حصوں میں منقسم ہو گئے وہ جو ابتداء میں عربی تھے، وہ جو عربی بن گئے اور وہ

جو عجمی تھے۔اسی طرح اِن کے انساب کی بھی تین قسمیں ہوگئیں۔ کچھ وہ لوگ جو عربی نسل سے ہیں اور اب تک یا تو زبان اور سکونت دونوں اعتبار سے عربی ہیں یا صرف زبان کے اعتبار سے عربی ہیں مگر سکونت کے اعتبار سے نہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو عربی نسل سے ہیں بلکہ بنی ہاشم سے ہیں اور ان کی زبان اور سکونت دونوں عربی ہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی اصل کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ آیا وہ عربی نسل سے ہیں یا عجمی سے، خواہ ان کی زبان اور سکونت دونوں عربی ہوں اور ان دو باتوں میں سے اِن میں صرف ایک بات پائی جاتی ہو۔اسی طرح وہ زبان کے اعتبار سے بھی تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔ان میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جن کے الفاظ اور بول چال کا لہجہ دونوں عربی ہیں کچھ وہ ہیں جن کی زبان تو عربی ہے مگر وہ اصل عربی لہجے اور محاورے سے نابلد ہیں۔اس طرح عربوں کی یہ تقسیم عمل میں آئی مگر یہ اسلام آنے کے بعد کی بات ہے اور ہم عربوں کے اُن احوال سے بحث کر رہے ہیں جن کا تعلق ان کی تاریخ کے ساتھ ہے چنانچہ اب ہم جزیرۃ العرب کی کچھ خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

جغرافیائی حوالے سے عرب کے صحرا اپنے دامن میں اتنے اسرار چھپائے ہوئے ہیں کہ اُن کی اصل ماہیت سے آگاہی انتہائی دشوار امر ہے۔ یہاں سر زمین عرب کی کچھ جہتوں کا تذکرہ مقصود ہے۔

جزیرۃ العرب کی خصوصیات

ملکِ عرب ایک جزیرہ نما ہے جو ایشیا کے براعظم کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ براعظم ایشیا کے اس خطے کو جزیرہ نما اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے تین اطراف میں پانی ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں بحیرہ احمر، جنوب میں خلیج عدن اور بحیرہ عرب، شمال مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس کے پانی واقعہ ہیں۔ اس لیے خطہ عرب کو جزیرہ نما عرب کہتے ہیں۔ جزیرہ نما خطہ عرب براعظم ایشیا اور افریقہ کے سنگم پر واقع ہے جس کا رقبہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے۔ اپنی زمین کی ساخت اور فطرت کے لحاظ سے بھی خطہ عرب ایک عجیب وغریب خطہ ہے۔ اس میں کہیں تو وسیع وعریض ریگستان ہیں تو کہیں بڑے بڑے چٹیل ویرانے ہیں جن میں نہ پانی ملتا ہے اور نہ ہی سبزہ۔ مرکز میں نجد کا تند خو صحرا ہے جس میں کہیں کہیں سر سبز وشاداب نخلستان ہیں۔ نجد کے شمال میں سب سے پہلے النفوذ کا صحرا ہے جس کے درمیان میں تنگ سی وادیاں ہیں جو ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں سے گھری ہوئی ہیں۔ شمالی صحرا کا یہ سب سے اونچا علاقہ ہے جس کی اوسط بلندی 915 میٹر بتائی جاتی ہے۔ النفوذ سے آگے ریگزاروں کا ایک اور وسیع سلسلہ ہے جس

کوالدہنا کہا جاتا ہے۔الدہنا کے ریگستان میں سرخ ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں جو دو سے تین سو فٹ تک بلند ہیں۔الدہنا کا ریگستان شمال میں النفوذ سے شروع ہوتا ہے اور نجد کے مشرق سے ہوتا ہوا جنوب میں ربع الخالی سے جاملتا ہے۔

الدہنا کے ریتلے ٹیلوں کے درمیان کہیں کہیں چٹیل میدان ہیں جہاں کچھ ہلکا سا سبزہ ہے۔اس لیے ریت کے پہاڑوں میں گھری ان وادیوں کو صحرائے عرب کا حسن قرار دیا جاسکتا ہے۔الدہنا کے جنوب میں جو ریگستان ہے اسے دنیا کا سب سے وسیع وعریض صحرا قرار دیا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑا اور کوئی خرابہ نہیں۔دور تک پھیلے اس صحرا کا رقبہ چھ لاکھ چالیس ہزار مربع کلومیٹر بتایا جاتا ہے اور اسے ربع الخالی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے درمیان نہ تو انسانی زندگی ممکن ہے اور نہ ہی اتنے بڑے رقبے میں انسانوں کی کوئی بستی آباد ہے۔سطح سمندر سے ربع الخالی کی بلندی چھ سو میٹر تک چلی گئی ہے تاہم مختلف مقامات پہ اس کی پیمائش مختلف ہے۔

ربع الخالی ایک مسلسل صحرا ہے جس میں کوئی میدان یا وادی نہیں ہے اور یہ ریت کے سخت اور خشک سلسلے ہیں جو دور تک چلے گئے ہیں۔اگرچہ نجد کے مغرب میں بھی ریت کے بہت سے ٹیلے ہیں مگر یہ النفوذ، الدہنا اور ربع الخالی سے نسبتاً مختصر اور کم بلند ہیں اور حجاز کو جانے والا راستہ بھی ریت کے انھی سلسلوں کے بیچ میں سے گذرتا ہے۔خطہ عرب میں کہیں کہیں پتھریلے پہاڑ ہیں اور کہیں چٹیل اور سخت مزاج پتھریلے میدان ہیں۔جزیرۃ العرب کے مغرب میں صحراؤں کے گرد دائرے کی صورت ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اردن اور شام سے گذر کر بحیرہ روم کے مشرقی کونے تک چلا گیا ہے اور انھی پہاڑوں کے درمیان کہیں چھوٹی چھوٹی وادیاں ہیں۔جب افریقہ کی طرف سے مون سون کی ہوائیں آتی ہیں تو ان پہاڑی وادیوں پہ تھوڑی بہت بارش ہو جاتی ہے اگرچہ عرب میں بارشیں کم ہی ہوتی ہیں۔جس کی وجہ یہ ہے کہ بحیرہ عرب کی طرف سے آنے والے بادلوں کو جنوب کا سلسلہ کوہ روک لیتا ہے اور اور بحیرہ روم کی طرف سے آنے والی مون سون ہوائیں جو بادل لاتی ہیں ان کا پانی شام، لبنان اور فلسطین کے پہاڑ چھین لیتے ہیں جس کی وجہ سے سرزمین عرب پیاسی رہ جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ پورے خطہ عرب میں کوئی دریا نہیں بہتا اور کوئی ہرا بھرا جنگل موجود نہیں اس لیے کہ یہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اہل عرب زراعت سے تقریباً ناآشنا ہی تھے۔عرب کے صحراؤں میں ریت کے

زبردست طوفان اٹھتے رہتے اور مجموعی طور پہ سارے جزیرۃ العرب میں جھلسا دینے والی سخت گرم اور خشک ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور جب کبھی کسی جگہ بارش ہو جائے تو وہاں وقتی طور پہ گھاس اُگ آتی ہے تاہم کھیتی باڑی عربوں کے ہاں مروج نہ تھی اس لیے روز اول سے ہی عربوں کی معاش کا دارو مدار گلہ بانی پہ ہی رہا ہے۔وہ اونٹ اور بکریاں پالتے اور ان کے دودھ اور گوشت پہ گزر بسر کرتے۔ان کی زندگی سادہ اور فطرت سے قریب تھی اس لیے وہ بہت سی اعلیٰ انسانی خصوصیات کے حامل تھے۔وہ کہیں ایک جگہ ٹک کے بستیاں نہ بساتے بلکہ کسی صحرا کے منظر سے جب ان کا دل اکتا جاتا تو وہ اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے اپنے خیمے اکھاڑتے اور کسی نئے منظر کسی نئی وادی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے یہی ان کا طرز زیست تھا اور یہی اہل عرب کی قدیم روایت ہے۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اس بنجر اور لق و دق خطہ عرب میں یمن حضرموت اور عمان کی زرخیز زمینیں بھی موجود تھیں جن پہ عرب صدیوں سے کھیتی باڑی کرتے چلے آئے تھے۔ان علاقوں کے خوشحال باشندوں نے اپنے اپنے علاقوں میں بڑے بڑے شہر اور کثیر التعداد قصبے آباد کئے تھے۔عرب کے زرخیز علاقے ان ساحلی علاقوں پہ مشتمل تھے جہاں بادل برستے اور زمین کو زرخیزی بہم پہنچاتے۔اب خطہ عرب کا جغرافیہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔

''خطہ عرب کے جنوب مغرب میں بحر احمر اور جنوب میں خلیج عدن اور بحیرہ عرب ہے۔اس کے شمال مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس واقع ہے اور اس کی شمالی سرحد خلیج فارس کے دہانہ سے شروع ہو کر خلیج عقبہ تک چلی گئی ہے۔تاہم عرب کی یہ سرحد پوری طرح واضح نہیں ہے اگرچہ سعودی عرب کی مملکت اور کویت کی سرحدوں کو جزیرۃ العرب کی شمالی سرحد کہا جاتا ہے مگر ان مذکورہ حدود کے مطابق صحرائے شام جزیرہ عرب کا حصہ نہیں لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے کہ شام کا علاقہ اپنی طبعی اور جغرافیائی خصوصیات کی بنا پر اور آبادی کے لحاظ سے جزیرۃ العرب ہی کا حصہ شمار کیا جاتا ہے جس کی شاہد عرب کی قدیم روایات بھی ہیں اور جدید جغرافیہ دان کا مطالعہ بھی۔جزیرۃ العرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے جو یورپ کے رقبے سے دگنا ہے اس کی سب سے طویل سرحد وہ ہے جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہے اور

جس کا طول چودہ سومیل سے زیادہ بتایا جاتا ہے اور خطہ عرب کا عرض وہ علاقہ ہے جو یمن سے اومان تک چلا گیا ہے اور جس کی چوڑائی بارہ سومیل سے زائد بتائی جاتی ہے طلوع اسلام کے وقت جزیرۃ العرب کا سیاسی جغرافیہ آج کی نسبت بہت کچھ مختلف تھا مگر آج کا جزیرہ عرب سیاسی طور پر بہت سے واحدتوں میں منقسم ہے اور اس میں کئی آزاد اور خودمختار اسلامی ممالک موجود ہیں۔ چنانچہ آج سعودی عرب، یمن، مسقط عمان، عدن جو پہلے انگریز استعمار کے زیر نگیں تھا اور یمن ایک علیحدہ انگریز نوآبادی تھی اب یہ علاقہ آزاد ہو گیا ہے اور یمن کی سب سے اہم بندرگاہ کے طور پہ جانا جاتا ہے جزیرہ عرب ہی میں شامل تھے۔ متحدہ عرب امارات جو دوبئ، ابوظہبی، قطر بحرین پر مشتمل ہیں نیز کویت اردن شام لبنان اور فلسطین اور بیت المقدس جس کے کچھ علاقوں پہ اسرائیل نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے یہ سب علاقے جزیرۃ العرب ہی کا حصہ ہیں۔ تاہم یہ مملکتیں جزیرۃ العرب کے شمال مغربی حصہ میں واقع ہیں سعودی عرب کی سرحدیں ایک طرف اردن اور عراق سے ملحق ہیں تو دوسری طرف خلیج عقبہ کے سرے پر اس کی حدود مصر اور اسرائیل سے جا ملتی ہیں۔ ماہرین جغرافیہ نے خطہ عرب کی جغرافیائی تقسیم کرتے ہوئے اسے کئی اہم حصوں میں تقسیم کیا ہے جس کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

×××××××

تہامہ :

خطہ عرب کے وہ علاقے جو قدرے نشیبی ہیں ان کو تہامہ کہا جاتا ہے چنانچہ تہامہ کا علاقہ بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ نجران یعنی یمن کے علاقوں تک چلا گیا ہے تہامہ کے علاقے کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ التہم جس کا معنی گرمی کی انتہائی شدت اور ہوا کا رک جانا ہے۔ تہامہ کے علاقے میں شدید گرمی پڑتی اور ہوا بھی رک جاتی جس کی وجہ سے اسے برداشت کرنا ممکن نہ رہتا۔ اس لیے اس سارے علاقے کو تہامہ کہا جاتا ہے۔ تاہم مورخین نے اس علاقے کو بعض جگہ الغور بھی لکھا ہے جس کے معنی نشیبی جگہ کے ہیں۔ مگر اس نام کو زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی اور اکثر مورخین نے جزیرۃ العرب کے ان ساحلی اور نشیبی علاقوں کے لیے تہامہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے جو

کہ اب اس کا معروف نام ہے۔ تہامہ کا علاقہ بہت وسیع ہے اور یہاں عرب کے روایتی موسم ہیں یعنی شدید گرمی اور باد سموم کا چلنا۔

حجاز ؛

حجاز کا علاقہ متعدد وادیوں کا مجموعہ ہے جو یمن کے شمال اور تہامہ کے مشرق میں واقع ہے۔ حجاز کا راستہ جبل سرات سے گذرتا ہے جو ایک پہاڑی سلسلہ ہے وہ شام سے شروع ہو کر یمن کے علاقے نجران تک چلا گیا ہے۔ حجاز کو حجاز اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ نجد اور تہامہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ یہ ایک پہاڑی اور ریتلی اقلیم ہے اور شمالی منطقہ معتدلہ کے وسط میں واقعہ ہے جس کے سامنے بحر احمر ہے جس کے ساحلوں پہ دو مقدس شہر بسے ہیں جن کے نام مکہ اور مدینہ ہیں۔ مکہ جہاں اللہ کا گھر ہے اور جسے کعبہ کہا جاتا ہے اور دور دور سے لوگ جس کی طرف آتے ہیں تا کہ وہ اللہ کے گھر کا حج کر سکیں مکہ میں موجود اللہ کا یہ گھر ہزاروں سال سے آباد ہے اور اس کی رونقوں کی مثال کسی اور شہر سے نہیں دی جا سکتی۔ محبت کے مسافر اسی شہر میں اترتے ہیں محبت کی ایک ڈور ہے جس کا جواز عقیدے نے فراہم کیا ہے اور اس ڈور سے بندھے لاکھوں لوگوں ہر دم اس دھرتی کی جانب اپنے قدم اٹھاتے ہیں وہاں ان کی پیاسی روحوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ حجاز کی سرزمین مقدس میں ہی شہر مدینہ ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پناہ دی جب ان کے اپنوں نے اللہ کی زمین ان پہ تنگ کر دی تھی۔ اللہ نے ان شہروں کی زمینوں کو حرم قرار دے دیا اور قیامت تک جائے امن قرار دیا ہے۔ اس لیے حجاز مقدس کی سرزمین کو جو رتبہ اور مقام حاصل ہے وہ کسی اور خطہ زمین کے نصیب میں نہیں۔

نجد ؛

نجد بھی جزیرۃ العرب کا مشہور علاقہ ہے جو یمن کے جنوب میں واقع ہے اور دور تک صحرائے سماوہ کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ نجد کا علاقہ سارے عرب میں بلند ہے اور نجد بلند جگہ کو ہی کہا جاتا ہے۔اس لیے ان علاقوں کا نام نجد پڑ گیا ہے۔اس کے موسم بھی گرم اور ہوائیں شدید گرم ہیں کہیں کہیں کم بلندی والی پہاڑیاں ہیں مگر ان پہ سبزہ نام کو بھی نہیں۔

یمن ؛

یمن کا شمار عرب کی زرخیز وادیوں میں ہوتا ہے آلِ اسماعیل نے یہاں عربوں کی بہت سی حکومتیں قائم کیں۔اہل یمن قدیم زمانوں ہی سے کھیتی باڑی سے آگاہ تھے اس لیے وہ باقی عربوں کے مقابلے میں خوشحال تھے۔انھوں نے عربوں کے روایتی طرزِ زیست بادیہ نشینی کو ترک کر دیا تھا اور بڑے بڑے شہر بسا کر رہنے لگے تھے اس کے شہروں میں مآرب،صنعا اور تدمور نے شہرت حاصل کی۔ یمن کا موسم بھی اگرچہ گرم ہے مگر بحیرہ عرب سے آنے والی مون سون ہوائیں یہاں خوب بارش برساتی ہیں۔یمن نجد کے علاقے سے بحیرہ ہند کے جنوب اور بحیرہ احمر کے غرب سے گذرتا ہے اور یہ خطہ عرب کی مشرقی جہت ہے جو حضر موت اور عمان سے ملی ہوئی ہے۔

العروض ؛

العروض کا علاقہ خطہ عرب کے وسیع علاقے پر مشتمل ہے جو یمامہ بحرین اور عمان جیسے علاقوں پر مشتمل ہے۔العروض کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ العروض نجد اور عراق کے درمیان حد فاصل ہے ۔چونکہ عمان اور بحرین پہلے جزیرۃ العرب سے علیحدہ تھے جس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں ایک

وجہ تو سیاسی تھی اور دوسری طبیعی، طبیعی وجہ تو یہ تھی کہ ان کے اور جزیرۃ العرب کے درمیان لق ودق صحرا گھنے جنگل اور خشک ریگستان حائل تھے اور سیاسی وجہ یہ تھی کہ عمان اور بحرین طویل عرصے تک ایک غیر عرب مملکت کے زیرنگیں رہے جو کہ اہل فارس تھے۔

بعض لوگوں کا یہ تخلیل خطہ عرب صرف لق و دق صحراؤں پر مشتمل ہے درست نہیں اس لیے کہ خطہ عرب میں بڑے بڑے اور نہایت خوبصورت شہر بھی آباد تھے جیسا کہ اگلے صفحات میں ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

جزیرۃ العرب کے شہر

عرب عام طور پہ بادیہ نشین تھے۔صحرا کی ساری وسعتیں ان کا شہر اور اونٹ کے بالوں سے بنا موٹا خیمہ ان کا گھر تھا۔صحرا کے نخلستان ان کی منزل اور جانوروں کا بڑا گلہ ان کی جائیداد ہوا کرتی۔اونٹ کا گوشت اور بکریوں کا دودھ ان کی غذا تھی اور قبیلے کی عظمت کی خاطر مر مٹنا ان کا شعار تھا۔تاہم گذرتے وقت نے عرب سماج پہ بھی اپنے نقش ثبت کئے اور وہ بستیاں بسا کر رہنا سیکھتے رہے۔خاص طور پہ جزیرۃ العرب کے وہ علاقے جہاں زراعت ہوتی تھی یعنی شام و یمن اور حضر موت وغیرہ کے علاقوں میں اہل عرب نے بڑے بڑے متمدن شہر آباد کئے۔بنو اسماعیل نے ان پہ حکومت کی۔عرب مورخین نے اس موضوع پہ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں تمدن عرب کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیا گیا ہے جیسے کہ امام رزاقی کی "**تاریخ مکہ**" اور سمہودی کی "**تاریخ مدینہ**"۔ پھر یمن و نجد کی تاریخ پر بھی انگنت کتابیں لکھیں گئیں جن میں خطہ عرب کے شہروں پہاڑوں، صحراؤں، کوچوں بستیوں، راستوں، موسموں، نباتات، باغات اور عمارات

کے بارے میں سیر حاصل بحثیں کی گئیں۔انھوں نے حجاز میں بھی بہت سے شہر آباد کیئے جن میں مکہ، مدینہ، خیبر طائف اور کئی دوسری بستیاں شامل ہیں جہاں عرب قبائل نے سکونت اختیار کی۔حجاز کے دو اہم شہر مکہ اور مدینہ ہیں کہ ان شہروں سے ہماری نسبت دنیا کے دیگر شہروں سے مختلف ہے اس لیے ہم ان کا تفصیلی ذکر کریں گے انشاء اللہ۔ان صفحات میں ہم خطہ عرب کے شہروں اور بستیوں کا احوال بیان کریں گے تاکہ طلوع اسلام کے وقت تمدن عرب سے ضروری آگاہی حاصل ہو سکے کیونکہ اندھیرے کے بغیر روشنی کی اہمیت معلوم نہیں ہوتی اور دکھ کے بغیر اشک کی قیمت سمجھ میں نہیں آتی۔اس لیے ذیل میں ہم اہل عرب کی متمدن آبادیوں کا احوال تحریر کریں گے تاکہ ہم ان کی زندگی کی ترجیحات کا اندازہ لگا سکیں، ان کی بودوباش کو سمجھ سکیں۔جس کے بعد ان کے عقائد اور اخلاق کی خامیوں اور خوبیوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور ان کی زندگیوں میں اسلام کے بہت بڑے انقلاب نے جو تبدیلیاں پیدا کیں ان کا مطالعہ بھی اپنے اندر دلچسپی کے بہت سے پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔

مکہ وہ شہر ہے جس کی فضاؤں میں رحمت کے وہ ان دیکھے سائے ہیں جنھیں عقیدت مند نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔اس شہر میں بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جن سے دنیا کے دوسرے تمام شہر عاری ہیں۔ہزاروں سال سے یہ شہر لوگوں کی روحانی تشنگی کو دور کررہا ہے اور ہزاروں سال سے ہی لوگوں کے قافلے اس شہر کی طرف رواں ہیں۔اس شہر کی طرف اٹھتے قدم جہنم سے نجات پاتے ہیں اور اُن کے دل سکون و عافیت کی اُس دولت سے مالا مال ہوجاتے ہیں جن سے دنیا کے بناوٹی مذاہب عاری ہیں۔کہ شہر مکہ کی ہوائیں مقدس ہیں،اس کے چشمے مقدس ہیں گلیاں مقدس ہیں، پہاڑ مقدس ہیں،اس کی فضائیں مقدس ہیں،اس کی طرف آتی راہیں مقدس ہیں،اس کے بیاباں مقدس ہیں،اس کی وادیاں مقدس ہیں،اس کی آبادیاں مقدس ہیں،اس کے درخت مقدس ہیں،اس کے چمن مقدس ہیں،اس کے گُل مقدس ہیں،اس کی گھاس مقدس ہے،اس کے مہمان مقدس ہیں،اس کے میزبان مقدس ہیں،اس کے مکین مقدس ہیں،اس کے مکان مقدس ہیں،اِس کی طرف اٹھتی ہر آنکھ مقدس ہے،اس کی یاد میں دھڑکتا ہر دل مقدس ہے،اس کے فراق میں بہتا ہر اشک مقدس ہے،اس کی آرزو کا ہر طریق مقدس ہے،اس کی تمنا کا ہر اسلوب مقدس ہے، اس کی محبت کا ہر پہلو مقدس ہے،اس کے فراق کا ہر درد مقدس ہے،اس سے دوری کی ہر کسک مقدس ہے

اس کی ساعتیں مقدس ہیں، اس کے لحات مقدس ہیں، اِس کی راہوں سے اٹھتے غبار مقدس ہیں، اس کے آسمان پہ چمکتے ستارے مقدس ہیں، اس کی طرف اٹھتے قدم مقدس ہیں، اس کے خیال مقدس ہیں، اس کے سنگ مقدس ہیں، اس کے خار مقدس ہیں، اس کے دکھ مقدس ہیں، اس کے سکھ مقدس ہیں، اس کے آزار مقدس ہیں، اس کے دیار مقدس ہیں، اس کے شکار مقدس ہیں، اس کے مقامات مقدس ہیں، اس کے دن مقدس ہیں، اس کی راتیں مقدس ہیں، اس کی سحر مقدس ہے، اس کی شامیں مقدس ہیں، اس کے پتھر مقدس ہیں، اس کے پتھریلے میدان مقدس ہیں، اس کی آن مقدس ہے، اس کی شان مقدس ہے اس کے دیوار و در مقدس ہیں، اس کے گُل و خار مقدس ہیں اس کی بہار مقدس ہے، اس کی خزاں مقدس ہے، اس کی آس مقدس ہے، اس کی یاس مقدس ہے اس کی رونقیں مقدس ہیں، اس کے ہجوم مقدس ہیں، اس کی خلوت مقدس ہے، اس کی جلوت مقدس ہے، اس کے آثار مقدس ہیں، اس کے خمار مقدس ہیں، اس کی سڑکیں مقدس ہیں، اس کے چوک مقدس ہیں، اس کی ریت مقدس ہے، ریگزار مقدس ہیں، اس کی بلندیاں مقدس ہیں، اس کی پستیاں مقدس ہیں، اس کی غاریں مقدس ہیں، اس کی چٹانیں مقدس ہیں، اس کے قافلے مقدس ہیں اس کے مسافر مقدس ہیں، اس کی سواریاں مقدس ہیں، اس کے دربان مقدس ہیں، اس کے کوچوان مقدس ہیں، اس کے جانور مقدس ہیں، اس کے پرندے مقدس ہیں، اس کے درندے مقدس ہیں اس کے خیر خواہ مقدس ہیں،، اس کے کنویں مقدس ہیں، اس کے مہتاب مقدس ہیں، اس کے آفتاب مقدس ہیں، اس کے شہاب مقدس ہیں، اس کا صفا مقدس ہے، مروہ مقدس ہے، منیٰ مقدس ہے، عرفات مقدس ہے، غار حرا مقدس ہے، غار ثور مقدس ہے، جبل نور مقدس ہے، حجر اسود مقدس ہے، اس کے کبوتر مقدس ہیں، اس کے شاہین مقدس ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے مقدس ہے کہ یہاں کعبہ مقدس ہے، جو اللہ کا گھر ہے، لوگ جس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی رحمتیں سمیٹتے ہیں اور یہ دنیا میں سب سے پہلا گھر ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے قائم کیا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اِس کی طرف اٹھنے والے اولین قدم بہت ہی مبارک تھے۔ اس لیے کہ اِن میں سے ایک حضرت آدم علیہ السلام تھے اور دوسرے جبرائیل علیہ السلام تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پہ اتارا تو حضرت آدم علیہ السلام تنہائی کا شکار ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اِن کو حکم دیا کہ مکہ کی طرف جاؤ اور اللہ کا گھر بناؤ۔ اس کا طواف کرو۔ اس سے تمھاری تنہائی جاتی رہے گی۔ کیونکہ طواف کرنے والوں کی تعداد ہر دم بڑھتی

رہے گی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کی راہنمائی میں مکہ پہنچے اور جو جگہ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو بتائی وہاں اللہ کا پہلا گھر قائم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے ایک چوکور یاقوت زمین پہ اتارا جس کا رنگ سبز تھا اور اس سے نور پھوٹتا تھا جسے اُن بنیادوں پہ استوار کیا گیا جو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی راہنمائی میں استوار کی تھیں۔ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری[*85] لکھتے ہیں کہ:

”عطا ابن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پہ اتارا تو اس وقت اِن کے قدم زمین پر تھے اور سر آسمان میں اور وہ اہل آسمان کا کلام و مناجات سنتے رہتے تھے اور اِس سے اپنی تنہائیوں میں سکون پاتے تھے۔ تب حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی وجہ سے فرشتے اُن سے ہیبت کھانے لگے اس کے علاوہ انھوں نے اپنی عبادات و مناجات کے سننے اور اس میں دخل اندازی کی شکایت بھی اپنے رب کے حضور پیش کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف پست کر دیا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی آوازیں سنائی دینا بند ہوگئیں اور آپ کو گھبراہٹ محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنی عبادت اور مناجات میں اللہ تعالیٰ سے اِس کی شکایت کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن کا رخ مکہ کی طرف موڑ دیا اور وہ مکہ کی طرف چل دیئے آدم علیہ السلام جس جگہ قدم رکھتے وہ جگہ شہر بن جاتا اور جو جگہ اِن کے قدموں کے درمیان رہ جاتی وہاں جنگل و بیابان بن جاتے، یہاں تک کہ آدم علیہ السلام مکہ پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت زمین پہ اتارا اور اسے کعبہ کی جگہ استوار کر دیا گیا پس آدم علیہ السلام اور پھر اُن کی اولاد مسلسل اس کا طواف کرتی رہی۔ پھر طوفانِ نوح آیا تو اس یاقوت کو اٹھا لیا گیا مگر کعبہ کی بنیادیں موجود رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو مبعوث کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ بیت کی تعمیر نو کریں اس تمام واقعے کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے مثال کے طور پہ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

××××××××

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى
وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُودِ O وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـَذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ
الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً
ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ O وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ O رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا
وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ O رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ
أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ O

القران الحکیم (سورۃالبقرہ2 / 128..124)

ترجمہ؛

''اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور یہ کہ ابراہیمؑ نے اپنے رب سے دُعا کی کہ ؛ اے میرے رب ! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اِس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے جواب میں اس کے رب نے فرمایا! اور جو نہ مانے گا تو دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا مگر آخر کار اُسے عذاب جہنم کی طرف لے آوں گا اور وہ بہت ہی بد ترین ٹھکانہ ہے۔ اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے کہ تُو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا۔ اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو

ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما کہ تُو بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اور اے رب! اِن لوگوں میں سے خود انھی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھا جو انھیں تیری آیات سنائے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوارے تُو بڑا مقتدر اور حکیم ہے"۔[*86]

×××××××

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳/ آیات ۹۷-۹۶)

ترجمہ؛

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا مرکز بنایا گیا تھا اور اُس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہے، مقام ابراہیم ہے، جو عبادت کا مقام ہے اور اِس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا۔ اور لوگوں پہ اللہ کا حق یہی ہے کہ جو اِس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اِس کا حج کرے اور جو کوئی اِس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اُس کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

×××××××

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا

وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ

القرآن الحکیم (سورۃ حج ۲۲: ۲۹-۲۶)

ترجمہ :

"یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اِذنِ عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پہ سوار آئیں تا کہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں اُن کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقررہ دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے انھیں بخشے ہیں کہ وہ خود بھی کھائیں اور تنگ دست متاجوں کو بھی کھلائیں پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں"۔

×××××××

علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی مشہور کتاب "**تاریخ الامم و الملوك**" میں مزید لکھتے ہیں کہ حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پہ اتارا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا قدم زمین پہ اور سر آسمان کو چھوتا تھا جس کی وجہ سے فرشتے ان سے ہیبت کھانے لگے۔ پس اِن کا قد ساٹھ زراع کر دیا گیا جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کی مناجات و تسبیح کی آوازیں نہ سنیں تو انھیں بڑا رنج ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ اے میرے رب۔
میں تو تنہائی کا شکار ہو گیا ہوں۔
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اے آدم میں نے تمھارے لیے ایک گھر اتارا ہے تا کہ تم اِس کا طواف کرو جیسا کہ میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور تم اِس گھر کے پاس نماز پڑھو جیسا کہ میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔
پس آدم علیہ السلام اُس گھر کی طرف چلے اور اُن کا ایک قدم اتنا لمبا کر دیا گیا کہ ایک قدم رکھنے کے درمیان والی جگہ ایک بڑے جنگل کے برابر تھی پس یہ جگہ بعد میں مسلسل جنگل اور غیر آباد رہی یہاں تک کہ آدم علیہ السلام بیت اللہ کے پاس پہنچ گئے اور اُس کا طواف کیا اور بعد کے آنے والے انبیاء بھی اس کا طواف کرتے رہے۔

××××××××

ابن عباسؓ سے یہ روایت ابن جبیر طبریؒ نے تاریخ الامم والملوک میں رقم کی ہے کہ اُن سے مروی ہے کہ:
جب آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ زراع تک کم کر دیا گیا تو انھوں نے کہا:
اے میرے رب:
میں آپ کے گھر جنت میں آپ کا پڑوسی تھا اور آپ کے سوا کوئی میرا رب نہیں اور نہ کوئی نگہبان ہے میں جنت میں بلا تکلف کھاتا تھا اور جہاں چاہتا رہتا تھا اس کے بعد آپ نے مجھے ایک مقدس پہاڑ پہ اتار دیا جہاں میں فرشتوں کی آوازیں سنتا تھا اور انھیں آپ کے عرش گرد مصروف طواف دیکھتا تھا میں جنت کی ہوا اور اِس کی خوشبو محسوس کرتا تھا پھر آپ نے مجھے زمین کی طرف اتار دیا اور میرا قد ساٹھ زراع کر دیا میری آواز اور میری نظر کی حد بھی کم ہو گئی اور میں جنت کی خوشبو تک سونگھنے کے قابل نہ رہا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس پکار کا جواب دیا اور کہا:
اے آدم:

میں نے یہ سب تیرے ساتھ تیری غلطی کی وجہ سے کیا ہے۔

تب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ سے توبہ کی اور اللہ نے اِن کی توبہ قبول فرمالی اور غلطی کے بعد جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام برہنہ ہوگئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ ایک دنبہ ذبح کریں جو جنت سے اتارے گئے آٹھ قسم کے جانوروں میں سے ایک تھا۔

چنانچہ انھوں نے ایک دنبہ ذبح کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی اون لی اور حضرت اماں حوا علیہا السلام نے اسے کا تا دونوں نے مل کر اس سے کپڑا تیار کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لیے ایک جبہ تیار کیا اور حضرت اماں حوا علیہا السلام نے اپنے لیے اوڑھنی اور ایک چادر تیار کی جب دونوں نے یہ لباس پہن لیا تو اللہ نے اُن کی طرف اپنی وحی بھیجی کہ:

میرے عرش کے بالمقابل زمین پہ ایک جگہ میری محترم ہے وہاں جاؤ اور اس جگہ میرا گھر تعمیر کرو پھر اِس گھر کا بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح کہ تم نے فرشتوں کو آسمانوں پہ میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے اور اس گھر میں تمھاری اور تمھاری اولاد کی دعائیں قبول کی جائیں گی اگر وہ فرمانبرداری کریں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب میں یہ کام کیسے سرانجام دے سکتا ہوں جب کہ میں نہ اِس جگہ سے واقف ہوں اور نہ ہی میں اتنا قوی ہوں پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک فرشتہ مقرر کیا جو انھیں لے کر مغرب کی طرف روانہ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جس کسی باغ پر سے گزرتے اور وہ انھیں اچھا لگتا تو وہ وہیں ٹھہر جاتے اور فرشتے سے کہتے مجھے یہیں چھوڑ دو۔

مگر فرشتہ اُن سے کہتا:

چلو تمھاری جگہ آگے ہے یہاں تک وہ مکہ پہنچ گئے۔

راستہ میں وہ جس جگہ ٹھہرتے ان جگہوں پہ آبادیاں بنتی چلیں گئیں اور جس جس مقام کو انھوں نے چھوڑ دیا وہ جنگل و بیاباں ہوگئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر پانچ مقامات کے پتھروں سے کی۔ انھوں نے بیت اللہ کی بنیادوں میں جبل حرا کا پتھر استعمال کیا پھر انھوں نے طور سینا

،طورزیتون،کوہ لبنان اورکوہ جودی کا پتھرلیااور بیت اللہ کوتعمیر کیا۔جب حضرت آدم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو فرشتہ انھیں لے کرعرفات کی طرف آ گیااور فرشتے نے حضرت آدم علیہ السلام کو مقامات حج اور مناسک حج سے آ گاہی فراہم کی تب سے لوگ انھی کے طریقے پہ حج کرر ہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہنے والا ہے۔

انشاءاللہ

اس کے بعد فرشتہ انھیں لے کرمکہ آ گیااور وہ ایک ہفتہ تک بیت اللہ کا طواف کرتے رہے پھر وہ سر زمین ہند کی طرف لوٹ آئے اور وہیں بوز نامی پہاڑ پہ آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام جس وقت زمین پراترے تووہ سرزمین ہند میں اترے تھےاوروہاں سے انھوں نے پیدل ہی چالیس حج کیے۔

میں نے عرض کیا:

اے ابوالحجاج!وہ سوار کیوں نہ ہوتے تھے۔

تووہ مسکرائے اور کہا!سبحان اللہ

کون سی سواری تھی جو انھیں اٹھاسکتی تھی،اللہ کی قسم اِن کا توایک قدم بھی تین دن کی مسافت تک پڑتا تھااوراُن کا سر آسمان کوچھوتا تھاجس پہ فرشتوں نے اِن کی سانسوں کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کی تو اللہ رحمان ورحیم نے اُن کا قد چالیس سال کی مسافت کے بقدر پست کردیا تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پہ وحی کی کہ بیت اللہ کا حج کروآدم اس وقت سرزمین ہند میں تھے پس وہ ہند سے حج کے لیے نکلے اور جس جگہ وہ قدم رکھتے اس جگہ بستی بن جاتی اور جوجگہ ان کے قدموں کے درمیان خالی گزرجاتی وہ بیابان ہوگئی یہاں تک وہ بیت اللہ پہنچ گئے۔

پس انھوں نے طواف کیا اور تمام مناسک حج ادا کیے پھر سرزمین ہند کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو واپسی پہ جب وہ عرفات کی تنگ گھاٹی میں پہنچے تو فرشتوں نے ان سے ملاقات کی اور ان سے کہا اے آدم:

آپ کا حج کامل اور مقبول ہوا۔

یہ سن کر آپ حیران ہوئے اور ان سے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

تو فرشتوں نے ان سے کہا!

اے آدم!

اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے ہم نے تو اس گھر کا پہلا حج آپ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت آدم خود کو کمتر محسوس کرنے لگے[*87]

چنانچہ وادئ مکہ شاید انسانی آبادیوں میں اولین آبادی تھی۔ مورخین نے مکہ کے پچاس سے اوپر نام بیان کیے ہیں۔ قرآن میں مکہ مکرمہ کو بیت العتیق، بلد الامین اور بکہ جیسے کئی ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مورخین[*88] نے مکہ کو الراس، صلاح، ام رحم اور کوثی کے ناموں سے بھی پکارا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ سے پہلے مکہ کے حالات زیادہ واضح نہیں ہیں بلکہ اس کی بہت سی جزیات تاریخ کے اندھیرے میں ہیں۔ تاہم جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مل کر بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اس کے بعد کے حالات مورخین نے مفصل بیان کیے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ہمراہ فلسطین کی سرسبز وادیوں سے اللہ کے حکم سے ہجرت کی اور عرب کی ویران اور چٹیل سرزمین پہ اترے جہاں کی سلگتی آب و ہوا اور بے رحم صحراؤں سے پرندے تک کتراتے تھے۔ ان کا سفر طویل اور صعوبت بھرا تھا۔ تب سفر کی دھول سے اٹا یہ مختصر سا قافلہ مکہ کی اس وادئ میں اترا جسے مکہ مکرمہ کہہ کر پکارا گیا۔

انھوں نے اپنی بیوی اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس وادئ ذی زرع میں چھوڑا اور خود فلسطین کی طرف لوٹ گئے کہ حکم یہی تھا۔

جب وہ واپس مڑنے لگے تو حضرت حاجرہ علیہا السلام نے انھیں پکارا۔

کہ وہ انھیں اس ودائ میں کیوں چھوڑ کے جا رہے ہیں؟

تب انھوں نے اپنی بیوی کو بتایا کہ حکم ایسا ہی ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اطمینان کا اظہار کیا اور کہا:

بے فکر ہو کر جائیے اللہ ہمیں یقیناً ضائع نہیں ہونے دے گا۔

ایک دو دن میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس موجود کھجوروں اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو وہ پریشان ہو

گئیں اگلے دن اُن کا بیٹا (اسماعیل) بھوک بلکہ خاص طور پہ پیاس کی وجہ سے تڑپنے لگا تب فطری طور پہ اُن کی ماں حضرت ہاجرہ بھی تڑپ اٹھیں انھوں نے بچے کو ایک درخت کے سائے کے نیچے چھوڑا اور خود سامنے والی پہاڑی پہ چڑھ گئیں کہ شاید وہ کہیں سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں مگر ان کی سعی بے سود ثابت ہوئی۔

وہ نیچے اتر آئیں اور اپنے بچے پہ نگاہ ڈالتی ہوئی بے قراری سے دوسری پہاڑی پہ چڑھ گئیں اس طرح انھوں نے بے قراری میں دونوں چوٹیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔

ان چوٹیوں کے نام صفا اور مروہ ہیں''۔

جب وہ آخری بار مروہ کی چوٹی سے نیچے اتر رہی تھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔

کوئی پکارنے والا اُن کا پکار رہا تھا۔

چپ ہو جا!

حضرت ہاجرہ نے وہ آواز دوبارہ سنی تو آپ نے اسے پکارا۔

اے شخص تُو نے اپنی آواز مجھ تک پہنچا دی ہے مگر کیا تیرے پاس میری مصیبت کا کوئی حل بھی ہے۔

تب انھوں نے اُس شخص کو دیکھا کہ وہ ان کے بیٹے کے پاس کھڑا ہے اور اس نے اپنی ایڑی زمین پہ ماری اور وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔

وہ پانی کی طرف دوڑیں اور انھوں نے اپنا مشکیزہ بھر لیا پانی زمین کے اندر سے ابلتا رہا اور حضرت ہاجرہ اس چشمے کے گرد بند باندھنے لگیں۔

تب اُس شخص نے حضرت ہاجرہ کو پکارا اور کہا:

غم نہ کر اللہ تمہیں محفوظ رکھے گا اور اس جگہ کو اللہ آباد کر دے گا۔

پھر وہ شخص غائب ہو گیا۔

پھر بہت مدت بعد جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مکہ پہنچے اور اُن سے کہا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اللہ کے گھر کو دوبارہ تعمیر کروں اور اس میں تم میری مدد کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر بیت اللہ کو تعمیر کیا اور یوں اللہ کا وہ گھر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔

تب سے لوگ اس کا حج کرنے لگے اور آج تک کرتے آ رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو انھوں نے اپنے سسرال بنوجرہم کو جو وہیں مکہ کی وادیٔ میں آباد ہو گئے تھے دین اسلام کی دعوت دی انھوں نے بنوغشبان اور بنوجرہم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ مکہ کی بنجر وادی میں اللہ کا جو پہلا گھر بنا وہ وہی تھا جسے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور وہی چاہ زم زم اور بیت اللہ کے پہلے متولی تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے جو سارے عرب میں پھیل گئے۔ پھر اُن کی وفات کے بعد پہلے ان کے بیٹے قیدار اور پھر نابت نے مکہ میں حکومت کی اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے ننہال بنوجرہم کی پشت پناہی کی وجہ سے اٹھارہ صدیوں تک اللہ کے گھر کی محافظت کرتے رہے اور مکہ کے سیاہ وسفید کے مالک بنے رہے۔ بنوجرہم صدیوں تک وادیٔ مکہ کی سماجی اور مذہبی زندگی کے مناصب پر قائم رہے جس کی وجہ سے ان کی قوت وتعداد اور مال ودولت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اُن کے اندر اُن خرابیوں نے جنم لیا جنھیں دولت مند معاشرے کا خاصہ تصور کیا جاتا ہے۔ پھر انھوں نے حاجیوں سے برا سلوک کرنا شروع کر دیا وہ بیت اللہ کی حرمت کے تقدس کو بھی پامال کرنے لگے۔ انھوں نے حاجیوں سے تحائف وصول کرنا شروع کر دیئے اور بیت اللہ کو پیش کیے جانے والے نذارانے بھی خود ہضم کرنے لگے۔ تب مکہ کے دوسرے قبائل سے بنوجرہم کے اس رویے کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں اور بنو بکر (بنوکنانہ کے خاندان سے) اور بنوغشبان (خزاعہ کے خاندان سے) نے بنوجرھم سے کہا کہ وہ بیت اللہ کی حرمت کا خیال کریں ورنہ اُن کے یہ اعمال زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیے جائیں گے۔ مگر بنوجرہم کے اعمال میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ تب بنوبکر اور بنوغشبان نے مل کر بنوجرہم پر حملہ کر دیا بنوجرہم کو ان کے اعمال کی وجہ سے شکست ہوگئی اور وہ مکہ کی وادی چھوڑ کر یمن کی طرف ہجرت کر گئے۔ مگر صدیوں تک شہر مکہ پر حکومت کرنے اور بیت اللہ کا متولی رہنے کے بعد مکہ سے یوں نکالے جانے کا دکھ بہرحال ان کے دل میں موجود تھا جس کا اظہار اُن کے ایک شاعر عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے یوں کیا ہے۔

وَ قَائِلَۃٍ وَالدَّمعُ سَکْبٌ مُبَادِرُ
وَقَدْ شَرِقَتْ بِالدَّمعِ مِنْھَا المَحَاجِرُ

دوپہر کے وقت کی قسم! آنکھوں سے آنسو تیزی سے رواں ہیں اِن آنسوؤں کی وجہ سے آنکھوں کے حلقے بھی روشن ہوگئے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الحَجُوْنِ اِلَى الصَّفَا
اَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ

اس دن یوں محسوس ہوتا تھا کہ حجون سے لے کر کوہ صفا تک ہمارا کوئی ہمدرد نہیں اور مکہ میں داستان سرائی کی کوئی محفل کبھی نہ سجی تھی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَقُلْتُ لَهَا وَالقَلْبُ مِنّى كَاَنَّمَا
يُلَجْلِجهُ بَيْنَ الجَنَا جِيْنِ طَائِرُ

جب میں نے اس سے بات کی تو میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ گویا ایک پرندہ اسے اپنے پروں کے درمیان حرکت دے رہا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بَلى نَحْنُ كُنَّا اَهْلَهَا فَا زَالَنَا
صُرُوْفُ اللَّيَالِى وَالجُدُوْدُ العِوَاثِرُ

ہم ہی مکہ معظّمہ کے مکین تھے مگر حوادثِ زمانہ اور بری قسمت نے ہم سے یہ سعادت چھین لی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَكُنَّا وُلَاةَ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ
نَطُوفُ بِذَاكَ الْبَيْتِ وَالْخَيْرُ ظَاهِرُ

نابت کے بعد بیت اللہ کے متولی ہم ہی بنے تھے اور اس مقدس گھر کا طواف کیا کرتے تھے جس کی برکات بڑی عیاں ہیں۔

وَنَحْنُ وَلِيْنَا الْبَيْتَ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ
بِعِزٍّ فَمَا يَحْظَى لَدَيْنَا الْمُكَاثِرُ

اور نابت کے بعد اس کی تولیت ہمارے سپرد ہوئی اور ہم اتنے معزز تھے کہ کوئی صاحب ثروت انسان شرف وقدر میں ہم سے سبقت نہ لے جاسکا۔

مَلَكْنَا فَعَزَّزْنَا فَاعْظِمْ بِمُلْكِنَا
فَلَيْسَ لِحَيٍّ غَيْرِنَا ثَمَّ فَاخِرُ

ہم ہی اس شہر کے بادشاہ بنے اور ہمیں ہی یہ عزتیں نصیب ہوئیں اور ہماری سلطنت کتنی عظیم تھی۔

أَلَمْ تُنْكِحُوا مِنْ خَيْرِ شَخْصٍ عَلِمْتُهُ
فَأَبْنَاءُهُ مِنَّا وَنَحْنُ الْأَصَاهِرُ

قبیلے میں ہمارے علاوہ کوئی اور شخص فخر نہیں کرسکتا کہ ہم نے بہترین شخص حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اپنی خاتون کا نکاح کیا تھا۔

فَإِن تَنْثَنْ الدُنْيَا عَلَيْنَا بِحَالِهَا
فَإنَّ لَهَا حَالاً وَفِيْهَا التَشَا جُرُ

اُن کے بیٹے ہم ہی سے تھے ہم اُن کے سسرال ہیں اگر دنیا نے ہم سے اعراض کرلیا ہے تو یہ اس کا شیوہ رہا ہے یوں بھی دنیا میں جھگڑے اور اختلاف تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔

فَاَ خْرَجَنَا مِنْهَا المَلِيْکُ بِقُدْرَةٍ
کَذَالِکَ يَالَلنَّسِ تَجْرِى المَقَا دِرُ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہمیں وہاں سے نکال دیا تھا اے لوگو! اللہ کی تقدیریں اسی طرح جاری ہوتی ہیں۔

اَقُوْلُ اِذَا نَامَ الخَلِیُّ وَلَمْ اَنَمْ
اِذَا العَرْشُ ؛ لَايَبْعَدُ سُهَيْلٌ وَعَامِرُ

جب عیش پسند لوگ سو گئے تھے تو میں بیدار تھا اور یہ دُعا مانگ رہا تھا اے عرش عظیم کے مالک! سہیل اور عامر کو دور نہ کردیا جائے۔

وَبُدِّ لْتُ مِنْهَا اَوْجُهَا لَا اُحِبُّهَا
قَبَا ئِلُ مِنْهَا حِمْيَرٌ وَيُحَا بِرُ

گذشتہ زمانے نے ہمیں اس طرح کاٹا ہے کہ ہم جو پہلے قابل رشک تھے اب ماضی کی داستان بن چکے ہیں۔

وَصِرْنَا اَحَادِیْثًا وَکُنَّا بِغَبطَۃٍ
بِذٰلِکَ غَضَّتْنَا السُّنُوْنُ الغَوَابِرُ

وہ آنکھ جو مکہ مکرمہ کے لیے رو رہی ہے اور اس سے لگا تار آنسو بہہ رہے ہیں۔

فَسَحَّتْ دُمُوْعُ العَیْنِ تَبْکِی لِبَلْدَۃٌ
بِھَا حَرَمٌ اَمْنٌ وَفِیْھَا المَشَاعِرُ

وہ پاکیزہ شہر جہاں امن والا حرم اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں میری آنکھ اس گھر کے لیے گریہ بار ہے۔

وَتَبْکِی لَبَیْتٍ لَیْسَ یُؤْذٰی حَمَامُہٗ
یَظَلُّ بِہٖ اَمْنًا وَفِیْہِ العَصَافِرُ

جس کے کبوتروں کو بھی تکلیف نہیں دی جاتی اور جس کی چڑیاں بھی امن وسکون سے رہتی ہیں۔

وَفِیْہِ وُحُوْشٌ لَا تُرَامُ اَنِیْسَۃٌ
اِذَا خَرَجَتْ مِنْہُ فَلَیْسَتْ تُغَادِرُ

اس میں وحشی جانوروں کا بسیرا ہے اور آگ بھی حرم پاک میں اُن کا تعاقب نہیں کرتی حالانکہ وہی جانور جب حرم پاک سے باہر ہوں تو ان کا شکار کر لیا جاتا ہے[89*]۔

مورخین[90*] نے بکہ اور مکہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کو بکہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جابر بادشاہوں کی گردنیں توڑ دیا کرتا ہے۔بعض علماء کا خیال ہے کہ بکہ " **تَبَاك** "سے مشتق ہے جس کے معنی ہجوم اور اژدھے کے بیان کیے گئے ہیں اور مکہ یا تو **تَمَلَّكَتَ العَظمَ** سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہڈی سے تمام گودا چوس لینا یا یہ **تَمَكَّكَ الفَصِيْلُ** سے مشتق ہے جس سے مراد ہے کہ اونٹنی کے بچے کا ماں کی کھیری سے تمام دودھ چوس لینا کیونکہ یہ(مکہ)لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس لیے اس کو مکہ کہا جاتا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ پہاڑ کے دامن میں ہے اور جب بارش ہوتی ہے تو تمام پہاڑوں کا پانی بہہ کر اسی کی طرف آتا ہے اس لیے اسے مکہ کہا جاتا ہے اسے **اَلنَّاسَّة** بھی کہا جاتا ہے اور یہ **نُسَّتُ الشَّیءَ** سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو دھکیل کر لے جانا۔علامہ خطابیؒ نے اس کو **الباسّة** پڑھا ہے جو **بُسَّتِ الجِبَالُ** سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ہے۔

''ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث نے کچھ اشعار اُن لوگوں کے بارے میں بھی کہے تھے جن میں بنو بکر اور بنو غشبان کے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کی جلاوطنی کے بعد مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کچھ اشعار وہ ہیں جو بنو جرہم کے اُن افعال پہ روشنی ڈالتے ہیں جو انھوں نے مکہ کی طویل تولیت میں کیے تھے اور یہ بہت قدیمی اشعار ہیں ابن ہشام علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم نے مجھے بتایا کہ یہ وہ پہلے اشعار تھے جو عربی زبان میں کہے گئے اور یہ اشعار اُن پتھروں پہ منقش کیے گئے تھے جو اس جگہ سے دریافت ہوئے جہاں طسم اور جدیس کی اقوام اتریں تھیں۔چنانچہ ابو حارث نے عبداللہ بن سلام بصری سے انھوں نے ابن اسحاق بن ابراہیم بن سلیمان التمار سے اور انھوں نے یمن کے قابل اعتماد آدمی سے بیان کیا ہے کہ یمامہ کے ایک کنویں سے تین پتھر دریافت کیے گئے اور اس کنویں کا نام " **منعق** " تھا اور وہ کنواں طسم اور جدیس کی آبادیوں سے قریب تھا۔اس کے اور حجر کے مابین ایک میل کا فاصلہ تھا اور وہاں سے قوم عاد کے یہ آثار دریافت ہوئے جن پر یہ اشعار منقش تھے۔

× × × × × × ×

يَآ يُّهَا الْمَلِكُ الَّذِیْ

بِالْمُلْکِ سَاعَدَہٗ زَمَانُہٗ

اے وہ بادشاہ! تو وہ پہلا شخص نہیں ہے جس کی مملکت اور سلطنت کے لیے زمانے نے اس کی مدد کی ہو۔

مَا اَنْتَ اَوَّلُ مِنْ عَلَا

وَعَلَا شُؤُوْنَ النَّاسِ شَانُہٗ

نہ تو وہ پہلا شخص ہے جس نے لوگوں پہ برتری حاصل کی ہو اور جس کی شان اوروں سے بلند ہوئی ہو۔

اَقصِر عَلَيْکَ مُراقِبًا

فَالدَّھْرُ مَخْذُوْلٌ اَمَانُہٗ

تھوڑا سا اپنا احتساب بھی کر لے کیا تو جانتا ہے کہ زمانے کی امان تو نہایت شکستہ ہے۔

کَمْ مَنْ اَشَمَّ مُصَعَّبٍ

بِالتَّاجِ مَرْھُوْبٍ مَکَانُہٗ

کتنے ہی ایسے سردار تھے جو سر اٹھا کر چلتے تھے تاج پہنا کر انھیں بادشاہ بنایا گیا تھا اور وہ بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔

قَدْ كَانَ سَاعَدَهُ الزَّمَا
نُ وَكَانَ ذَا خَفْضٍ جِنَانُهُ
زمانے نے ان کی مدد کی تھی اور کبھی ان کے باغ کتنے ہی رونق افزا تھے۔

تَجْرِی الجَدَاوِلُ حَوْلَهُ
لِلجُنْدِ مُتْرَعَةٌ جِفَانُهُ
اُن کے اردگرد نہریں رواں تھیں اور اپنے لشکروں کے لیے ان کے پیالے لبریز تھے۔

قَدْ فَاجَاتُهُ مَنِيَّةٌ
لَمْ يُنْجِهِ مِنْهَا اكْتِنَانُهُ
لیکن اس بادشاہ کو بھی اچانک ہی موت نے آلیا اور کسی پناہ دینے والے نے اس کو پناہ نہ دی۔

وَ تَفَرَّقَتْ اَجْنَادُهُ
عَنْهُ وَنَاحَ بِهِ قِيَانُهُ
تب اس کے لشکر بھی اسے چھوڑ گئے اور اس کے بچے اس پہ گریہ زار تھے۔

وَا لدَّ ھْرُ مَنْ یَعْلَقْ بِہٖ

یَطْحَنُہٗ مُفْتَرِشًا جِرَانَہٗ

جو شخص زمانے سے محبت کرتا ہے زمانہ اسے اپنی گردن کے نیچے پیس کر رکھ دیتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَالنَّاسُ شَتّٰی فِی الْھَوٰی

کَالْمَرْءِ مُخْتَلِفٌ بَنَا نُہٗ

انسان اپنی خواہشات کے لحاظ سے مختلف ہے جس طرح ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں مختلف ہوتی ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

والصِدْقُ اَفْضَلُ شِیْمَۃٍ

وَالْمَرْءُ یَقْتُلُہٗ لِسَا نُہ

سچ سب سے بڑی خصلت ہے جب کہ انسان کی زبان آخر اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

والصَمْتُ اَسْعَدُ لِلْفَتٰی

وَ لَقَدْ یُشَرِّفُہٗ بِیَا نُہٗ

خامشی اگرچہ سعادت ہے مگر کبھی انسان کا خطاب بھی اس کو بزرگی عطا کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

كُلُّ عَيْشٍ تَعِلَّةُ
لَيْسَ لِلدَّهْرِ خَلَّةٌ

ساری زندگی اِک بہلاوہ ہے، زمانے کے ساتھ کسی کی بھی دوستی نہیں ہوتی۔

يَوْمَ بُوْسٰى وَ نُعْمٰى
وَ اجْتِمَاع وَ قِلَّه

ہر دن خواہ وہ عیش و عشرت کا ہو یا غم و اندوہ کا، کثرت کا ہو قلت کا گزرنے والا ہے۔

حُبُّنَا الْعَيْشَ وَا لتَّكَا
ثُرَ جَهْلٌ وَ ضِلَّه

عیش و عشرت اور مال و دولت سے ہماری محبت محض جہالت اور گمراہی ہے۔

بَيْنَمَا الْمَرْءُ نَاعِمٌ
فِى قُصُوْرٍ مُظِلَّهُ

اسی اثنا میں کہ جب انسان اپنے عالیشان محلات میں آسودہ حال ہوتا ہے اور۔

فِی ظِلَالٍ وَ نِعْمَۃٍ
سَاحِبًا ذَیْلَ حُلَّۃٍ
وہ نعمتوں کے پرتعیش سائے میں زندگی بسر کرتا ہے اور متکبرانہ چال چلتا ہے۔

لَا یَرٰی الشَّمْسَ مُبْغَضًا
رَۃً اِذْ زَلَّ زَلَّۃٌ
وہ سورج کو انقلاب پذیر نہیں دیکھتا اور اچانک اس سے لغزش ہو جاتی ہے۔

لَمْ یَقُلْھَا وَبَدَّلَتْ
عِزَّۃَ الْمَرْءِ ذِلَّۃٌ
وہ سورج سے کوئی بغض نہیں رکھتا مگر اُس نے اِس کی عزت کو ذلت میں بدل دیا ہے۔

آفَۃُ الْعَیْشِ وَالنَّعِیْمِ
کُرُوْرُ الْاَھِلَّۃِ
چاند کا لوٹ لوٹ کر آنا عیش اور نعمتوں کے لیے آفت ہے۔

وَصْلُ يَومٍ بِلَيْلَةٍ
وَعْتِرَاضٌ بِعِلَّهُ
د ن کارات کے ساتھ ملنا اور پھران کا قابل ملامت ہو جانا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَا لمَنَايَا جَوَاثِمُ
كَالصُّقُوْرِ المَدِلَّهْ
اور موت تو کسی جھپٹنے والے شکرے کی طرح ہر وقت انسان کی تاڑ میں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بِالَّذِى تَكْرَهُ النُّفُوْ
سُ عَلَيْهَا مُطِلَّهْ
اور وہ چیز جسے انسانی نفس کبھی بھی پسند نہیں کرتا وہی ہر دم اس کی تاک میں رہتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

قَدْ مَالَ دَهْرٌ عَلَيْنَا ثُمَّ اَهْلَكَنَا
بَالبَغْى فِيْنَا وَبَزًّا لِنَّاسَ نَاسُوْنَا
ایک وہ وقت تھا جب زمانے کا میلان ہماری طرف تھا پھر اس نے ہماری بغاوت کی وجہ سے ہمیں ہلاک کر دیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِنَّ التَّفَكُّرَ لَا يُجْدِی بِصَاحِبِہٖ
عِنْدَ الْبَدِيْهَةِ فِی عِلْمٍ لَہٗ دُوْنَا

اپنے صاحب کو مصیبت کے وقت غور وفکر کا کہو اور اس کا وہ علم جو قلیل ہو تو اس سے اپنے امور کے فیصلے کرو۔

قَضُّوْا اُمُوْرَكُمْ بِالْحَزْمِ اِنَّ لَهَا
اُمُوْرَ رُشْدٍ رَشَدْتُمْ ثُمَّ مَسْنُوْنَا

رشد و ہدایت کے ایسے امور بھی ہیں جن سے تم راہ ہدایت پر گامزن ہو جاؤ گے۔

وَاسْتَخْبِرُوْا فِی صَنِيْعِ النَّاس قَبْلَكُمْ
كَمَا اسْتَبَانَ طَرِيْقٌ عِنْدَہٗ الْهُوْنَا

اپنے سے پہلے لوگوں کے کارناموں کے متعلق پوچھا کرو کہ اُن کے لیے رسوائی کا راستہ کیسے ظاہر ہوا۔

كُنَّا زَمَانًا مُلُوْكَ النَّاسِ قَبْلَكُمْ
بِمَسْكَنٍ فِی حَرَامِ اللّٰہِ مَسْكُوْنَا

ہم تم سے پہلے عرصہ دراز تک لوگوں کے بادشاہ رہے ہیں اور ہمارا مسکن اللہ تعالیٰ کا محترم گھر بیت اللہ تھا۔[*91]

طائف

حجاز کا ایک شہر طائف ہے جو مکہ کی مشرقی جانب جبل غزاوان کے درمیانی علاقے میں واقع ہے۔طائف کا شہر اہل عرب کے ہاں خوابوں جیسا ایک شہر تھا کہ عرب کے سلگتے صحراؤں میں شہر طائف وادیوں جھیلوں سرسبز پہاڑوں مہکتے باغوں گھنے جنگلوں اور بہتی نہروں کا ایک سرد شہر تھا۔طائف میں انگور کے باغات کی بہتات تھی جنہیں وہ چشمے اور نہریں سیراب کرتیں جو پہاڑوں سے اترتی تھیں۔طلوع اسلام کے وقت یہاں عرب کا مشہور قبیلہ ثقیف آباد تھا اور ان کا سردار عمرو بن عمیر تھا جس کے تین بیٹے تھے عبد یالیل، حبیب اور مسعود جو رئیس طائف تھے۔جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر جا کر اسلام کی دعوت دی جس کے بدلے میں ان بدبختوں نے نہ صرف انحراف کی راہ اپنائی بلکہ شہر کے آوارہ لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے۔مورخین نے اس بارے میں باہم اختلاف کیا ہے کہ شہر طائف کے قدیمی اور اصل باسی کون تھے۔کچھ کا خیال ہے کہ وہ بنو ثقیف تھے ۔کچھ نے لکھا ہے کہ وہ بنو ایاد تھے اور کچھ مورخین دور کی کوڑی لائے ہیں جن کے مطابق اہل طائف قوم ثمود کی باقیات سے تھے۔تاہم عام طور پہ مورخین میں اس بارے میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کے وقت یہاں بنو ثقیف ہی آباد تھے

اور طائف کی ایک وادی ''وج'' ہے جس کے بارے میں کوئی ثقفی شاعر لکھتا ہے کہ:

سَقْیاً یَوْجّ وَ جَنُوبِ وَجّ
وَاحتَلَّہٗ غَیثٌ دِراکُ الثَّجّ

خدا وادیٔ وج اور جنوبی وج کو سیراب کرے اور اس کی چوٹیوں پر مسلسل برسنے والی بارش نازل ہوتی رہے۔

پھر طائف کی ایک وادی" **النخب** " ہے جو طائف سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ہے اور ایک وادی" **العرج** " ہے جسے لیۃ بھی کہا جاتا ہے جس کے سرسبز و شاداب پہاڑی راستے انگوروں کے باغات سے اَٹے ہوئے ہیں۔ وادی العرج کے بالائی حصے میں بنو ثقیف بستے تھے اور زیریں حصے میں بنو نصر آباد تھے۔ وادی کے اس علاقے کو جہاں بنو ثقیف بستے تھے اس کو "**بسل**" کہا جاتا اور بنو نصر کی آبادیوں کو" **جلدان**" کہا جاتا اور جلدان میں ایک سیاہ پشتہ تھا جسے " **تبعہ** " کہا جاتا تھا وہاں کچھ پہاڑی راستے ہیں جن کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ یہاں قوم عاد کی قبریں ہیں۔ طائف کی حسین وادیوں میں ایک وادی "**شدیق** "تھی، جو سراۃ اور ھدہ کے درمیان ہے جہاں بنو نصر کی کچھ آبادی ہے اس کے ساتھ ہی ایک گاؤں "**فتق** " ہے اور عکاظ بھی اسی سلسلہ کوہ کا ایک نخلستان ہے جس کا فاصلہ طائف سے ایک رات کا ہے اور مکہ سے تین راتوں کا ہے جہاں عربوں کا سب سے بڑا میلہ لگا کرتا تھا اور وہیں ایک چشمہ تھا جس کو بنو ہذیل مقدس خیال کرتے تھے پھر ذوالمجاز اور مجنہ مرالظہر ان بھی عربوں کے میلے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی عکاظ سے بڑا نہ تھا اور ابو عبداللہ واقدی نے کہا کہ عربوں کا بڑا میلہ پہلے یہیں لگا کرتا تھا اور یہیں فجار کی جنگیں لڑیں گئیں اور یہیں عرب ایک چٹان کا طواف کیا کرتے تھے [*92]۔

خیبر

حجاز کی ایک بستی خیبر تھی جس میں کئی قلعے تھے اور جس کے کھیت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ خیبر عرب کا قدیمی شہر تھا جس کے نخلستانوں کی دھوم پورے عرب میں تھی اور یہاں جزیرۃ العرب کی سب سے بہترین کھجور کاشت کی جاتی تھی۔ خیبر کی وادئ مدینہ سے آٹھ برید ہ (چھیانوے میل یا ایک سو اڑتالیس کلومیٹر) کے فاصلے پر شام کی طرف تھی۔ ابو عبید بکری نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام خیبر عمالقہ کے ایک آدمی کے نام پہ پڑا تھا جو یہاں آکر اترا تھا۔ طلوع اسلام کے وقت یہاں یہودیوں کے معتدد قبائل آباد تھے جو اپنے مکر و خباثت کی وجہ سے مشہور تھے۔ بیان کیا گیا ہے السمو ال بن عادیا کی سکونت بھی یہیں تھی اور بعض مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عمالقہ کا علاقہ تھا جن سے یہ علاقہ بنی غزہ بن اسد بن ربیعہ نے چھین لیا۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت بری اور مضر صحت تصور کی جاتی ہے اور یہاں بخار کی وبا عام تھی۔ خیبر کا بخار نہایت ہی شدید قسم کا ہوا کرتا چنانچہ کسی عرب شاعر نے ان شعروں میں خیبر کے بخار کی کیفیت بیان کی ہے۔

وَمَنْ يَكُ اَمسٰى فِی بِلَادِ مُقَامَةٍ
يُسَائِلُ اَطْلَالاً بِهَا لَا تُجَاوِبُ

کون بلاد مقامہ میں شام کے وقت آئے اور وہاں ان کھنڈرات سے سوال کرے جو جواب تک نہیں دیتے۔

وَقَفْتُ بِهَا اَبْكِنِی وَاَشْعَرُ سَخنَۃً
كَمَا اعْتَادَ مَحْمُو مًا بِخَيْرَ صَالِبٌ

میں وہاں روتا ہوا گیا اور مجھے اس قدر سخت گرمی محسوس ہوئی کہ جس طرح خیبر کے علاقے میں تپ زدہ آدمی کو سخت بخار آلیتا ہے۔

خیبر کے علاقے میں گنجان آباد نخلستان ہیں جن کی کھجوریں دور دور تک جاتیں تھیں اور عرب بھر میں ممتاز تھیں۔ کھجور کی پیداوار میں اپنی اسی برتری کو خیبر کے شاعر خارجہ بن ضرار المری نے اس طرح بیان کیا ہے!

اَخَالِدُ هَلا اِذ سَفِهَتَ عِشيَرَ ةٌ
كَتَفَتَ لِسَانَ السّوءِ اَن يَتَدَ عرًّا

اے خالد جب تمہارے قبیلے نے بے وقوفی کی تھی تو تُو نے اپنی زبان کو بدخلقی سے کیوں نہ روکے رکھا۔

فَانِكَ وّاستِبضَا عَكَ الشِعْرض نَحْونَا
كَمُستَبِضِع تَمراَ اِلى ارَضِ خِيبَرَا

اور تمہارا شعر لے کر ہمارے ہاں آنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اہل خیبر کے پاس کھجوریں بیچنے کے لیے چلا جائے [93*]‘‘۔

بتایا جاتا ہے کہ خیبر کے اس علاقے میں آج تک کچھ باغات اور کھجوروں کے کچھ نخلستان باقی ہیں جہاں باوجود ویرانی کے آج بھی کچھ کسان اور سیاہ فام مزدور آباد ہیں یہیں ایک بستی کا نام ''فدک'' تھا جہاں نخلستان, شاہی جاگیریں اور کھیت پائے جاتے تھے کسی شاعر کا ایک شعر ہے کہ:

مِنْ عَجْوَةِ الشق نطُوف بِالْوَدَق
لَيسَت مِنَ الوادِی وَلکِن مِن فَدَكُ

یہ شق کے علاقے کی عمدہ کھجور ہے جس سے چکناہٹ ٹپک رہی ہے یہ وادی کی نہیں بلکہ فدک کی کھجور ہے۔

یمامہ

جزیرہ کے عروض میں دو علاقے ہیں جن میں ایک بحرین اور دوسرا یمامہ ہے۔ یمامہ بصرے سے سولہ منزلوں کی مسافت پہ ہے اور تقریباً اتنا ہی فاصلہ کوفہ اور یمامہ کے درمیان بھی ہے۔ عرب کا یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا اور قدیم زمانوں ہی سے یہاں کے باشندے کھیتی باڑی جانتے تھے۔ وہ مختلف النوع فصلیں اگایا کرتے تھے اور یہاں کھجوروں کے اتنے نخلستان پائے جاتے کہ جس کی مثال عرب کے کسی اور علاقے سے نہیں دی جاسکتی۔ یہاں بہت سے قدرتی چشمے تھے اور انگنت کنویں تھے جن سے وہ اپنے نخلستانوں کو سیراب کیا کرتے اور اپنی کھجور دور عرب کے ریگزاروں تک بھیجا کرتے۔ یہاں کا موسم بھی اندرون عرب سے کم گرم تھا۔ ہوا صاف اور صحت کا معیار عمدہ تھا۔ یہاں کے پہاڑ سرسبز درختوں سے اٹے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس کے بعض میدان چٹیل اور سخت مزاج بھی ہیں۔ تاہم یمامہ کے علاقے میں کھجور سمیت کئی فصلیں عمدگی سے کاشت کی جاتیں تھیں۔ مسلیمہ کذاب بھی یہیں پیدا ہوا جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت بھی اس کے ہمراہ تھی اور اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ بہت سے لوگ مسلیمہ کی باتوں میں آکر دین اسلام سے پھر گئے تھے اور اپنی دنیا اور آخرت اندھیر کر لی تھی۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں اسلامی فوجوں نے ایک زبردست جنگ کے بعد مسلیمہ کذاب کو قتل کیا اور خطہ عرب کو اس فتنے سے نجات دلائی۔ مسلیمہ کذاب کو وحشی نے قتل کیا تھا۔ یہ وہی وحشی تھا جو ابوسفیانؓ کی بیوی کا غلام تھا اور جس نے حضرت حمزہؓ کو

احد کے روز شہید کیا تھا۔ بہر حال یمامہ کو جزیرۃ العرب کے اہم شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

بحرین

عروض کا دوسرا علاقہ بحرین تھا جو یمامہ سے چار منزلوں کی مسافت پر تھا۔ بحرین کا یہ علاقہ عرب کی بہت وسیع سرزمین کو گھیرے ہوئے تھا جو ملک فارس کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ یہاں کھجور کے نخلستانوں کی بہتات تھی۔ یہ جزیرہ نما کی سرسبز و شاداب وادی تھی جس کی زرخیزی کی مثل تلاش کرنا مشکل تھی۔ یہاں چشمے بہتے تھے اور بہت سے کنویں تھے جس سے آب پاشی کی جاتی۔ یہاں کے لوگ قدیم زمانے ہی سے کھیتی باڑی سے آشنا تھے اور بہت سی فصلیں اگایا کرتے۔ اس کے علاوہ یہاں بہت سی قسموں کے پھل پیدا ہوتے تھے اس علاقے کا مشہور شہر ہجر تھا جو کبھی بحرین کا دارالسلطنت تھا مگر بعد میں جب قرامطہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ان علاقوں پہ یلغار کی تو انھوں نے اس شہر کو اجاڑ دیا اور تین منزلوں کے فاصلے پر ایک نیا شہر بسایا جس کا نام انہوں نے "**الاحساء**" رکھا۔ چنانچہ بحرین کے بعد الاحسا کو اس علاقے کا مرکز مانا جانے لگا۔ عروض کا یہ علاقہ بھی نہایت سرسبز و شاداب تھا جس میں بہت سے چشمے کنویں ،نخلستان اور پھلوں کے باغات پائے جاتے تھے۔ یمامہ سے الاحسا کی مسافت چار یوم کی تھی اور یہ سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہے اور پھلوں کی بہتات کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔

صنعاء

عرب کے مشہور شہروں میں سے کا ایک نام صنعاء تھا جس کی آب وہوا اپنی پاکیزگی کی بدولت پورے ملک عرب میں شہرت رکھتی تھی۔ ملک عرب میں صنعاء کا شہر غالباً سب سے سرد علاقہ میں واقع تھا۔ یمن کے ان حصوں میں شدید سردی پڑتی تھی مگر اس کے باوجود وہ لوگوں کے لیے نقصان دہ نہ تھی۔ صنعا کے شہر نے اپنی عظمت کے بہت سے دور دیکھے ہیں اور بہت سے بادشاہوں نے اس شہر کو اپنا مرکز بنایا تھا۔ حمیری بادشاہوں نے یہاں بلند وبالا محلات اور قلعے تعمیر کرائے تھے۔ جن میں قصر غمدان کو بہت شہرت حاصل ہوئی جسے شرجیل بن عمرو نامی حمیری بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ صنعاء کے مکانات نہایت خوبصورت تھے اور یہاں کے لوگ اپنی خوشحالی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ یہ شہر اپنے پانیوں اور درختوں کی کثرت کی وجہ سے شام کے مشہورِ زمانہ شہر دمشق کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔ یہاں کی آب وہوا معتدل بازار خوبصورت اور تجارت وسیع تھی۔ صنعا کا شہر قدیم زمانوں سے حمیری بادشاہوں کا دارالسلطنت چلا آرہا تھا۔ یہ شہر عدن سے مشرق کی جانب خوبصورت پہاڑی وادیوں میں گھرا ہوا تھا۔ قدیم زمانے میں اسے آزال کہا جاتا تھا اور چونکہ صنعاء اور اس سے ملحق کئی علاقے امام زیدی کے زیر نگیں بھی رہے تھے اور انھوں نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا جس کا نام "**حصن**" تھا۔ حصن کا قلعہ پہاڑوں کی بلندیوں کو چھوتا تھا اور اپنی تعمیری ساخت کے حوالے سے ناقابل تسخیر بیان کیا جاتا تھا۔ اب بھی اس کے کچھ کھنڈرات ان علاقوں میں موجود ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین اس کی ساخت اور تعمیر پر تحقیق کر رہے ہیں۔ ان کو یہاں حمیری بادشاہوں سے متعلق بہت سے کتبات بھی ملے ہیں جو اس علاقے کی تہذیب وتمدن اور اعتقادات پر

روشنی ڈالتے ہیں۔ حصن کا قلعہ اتنی بلندی پر بنایا گیا کہ اس سے کئی منزل کی مسافت پر واقع ایک شہر زبید پہ نظریں پڑتی تھیں۔ اس کی بالائی جانب ایک سیر گاہ بنائی گئی تھی جہاں عربوں کے بادشاہ اپنا فارغ وقت بتایا کرتے اور اپنے مشیروں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے امورِ مملکت طے کیا کرتے۔ اس سیر گاہ کا نام ''صہلہ'' تھا۔ شاہ یمن کے حکم سے یہاں اوپر سے آنے والے پانیوں کو روک کر ان سے مصنوعی چشمے ترتیب دیئے گئے جو خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔

زبید

جنوبی عرب کے علاقے یمن کا ایک مشہور شہر زبید تھا جس کے قصے عربوں کے جاہلی ادب میں بھی مذکور ہیں۔یہ شہر کبھی علاقے کا سب سے بارونق شہر تھا جسے تہامہ کا صدر مقام قرار دیا گیا تھا۔سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے اس شہر کی آب وہوا بہت ہی اچھی تھی اور یہ ایک صحت افزا مقام تھا۔پانی صاف اور ہوا نکھری ہوئی تھی۔لوگ خوشحال اور خوش اخلاق تھے۔سمندر کا زبید شہر سے فاصلہ ایک دن کی مسافت سے بھی کم تھا۔کبھی شہر کے گرد ایک عالی شان فصیل تھی جس میں تانبے کے آٹھ دروازے تھے۔زبید نامی یہ شہر صنعاء سے مغرب کی جانب واقع ہے اور شہر زبید کی ایک بندرگاہ تھی جس کا نام "**علافقہ**" بیان کیا گیا ہے۔علافقہ سے عربوں کی بحری تجارت کے روابط دور دراز کے ملکوں سے قائم تھے۔زبید سے جنوب کی طرف ساحل بحر پر "**مدینۃ المخا**" کا مقام ہے جہاں سے قہوے کے بیج دور دور تک بھیجے جاتے تھے اور مخا سے چار منزل کے فاصلے پر "**بیت الفقیہ**" کا مقام ہے جہاں قہوے کے بیج کثرت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جو اس علاقے کی خاص وجہ شہرت ہیں۔

عدن

یہیں ایک شہر عدن ہے جس کا نام اس کے بانی کے نام پہ پڑا تھا۔ ماضی قریب میں یہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں تھا جنہوں نے اس کی مشہور بندرگاہ سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی تجارت کو وسعت دی۔ تاہم دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جرمنی کے ہاتھوں ان کے اپنے گھر کو آگ لگی تو انہوں نے وہ تمام گھر خالی کر دیئے جن پہ وہ ناجائز قبضہ جمائے بیٹھے تھے اور انھی میں سے ایک شہر عدن تھا جو کبھی عربوں کی مشہور بندرگاہ تھی۔ عدن کا شہر ساحل ہند پر باب المندب سے جنوب کی طرف واقع ہے تاہم اس کا جھکاؤ قدرے مشرق کی جانب ہے۔ عدن کی بندرگاہ صدیوں سے بارونق رہی ہے جب ہندوستان مصر اور چین کے جہاز اس کے پانیوں میں لنگر ڈالا کرتے تھے اور اٹھایا کرتے تھے۔ عدن کا شہر ایک پہاڑ کے دامن میں ہے جو ایک چٹیل اور سخت مزاج پہاڑ ہے۔ اس کی فصیل کبھی دور سمندر تک چلی گئی تھی جس کا ایک دروازہ ساحل سمندر پہ کھلا کرتا تھا اور دوسرا خشکی پر تھا۔ عدن کا علاقہ عام طور پہ بنجر ہے اور دور دور تک پانی نہیں ملتا۔ قدیم زمانوں کے لوگ اپنے جانوروں پر دور دراز سے پانی لاد کر لایا کرتے تھے۔

نجران

اورانھی میں ایک شہر نجران ہے جو عربوں میں بہت شہرت کا حامل تھا اس لیے کہ نزار کی اولاد مضر ربیعہ اور ایاد میں جب مفاخرت کا تنازعہ ابھرا تو انہیں اہل عرب میں کسی بڑے صاحب دانش کی تلاش ہوئی اور وہ شہر نجران کے افعیٰ جرھمی کے پاس اپنے باپ کی وصیت کا فیصلہ کرانے کے لیے گئے۔ نجران کا علاقہ بہت وسیع تھا اور اس کے سبزہ زاروں نے یمن کی بہت سی زمین گھیر رکھی تھی جہاں جگہ جگہ کھجوروں کے نخلستان اور پھلوں کے باغات تھے۔ یہ ایک پہاڑی شہر تھا جس میں چشموں اور بہتے ندی نالوں کی کوئی کمی نہ تھی اس لیے تمام علاقہ زرخیز اور سرسبز و شاداب تھا۔ نجران کا شہر صنعاء سے قریب اور عدن اور حضرموت کے درمیان واقع تھا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ نجران کا علاقہ یمن کے شمال سے لیکر صعدہ کے شمال تک کی پہاڑیوں پر پھیلا ہوا تھا۔ کبھی یہ شہر بلادِ ہمدان میں شامل تھا اور، بستیوں، آبادیوں اور پانیوں کے درمیان واقع ایک خوبصورت شہر تھا جس کا شہرہ عرب بھر میں تھا۔

ظفار

وادیٔ یمن کے مشہور شہروں میں ایک شہر ظفار تھا جس نے اپنے دامن میں عربوں کے بہت سے راز سمیٹ رکھے تھے اور جس نے بہت اچھے دن دیکھے تھے۔ اگرچہ آج اس کے خرابے محض داستانِ عبرت ہیں اور وہ بھی صرف ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں اور امر فنا پہ یقین سے ان کے دل مزین ہیں۔ ظفار عربوں کا مشہور شہر تھا جسے غالباً ان حمیری حکمرانوں نے تعمیر کیا تھا جنہوں نے یمن پہ صدیوں حکومت کی تھی۔ ظفار کا شہر ظاء مشالہ اور فاء کے ساتھ جون کے ساحلی علاقوں پر واقع تھا اور ساحل بحر ہند سے نکل کر سو میل سے زیادہ شمال کی جانب پھیل گیا تھا۔ ظفار ایک ساحلی شہر تھا اور صنعاء سے اس کا فاصلہ چوبیس فرسنگ تھا۔ اس کے شمال میں احقاف کے وہ علاقے تھے جن میں عادِ ارم آباد تھے جو اپنے انحراف کی بنا پر غضب الٰہی کا شکار ہوئے۔ ظفار شحر کا دارالحکومت بھی رہا تھا۔ یہاں ایسی بہت سی چیزیں پیدا ہوتی تھیں جو ہندوستان کی پیداوار تھیں یعنی ناریل اور پان وغیرہ، ظفار میں بہنے والی ندیوں کے کنارے گھنے جنگلات اور پھلوں کے باغات تھے۔

مآرب

شہر مآرب کو اس کے بانی سبا کے نام پہ بسایا گیا اس لیے ایک طویل عرصہ تک اس کو شہر سبا بھی کہا جاتا رہا۔ سبا اکبر ہی کو یمن کا پہلا بادشاہ مانا جاتا ہے جو یعرب بن قحطان کی اولاد تھا۔سبا کا اصل نام عبد شمس سبا اکبر تھا۔بنو قحطان نے یمن پر چار صدیوں سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی تھی۔مآرب کا شہر یمن کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ایک تھا اور صدیوں حمیریوں کا صدر مقام رہا۔مآرب کا شہر صنعا سے تین دن کی مسافت پہ واقع تھا اور اس کے جنوب میں واقع تھا۔کبھی یہ شہر عرب کا سب سے زیادہ بارونق شہر تھا۔یمن میں اہل سبا کی کثیر آبادی تھی اور اس کے باغوں کے سلسلے اتنے وسیع تھے کہ ایک سوار دو ماہ تک اپنا گھوڑا دوڑاتا رہے تب بھی وہ انہیں پار نہ کرسکتا تھا۔مورخین نے مآرب یا سبا کی بہت سی عظمتوں اور وسعتوں کا بہت ذکر کیا ہے۔مآرب کی ہوا لطیف اور مٹی بہت شاندار تھی۔کہا جاتا ہے کہ دور دراز کی مسافتوں کو طے کرتا کوئی مسافر اگر مآرب کی سرزمین پہ اترتا تو اس کے کپڑوں کی جوئیں اور پسو مر جاتے شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اہل سبا کی سرزمین کو بلدۃ طیبہ کہا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ طیبہ سے مراد اس زمین کی صحت افزا ہوا اور پانی کی شرینی اور سیر گاہوں کی کثرت ہے۔سبا کی سرزمین کے موسم اتنے شاندار تھے کہ نہ گرمیوں میں اتنی گرمی پڑتی کی ایذا دے اور نہ سردیوں میں موسم اتنا تیخ ہوتا کہ ایذا دے۔اس شہر کے دائیں اور بائیں جانب سرسبز باغات کی کثرت تھی جس کی وجہ سے علاقے میں پانی کی بہتات اور زمین کی زرخیزی تھی۔مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ اہل سبا کے ہر گھر میں پائیں باغ ہوا

کرتے۔ پھر ملکہ بلقیس ان کی حکمران ہوئی جو اپنی دانش میں یکتا تھی۔ اس کے دورِ حکومت میں اس کی قوم کے درمیان پانیوں کی تقسیم پہ جنگ ہوئی تو ملکہ بلقیس نے ان پہ حکومت کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے محل میں چلی گئی۔ وہ کسی سے ملتی نہ تھی لوگوں نے اس سے واپس آنے کی درخواست کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ پھر شہر کے بہت سے باعزت لوگ معاملات طے کرنے کے لیے ملکہ بلقیس کے ہاں گئے اور قوم کی طرف سے ملکہ سے معذرت طلب کی۔ ملکہ بلقیس نے کہا نہ تم میں عقل ہے نہ تم میری بات مانتے ہو۔ تب انہوں نے عہد کیا کہ اب وہ ملکہ کی تمام باتیں مانیں گے۔ لہٰذا ملکہ بلقیس ان کے ساتھ وادی میں لوٹ آئی آرب کی سرزمینوں پہ بہت بارشیں ہوتی تھیں اور ان کا پانی وادیٔ کی ڈھلوانوں پہ بہہ کر ضائع ہو جاتا تھا اور کئی کئی دن تک پہاڑی ڈھلوانوں سے نیچے کی آبادیوں تک اترتا رہتا۔

لہٰذا ملکہ بلقیس نے حکم دیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان پتھروں اور قار سے دیوار بنا دی جائے۔ اس طرح دنیا کا پہلا مصنوعی بند معرض وجود میں آیا جس نے تاریخ کے صفحات میں سدِ مآرب کے نام سے شہرت حاصل کی۔ سد مآرب سے بہت نہریں نکالی گئیں جو سبا کی زمینوں کو سیراب کرتی تھیں اور اہل سبا بے فکری اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے تا آنکہ سبا کی حکمران کا واسطہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پڑا جس کی تفصیلات اوپر (جلد دوم) گذر چکی ہیں۔ تاہم سد مآرب کے بند کی تعمیر کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس بند کو بنانے والا یمنی قبائل کا مورث اعلیٰ حمیر تھا اور بعض نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ بند اس کے پوتے عبد شمس سبا اکبر کے عہد حکومت میں تعمیر کیا گیا اور بعض نے اسے لقمان اکبر بن عاد کا کارنامہ لکھا ہے تاہم اس بند کا معمار کوئی بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ اس بند کی بدولت اہل سبا کے ہاں آسودگی کے وہ جہاں در آئے جس کی مثال اس عہد کی کسی اور قوم میں موجود نہ تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اہل سبا کی کوئی عورت جب کسی کام کے لیے گھر سے نکلتی تو وہ اپنے سر پہ ایک ٹوکرا رکھ لیا کرتی ہرے بھرے باغوں سے گذرتے ہوئے صرف گرنے والے پھلوں سے ہی اس کا ٹوکرا بھر جایا کرتا اور وہ گھر لوٹ آتی بالآخر اس قوم کی آسودگی ان کو انحراف اور خالق سے بے اعتنائی کی منزل تک لے گئی جس کے بعد وہ شرک میں مبتلا ہوئے اور اللہ کے پیغمبروں کا انکار کیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ سے جانور چھچھوندر کو ان کے مشہور بند سد مآرب پہ متعین کیا جس نے وہاں اپنے اتنے بچے پیدا کر لیے جنہوں نے سد مارب کو ادھیڑ ڈالا۔ قوم آسودگی کی مستی میں مگن تھی کہ سد

مآرب ٹوٹ گیا اور ان کی آسودگی گذرے کل کی بات بن گئی قوم کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں بس گئی۔

تدمور

شام کے صحراؤں اور حمص کی عملداری میں شامل ایک قدیم شہر تدمور تھا جو حمص کی مشرقی جانب واقع تھا۔ یہاں کی زمین شورزدہ تھی۔ تاہم خال خال کہیں کھجوروں کے نخلستان اور زیتون کے جھنڈ پائے جاتے تھے ۔شہر تدمور کے آثار آج تک موجود ہیں اور عمارتوں کے کھنڈر اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کبھی یہ شہر ایک عظیم شہر رہا ہوگا شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی اور شہر کے اندر ایک شاندار قلعہ تھا۔ تدمور اور حمص کے درمیان تین منزلوں کا فاصلہ تھا۔ یہ قدیم شہر دمشق سے بھی نزدیک ہی تھا یہ دمشق سے ساٹھ اور خمہ سے سومیل کے فاصلے پر تھا۔ تدمور شام کے بادشاہوں کی پسندیدہ جگہ تھی اور ان علاقوں میں آلِ ربیعہ مکین تھے ۔مورخین کے ہاں شہر تدمور کے بانی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ان میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہر تدمور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا کیونکہ یہ علاقہ آپ کی قیام گاہ تھا اور آپ کے حکم سے جنوں نے پتھر کی سلوں، ستونوں اور سفید وسرخ سنگ مرمر سے شہر تدمور تعمیر کیا تھا۔ عرب کا جاہلی ادب بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کے مشہور جاہلی شاعر نابغہ ذبیانی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

وَلَا اَرَی فَاعِلًا فِی النَّاسِ یُشْبِهُمْ
وَمَا اَحَاشِیْ مِنَ الْاَقْوَامِ مِنْ اَحَدٖ

میرے خیال میں کوئی نیک کام کرنے والا اس جیسا نہیں ہوسکتا، اور میں تمام اقوام میں سے کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتا۔

اِلَّا سُلَيْمَانَ اِذْ قَالَ اِلَالٰہُ لَہٗ
قُمْ فِی البَرِیَّۃِ فَاصْدُدْھَا عَنِ الفَنَدِ

سوائے سلیمان (علیہ السلام) کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مخلوق میں کھڑے ہو کر انہیں خطا کاری سے روکیں۔

وَخَیِّسِ الجِنَّ اِنِّی قَد اَذِنْتُ لَھُمْ
یَبْنُوْنَ تَدمُرَ بِالصُّفَّاحِ والعَمَدِ

اور جنوں کو مقہور کر کے رکھیں کیونکہ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ تدمور کو پتھر کی سلوں اور ستونوں سے تعمیر کریں۔

فَمَنْ اَطَاعَ فَاعِقِبْہُ بِطَاعَتِہٖ
کَمَا اَطَاعَكَ واَدْلِلْہُ عَلَی الرَّشَدِ

لہٰذا جو اطاعت کرے اس کی اطاعت گذاری کی جزا دیں اور اس کی صحیح راستے کی طرف راہنمائی کریں گے۔

وَمَنْ عَصَاكَ فَعَاقِبْہُ مُعَاقَبَۃً
تَنْھَی الظَّلُوْمَ وَلَا تَقْعُدْ عَلٰی ضَمَدِ

اور جو نافرمانی کرے اسے سزا دیں ظالم کو ظلم سے روکیں اور خود بھی کینہ اور دشمنی دل میں نہ پالیں۔

اِلَّا لِمِثْلِكَ اَوْمَنْ اَنْتَ سَابِقُهٗ
سَبْقَ الْجَوَادِ اِذَا اسْتَوْلٰی عَلَی الْاَمَدِ

اور اگر کینہ رکھیں تو صرف ان لوگوں کے خلاف جو آپ جیسے ہوں اور جن سے آپ اصیل گھوڑے کی طرح غایت تک پہنچنے میں سبقت لے جائیں[94*]''۔

ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم النیشاپوری جو علامہ ثعلبیؒ کے نام سے معروف ہیں اور جنہوں نے تفسیر کبیر لکھی تھی اپنی تفسیر میں انہوں نے شہر تدمور کے جنوں کی تعمیر کے متعلق لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں مبالغہ کا ایک صیغہ استعمال ہوتا تھا جس میں مبالغے کے طور پہ وہ ایک بات کہہ جاتے ہیں اگرچہ وہ حقیقت نہیں ہوا کرتی جس طرح کہ ان کا خیال تھا کہ عبقر جنوں کا ایک شہر ہے۔لہٰذا وہ ہر عجیب بات کو اس کی طرف منسوب کردیا کرتے تھے اور شہر تدمور کے بارے میں بھی ان کا خیال ایسا ہی تھا۔شہر تدمور کے بارے میں اس قسم کی روایات کی مقبولیت میں اس شہر کے بانیوں کی بے پناہ قوت اور اس شہر کی حیران کن صنعت کو بھی بڑا دخل تھا۔جتنی وسیع اور باعظمت عمارتیں اہل تدمور نے تعمیر کی تھیں وہ عام طور پہ عربوں کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی تھیں شاید اسی لیے انہوں نے اس کو جنوں کا کارنامہ قرار دیا۔قاموس میں لکھا ہے کہ تدمور حسان ابن اذنیہ کی بیٹی کا نام تھا جس کے نام پہ یہ شہر بسایا گیا تھا۔ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ شہر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بسایا تھا شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شہر کو خوبصورتی عطا کی اور یہاں بے شمار عمارتیں تعمیر کرائیں۔

واللہ اعلم

تیماء

ایک شہر تیماء تھا جو تاریخ کی راکھ تلے دب چکا ہے مگر اس کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے۔ تیماء طئی کا صدر مقام تھا اور یہاں سموال بن عادیا حکمران تھا جس نے اس وقت کا سب سے مستحکم قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام **"ابلق فرد"** تھا اور جسے لوگ دور دور سے دیکھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ تیماء کا شہر اہل ثمود کی زمینوں پر تھا وہ حجر اور شام کے درمیان واحد قابل ذکر شہر تھا۔ یہاں پانی کے چشمے بھی تھے اور کھجوروں کے نخلستان بھی۔ یہاں کی آب و ہوا صحت افزا تھی اور لوگ خوشحال اور فارغ البال تھے بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ اصحاب الایکہ کی قوم قدیم زمانوں میں انھی علاقوں میں آباد تھی جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ سموال نے اپنے تعمیر کردہ قلعے ابلق فرد کے بارے میں ایک قصیدہ کہا تھا جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

لَنَا جَبَلٌ یَحتَلُّہُ مَن نُجِیرُہُ
مَنِیْعٌ یَرُدُّ الطَّرفَ وَھُو کَلِیلُ

ہمارا ایک پہاڑ ہے جس پہ وہ چڑھتے ہیں جنھیں ہم پناہ دیتے ہیں، یہ بڑا محفوظ ہے اور نگاہ کو خیرہ کر کے لوٹا دیتا ہے۔

هُوَالاَابلَق اُلفَرَدُالَذِی شَاع ذِکرُ ہ‘
یَعِزُّ عَلَی مَنْ رَامَہ‘ و یَطُو ل‘

یہ وہی ابلق فرد ہے۔ جس کی شہرت عام ہے کہ جو اس کا قصد کر کے آئے یہ اس پہ غالب آ جاتا ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

رَسَا اَصُلُہ تَحتَ الثَّر یٰ وسَمُا بِہٖ
اِلَی النَّجمِ فَرعٌ لَا یُنَا لُ طَوِیْل‘

جس کی جڑ تحت الثریٰ میں مضبوط گڑی ہوئی ہے اور اس کی شاخ چوٹی تک چلی گئی ہے جسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا [95*]‘‘۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

مدین

عربوں کا ایک شہر مدین تھا جو کبھی اہلِ حجر کی بستی تھی۔ یہ قدیم شہر حجر کے نزدیک واقع تھا، قیاس کیا جاتا ہے کہ جب اہل ثمود کی بستیاں اللہ کے عذاب کے باعث اجڑ گئی تھیں تو عذاب سے بچ رہنے والے قبائل نے اس کو بسایا ہوگا۔ مدین چونکہ سمندر کے قریب ساحلی علاقوں میں واقع تھا اس لیے اس کی آب ہوا بہت صحت افزا اور زمین نہایت زرخیز تھی جس میں جابجا پھلوں کے باغات اور کھجوروں کے نخلستان تھے۔ یہ شہر حجر کی مغربی جانب قدرے جنوب کی طرف مائل سمندر کے قریب واقع تھا۔ لوگوں کی بود و باش کا ذریعہ کھیتی باڑی اور گلہ بانی تھی۔ اس میں کون سی قوم آباد تھی اور ان کے عقائد و اخلاق کیسے تھے تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ تاہم جاہلی عرب شعرا کے کلام سے اس بات کی طرف اشارات ملتے ہیں کہ وہاں وہ آلِ ثمود آباد تھے جو عذاب سے بچ رہے تھے۔ شاید حضرت صالح علیہ السلام بھی انھی کے ساتھ ہوں۔ ایک شاعر نے اہل مدین کے بارے میں لکھا کہ؛

رُهْبَانُ مَدْيَنَ وَالَّذِينَ عَهِدْتُهُم
يَبْكُونَ مِن حَذَرِ الْعَذَابِ قُعُودَا

مدین کے راہب اور وہ لوگ جنھیں میں نے عذاب کے ڈر سے بیٹھے ہوئے روتے دیکھا ہے۔

لَو یَسمَعُوْنَ کَمَا سَبعَت کُلَا مَہَا

خَر وَّا لِعِزّ ۃَ رُکَّعاّ وَسُجُودَا

اگر یہ میری طرح میری محبوبہ عزہ کا کلام سن پائیں تو اس کے سامنے رکوع و سجود میں گر جائیں "[*96]۔

دومۃ الجندل

عراق سے روانہ ہونے والا ایک قافلہ عین التمر کے قریب اترا جس کے سردار کا نام اکیدر تھا اور وہ اپنے خالوؤں سے ملنے اطراف شام کی طرف اترا تھا۔اس کا تعلق بنی کلب سے تھا اور اس کے کچھ رشتہ دار اطراف شام میں آباد تھے اور وہ ان سے ملاقات کی غرض سے شام کے ان علاقوں کی طرف آیا کرتا تھا۔ ایک بار جب وہ راستے میں تھا تو اسے ایک منہدم شدہ شہر کے کھنڈر نظر آئے جس کی صرف چند ایک دیواریں ہی بچی تھیں۔چنانچہ اکیدر نے وہیں اپنے خیمے گاڑ دیئے اور اپنے قبیلے کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے میں درخت لگائیں۔انہوں نے سارے علاقے میں بہت سے باغات لگائے شہر پناہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور یوں ایک نیا شہر معرض وجود میں آیا جس کا نام دومۃ الجندل رکھا گیا۔اب یہ شہر عرصہ دراز سے ویران پڑا ہے اور اس کے کھنڈرات تک اپنی پہچان کھوئے دیتے ہیں جہاں کبھی بنو کلب اپنے پورے کروفر کے ساتھ آباد تھے۔انہیں میں زہیر بن کلبی بھی شامل تھا جو اپنے قبیلے کا مشہور شاعر تھا۔چنانچہ الجمی نامی چشمے پر بیٹھ کر اس نے اپنے قبیلے کی مدح میں اس جنگ کی بدولت ایک قصیدہ کہا جس میں بنو کلب نے بنو بکر اور بنی تغلب کے خلاف یورش کی تھی۔تاریخ نے اس مدح کو محفوظ رکھا چند شعر پیش خدمت ہیں!

اَيْنَ اَيْنَ الفِرَارُ مِنْ حَذَرِ المَوْ
تِ وَاِذْ تَتَّقُوْنَ بِلَاءِ بِسَلَابِ

موت کے ڈر سے تم بچ کر کہاں جاسکتے تھے اس وقت جب تم لوٹ مار کے ذریعے اپنا بچاؤ کر رہے تھے۔

اِذ اَسَر نَا مُهَلهِلاَ وَ اَخَاهُ
وَابنَ عَمرُوٍ فِی القَّید وَابُنَ شِهَاب

اور جب ہم نے مہلہل کو اس کے بھائی کو اور ابن عمرو کو اور ابن شہاب کو بیڑیوں سے جکڑ رکھا تھا۔

وَسَبِیسِنَا مِن تَغلَبٍ کُلَّ بَیضَا
ءَ رَقُودِ الضُحٰی بَرُودِ الَّرضَاب

اور ہم نے بنی تغلب کی ہر سفید رنگ کی عورت کو جو چاشت کے وقت سونے والی اور ٹھنڈے لعاب دہن والی تھی کو ہم نے گرفتار کر رکھا تھا [97*]۔

حجر

حجر قوم ثمود کی سرزمین تھی۔قوم عاد پر جب اللہ کا عذاب اترا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے کچھ ساتھی حضر موت کی سرسبز وادیوں میں بس گئے تھے۔ان کے بعد بنو قحطان کے کچھ قبائل نے بھی انہی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔قوم ثمود قوم عاد کی باقیات تھی اور اللہ کے عذاب کے بعد لٹی پٹی اور بے سروسامان تھی اس لیے وہ زیادہ دیر تک بنو قحطان کے جنگجوؤں کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں حضر موت کی وادی سے ہجرت کرنا پڑی قوم ثمود کا یہ قافلہ اپنی خوشیوں اور منزل کی تلاش میں صحرائے عرب کی وسعتیں چھانتا جب حجر کے چشموں پر پہنچا تو علاقے کے حسن نے قافلے کے پاؤں جیسے جکڑ لیے اور انہوں نے وہیں اپنے خیمے گاڑ دیئے۔بہت جلد ان کو وہ عروج حاصل ہوا جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد کیا گیا کہ:

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷/۷۴)

ترجمہ:

”اور تم اس وقت کو یاد کرو جب تم کو خدا نے عاد کے بعد ان کا قائم مقام بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اس کی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے ہو اور سنگ تراشی کر کے پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو“۔

××××××××

چنانچہ حجر قوم ثمود کا شہر تھا جس میں انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر اتنے دیدہ زیب محلات تیار کئے جن کا ذکر رہتی دنیا تک محفوظ کر دیا گیا۔ جب ان کے دن پھرے تو اپنے آباء کی طرح انہوں نے بھی راستی اور حق کو خیر باد کہہ دیا اور شرکیہ اعمال میں ملوث ہوتے چلے گئے۔ ان کی دولت اور ثروت اہل عرب میں مثال تھی اور ان کے محلات کا عرب بھر میں کوئی جواب نہ تھا۔ اللہ نے ان کے ہاں حضرت صالح علیہ السلام کو اتارا تاکہ وہ ان کو راہ ہدایت دکھائیں مگر انہوں نے انکار کیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دیا جس کے بعد اللہ کا عذاب ان کا مقدر بن گیا اور حجر کی وادی کو وادیٔ عبرت میں بدل دیا گیا۔ قوم ثمود پہ اللہ نے ایک ایسی آندھی اتاری جو انہیں کھجور کے خشک پتوں کی طرح اڑائے پھری اور پھر جہاں اس کا جی چاہا ان کو لا پھینکا۔ وادی حجر کی داستان عبرت کو قرآن میں محفوظ رکھا گیا تاکہ آنے والے وقتوں میں لوگ ان کی داستان سے سبق سیکھ سکیں مگر انسان کم ہی ہدایت قبول کرتا ہے۔

حجر کے کھنڈرات اور قوم ثمود کے محلات بوسیدہ حالت میں آج تک موجود ہیں اور انسانی دل کو امر فنا کا وہ یقین مہیا کر رہے ہیں جو انسانیت کا سرمایہ ہے۔ آثار قدیمہ کے مغربی ماہرین کے مطابق اب بھی قوم ثمود کے محلات سے انسانی اعضا دستیاب ہوتے رہتے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس قوم پہ کوئی بہت ہی برا دن گذرا تھا۔ آج اگرچہ حجر کی وادی ویران ہے مگر ان علاقوں کی سیاحت کرنے والے بہت سے لوگوں نے لکھا ہے کہ حجر کی وادی کا سکوت کچھ مختلف ہے اور اپنی زبردست خامشی کے اندر انسان کے لیے کوئی پیغام پوشیدہ رکھتا ہے، جو سننے والا دل اور دیکھنے والی آنکھ محسوس کر سکتی ہے اور اس خامشی میں وہی ابدی پیغام پنہاں ہے کہ یہ دنیا جائے قرار نہیں بلکہ جائے فنا ہے اگر کسی کو شک ہو تو وہ وادیٔ حجر کی خامشی اور سکوت میں چند لمحے گذار کے دیکھ لے۔

حیرہ

حیرہ بھی عربوں کا ایک شہر تھا جسے بعض مورخین کے مطابق بخت نصر نے آباد کیا تھا۔تاہم یہ روایت زیادہ مستحکم ہے کہ حیرہ کا شہر عربوں نے آباد کیا تھا اور قبیلہ دوس کے مالک بن فہم نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔مالک بن فہم ہی اس شہر کا پہلا بادشاہ تھا۔حیرہ کا شہر بہت ہی سرسبز وشاداب تھا اور اس کی وادیاں سونا اگلتی تھیں۔ اس کے نواح میں زرخیز زمینوں کی بہتات تھی جن میں پھلوں کے باغات اور کھجوروں کے بے پناہ نخلستان تھے۔تاہم اہل حیرہ کی اکثریت تجارت پیشہ تھی اس لیے کہ حیرہ ایک ساحلی شہر تھا اور اس کے ساحلوں پر مصر ہندوستان اور چین سے آنے والے جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔بعد میں یہی شہر لخمی بادشاہوں کا صدر مقام قرار پایا جنہوں نے یہاں بہت سی عمارات محلات اور قلعے تعمیر کیے۔نعمان بن منذر کی اولاد یہیں پروان چڑھی اور پھر انہوں نے بے پناہ ترقی کی جس کی مثال عرب بھر میں ملنا مشکل تھی خاص طور پہ ان کی تجارتی اجارہ داری توان علاقوں میں صدیوں تک قائم رہی اور کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔

یہاں اُن شہروں، اُن قصبوں، اُن پہاڑوں، اُن نخلستانوں، اُن راستوں، اُن صحراؤں، اُن غاروں اُن قلعوں، اُن آبادیوں اور اُن خرابوں کا کچھ تذکرہ موجود ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پہنچے۔

جزیرۃ العرب، مزید تذکرہ

مدائنی نے لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب پانچ حصوں پہ مشتمل ہے جس میں تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن شامل ہیں۔ اگرچہ عرب کے علاقوں میں بسے بڑے بڑے شہروں کا بیان تمام ہوا مگر عرب میں بہت سی بلندیاں اور پستیاں واقع ہیں۔ بہت سے گاؤں اور بستیاں بہت سے پہاڑ صحرا اور نخلستان ہیں بہت سے کنویں اور چشمے ہیں، بہت سی عمارتیں محلات اور قلعے ہیں بہت سے ویرانے اور بہت سی آباد اور ویران گذرگاہیں ہیں جن کا کچھ ذکر یہاں مقصود ہے۔ اس لیے کہ ان کے ذکر کے بغیر نہ عرب کا تمدن مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی اسلام کے اس لازوال داستانِ انقلاب کی تکمیل ہوتی ہے جس نے جب اہل عرب کے دل کی دنیا آباد کی تو اہل عرب نے جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا بھر کے دل آباد کر دیئے اس طرح تو یہ داستان پوری دنیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کا تذکرہ ممکن نہیں مگر ان صحراؤں اور ان راہگذروں کا تذکرہ تو ضروری ہے جہاں نبی مکرم ﷺ کے قدم پہنچے، زمین کے وہ خوش بخت حصے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کو بوسا دیا، وہ چشمے جہاں آپ ﷺ نے پانی پیا وہ ریگذار جہاں آپ ﷺ کی فوجوں کے قدموں نے دھول

اڑائی، وہ کنویں جن کے پانی سے آپ ﷺ نے وضو کیا، وہ ویرانے جہاں آپ ﷺ قریش کا پیچھا کیا کرتے، وہ گھاٹیاں جہاں آپ ﷺ سفروں کے دوران اترے، وہ زمین جہاں آپ ﷺ تجارت کے لیے جایا کرتے، وہ پہاڑ جہاں آپ ﷺ جنوں کو خطاب کیا کرتے، وہ ویرانے جہاں آپ ﷺ تفکر و تدبر کیا کرتے، وہ ٹیلے جہاں کھڑے ہو کر آپ ﷺ اہل عرب کو حق کی طرف بلاتے رہے، عرب کے وہ بلند اور پست میدان جہاں حق و باطل کی رزمگاہیں سجی، وہ باغ جس کے پھل آپ ﷺ نے کھائے، وہ گلیاں وہ وادیاں وہ بستیاں اور مختلف قبیلوں کی جائے اقامت جہاں آپ ﷺ پیام حق پہنچایا کرتے وہ سب علاقے عرب کی سرزمین تھے اور سرزمین عرب کا ہی کچھ بیان یہاں مقصود ہے۔

چنانچہ وہاں جاء کی ایک بستی تھی جس کا فاصلہ مدینے سے مشرق کی جانب کئی منزل پر مشتمل تھا۔ یہ مدینہ کی بندرگاہ تھی جسے مورخین نے بہت سے لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ مثلاً عبدالملک بن الحسن الجاری وغیرہ۔ جاء کے جنوب مشرقی جانب تقریباً ایک منزل کے فاصلے پر ایک پانی ہے جسے بدر کہتے ہیں اور اس کے قریب ہی بدر نامی ایک بستی ہے جس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے غالباً نضر بن کنانہ نے بسایا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بدر وہاں کے ایک کنویں کا نام تھا جو گول تھا اور جس کا قطر قدرے زیادہ تھا جس میں بدر کا عکس دکھائی دیا کرتا اسی لیے اس علاقے کا نام بدر پڑ گیا۔

تاہم واقدی نے بنی غفار کے کئی شیوخ کے حوالے سے اس روایت کا انکار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے رہنے اور اترنے کی جگہ تھی اور بدر نامی کوئی شخص اس جگہ کا مالک نہ تھا۔ اس جگہ کا نام بدر ایسے ہی پڑ گیا جیسے اور مقامات کا پڑ جایا کرتا ہے۔ تاہم مورخین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان بدر کا معرکہ اسی جگہ بپا ہوا تھا جہاں مسلمانوں نے قریش کے تقریباً سبھی سرداروں کو قتل کر دیا تھا۔

پھر جحفہ کی وادی ہے جس کے اور مکہ کے درمیان ایک راستے پر عسفان نامی بستی ہے جسے بعد میں مدرج عثمان بھی کہا گیا۔ مدینے کی مشرقی جانب طئی کے دو پہاڑ ہیں جنہیں "اجا اور سلمٰی" کہا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ یہ دو شخصوں کے نام تھے۔ ایک اجا تھا جو سلمٰی نامی لڑکی کی محبت میں مبتلا تھا اور ان کی محبت انہی پہاڑوں کے دامن میں پروان چڑھی تاہم اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ عرب قبائل نے انہیں محبت کی پاداش میں سولی پہ چڑھا دیا۔ تاہم ان کی محبت ان وادیوں میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئی اور ان پہاڑوں کو اب صدیوں سے اجا اور سلمٰی کے ناموں سے پکارا جا رہا ہے۔ حجاز میں وادئ مکہ ہے جس کو ان کثیر التعداد

بستیوں کی وجہ سے جو اس کے گرد آباد ہیں ''ام القریٰ'' کہا جاتا ہے۔ مکہ کے راستے میں دو رات کی مسافت پر کچھ نخلستان تھے جن میں ایک کا نام نخلہ یمانیہ ہے جس میں یدعان کی وادی ہے۔ اسی وادی میں نبی اکرم ﷺ نے ایک مسجد بنائی تھی جب آپ ﷺ کی فوجیں جنگ حنین کے لیے یہاں خیمہ زن ہوئی تھیں۔ ان علاقوں میں بنجر پہاڑ ہیں جن کے درمیان ایسے بہت سے پہاڑی درے ہیں جن میں عربوں کے چرواہے اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

ہم مثال کے طور پہ ان چند دروں کا ذکر کرتے ہیں، ابام اور ابیم دو پہاڑی درے تھے جو بنو ہذیل کی ملکیت تھے اور ان سے اوپر ایک اور درہ ہے جسے مخا کہا کرتے اور یہ بھی بنو ہذیل کی ملکیت تھا اور یہ تین درے ہیں جو ''دآء'' کے پہاڑ سے نیچے اترتے ہیں اور ''دآء'' وہ پہاڑ ہے جو نخلتین کے درمیان حائل ہے اور پھر عشر ہے جو ایک اور پہاڑی درہ ہے اور یہ بھی ہذیل کی ملکیت ہے اور عشر کے بلمقابل دو اور پہاڑی درے ہیں جنہیں صہیان کہا جاتا ہے جو کوہ سراۃ سے اترتے ہیں جہاں بنو ہذیل کے پہرے دار پہرہ دیا کرتے تھے اور یہیں ایک اور پہاڑی درہ ہے جسے ہلال کہا جاتا تھا۔ جو کوہ سراۃ اور بسوم سے نیچے آتا ہے اور بسوم نامی پہاڑ بھی بنو ہذیل کا تھا جس کے بیچ سے دو پہاڑی درے طائف تک جاتے تھے اور ان دروں کے نام کفو اسود اور کفو ابیض ہیں یہ درے بہت تنگ اور دشوار گذار ہیں اور بعض جگہ ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں دن میں صرف دو ہی گھنٹے کے لیے روشنی ہوتی ہے۔ یہ تمام درے نخلہ یمانیہ کے بالائی حصے میں واقعہ ہیں اور یہیں قدرے مشرق میں ایک صحرا ہے جسے بلادِ سعد بن بکر کہا جاتا ہے اور یہیں قرن نامی ایک وادی ہے جو کوہ سراۃ کے دامن میں واقع ہے جہاں چند قریشی قبائل آباد تھے اور اس کے ایک طرف کوہ مناقب ہے جس میں یمن کی طرف جانے والے پہاڑی راستے بنے ہوئے ہیں اور یہیں سے یمن، یمامہ نجد اور طائف کو بھی پہاڑی راستے جاتے ہیں جو عربوں کی عام گذرگاہیں تھیں جن پہ صرف پیدل چلنے والے قافلے جایا کرتے تھے۔

سواریوں والے قافلوں کے لیے دیگر راستے تھے۔ پھر مکہ کے پہاڑوں اور دروں میں ایک پہاڑ کو خندمہ کہا جاتا ہے یہیں مکہ کی کئی عمارتیں ہیں جن میں سے ایک شعب ابن عامر ہے اور انھی پہاڑوں میں اجیادان ہے۔ مکہ کا ایک اور پہاڑ جس کا نام ابوقبیس ہے اور ایک جبل ثور ہے جو مکہ کی پچھلی جانب مفجر میں ہے۔ اسی طرح ثبیران ہیں جو دو الگ الگ پہاڑ ہیں جن کے درمیان افاعیہ کا نشیبی علاقہ ہے اور یہی

نشیب منیٰ سے جاملتا ہے۔اصمعی کہتا ہے کہ ''قزح'' وہی قرن ہے جس جگہ مزدلفہ میں امام کھڑا ہوتا ہے اور وہی کہتا ہے کہ ایک ثبیر غنیاء ہے اور دوسرا ثبیر عرج کہلاتا ہے اور یہیں حرا ہے وہ مقدس غار جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ پر اللہ کی وحی لے کر اترے۔چنانچہ ثبیر،ابوقبیس،ثور مکہ کے اردگرد کے پہاڑ ہیں اور انباء طمر،عبر،جماء اور ذباب اور احد مدینہ اور اس کے قریب واقع ہیں اور قموس خیبر میں ہے۔

ینبع کا علاقہ بھی عرب کا نشیبی علاقہ ہے یہ سمندر کے قریب ایک شہر ہے جہاں حسن بن علی بن ابی طالب کی اولاد رہا کرتی تھی۔سمندر کے اوپر اس کی ایک بندرگاہ ہے جو ینبع سے تقریباً ایک منزل کے فاصلے پر ہے اور یہیں ایک پہاڑ ہے جس کا نام رضویٰ ہے،بیان کیا جاتا ہے کہ چاقو چھری تیز کرنے کے لیے جو پتھر استعمال ہوتا ہے وہ دنیا بھر میں صرف یہیں پایا جاتا ہے اور یہیں سے دور دور تک بھیجا جاتا ہے۔جدہ بحر احمر پر واقع ہے جو کہ مکہ کی بندرگاہ ہے۔

رہا مقام حدیبیہ تو اس کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ اس کا کچھ حصہ تو حرم میں داخل ہے اور کچھ اس سے باہر ہے اور مقام تبوک مدینے اور دمشق کے درمیان نصف مسافت پر واقع ہے جہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان مشہور جنگ ہوئی تھی اور تہامہ میں بہت سے شہر واقع ہیں جن میں بعض ویران ہو چکے ہیں اور بعض اپنی پہلی وضع پر اب تک قائم ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کو قائم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا ان میں کچھ کا بیان گذر چکا ہے اور کچھ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔عرب کے عروض میں یمامہ اور بحرین کے علاقے ہیں۔رہا نجد تو یہ تمام عرب کا عمدہ ترین علاقہ ہے یہی وجہ ہے عرب شعرا نے ہر دور میں اس کے ٹیلوں،مہکتی فضاؤں اور خوشبوؤں کے گیت گائے ہیں عرب کے جاہلی ادب سے نمونے کے طور پر صرف چند شعر پیش خدمت ہیں اگرچہ اس کے تفصیلی بیان کے لیے علیحدہ سے ایک دیوان کی ضرورت ہے۔

اَقُولُ لِصَا وَالعِيْسُ تَهوِى

بِنَا بَيْنَ الْمُنِفَةِ فَالضِمّسَارِ

اور جب اونٹ ہمیں لے کر منیفہ اور ضمار کے درمیان تیز رفتاری سے جا رہے تھے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔

تَمَتَّعْ مِنْ شِمِیْمِ عَرَارِ نَجْدٍ
فَمَا بَعْدَ الْعَشِیَّۃِ مِنْ عَرَارٖ

کہ نجد کی اعرار نامی بوٹی سے فائدہ اٹھالے ورنہ آج کی رات کے بعد تمہیں اعرار نہ ملے گی۔

اِلا یَا حَبَّذَا نَفَحَاتُ نَجَدٍ
وَ رِیَّا رُر ضِیہٖ بَعْدَ الْقَطَارِ

نجد کی خوشبو اور بارش کے بعد وہاں کے باغات کی مہک کس قدر بھلی معلوم ہوتی ہے۔

وَاھْلُكَ اِذ یحُلُّ الحَیُّ نَجَدًا
وَاَنْتَ عَلَی زَمَانِكَ غِیْرُ زَارٖ

اور کیا بھلے لگتے ہیں تیرے گھر والے بھی جب تیرا قبیلہ نجد میں اترے اس وقت تو خود بھی زمانے کی شکائتیں نہیں کرتا۔

شُھُورٌ ینقَضِیْنَ وَمَا شَعُرَنَا
بِا نُصَافِ لَھُنَّ وَلَا سِرَارٖ

یہاں مہینوں گذر جاتے ہیں مگر ہمیں نہ تو ان کے نصف کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی ان کے آخر کا۔

أَلَا یَا صَبَا نَجْدٍ مَتٰی ھِجْتِ مِن نَجْدٍ
لَقَدْ زَادَنِی مَسْرَاكِ وَ جداً عَلَی وَجْدٍ

اے نجد کی بادِ صبا تو کب نجد سے پھوٹ نکلی تھی اور تیرے رات کے وقت چلنے سے تو مجھ پہ غم طاری ہو رہا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِء اَنْ ھتَفَتْ ورقاء فی روانَقِ الضحٰی
عَلی فنَنٍ غَضِ النَّبَات مِن الَّرندِ

کیا اس لیے کہ ایک کبوتری چاشت کی روشنی میں کیوڑے کی تروتازہ ٹہنی پر چہچہانے لگی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بکَیت کَمَا یَبکِی الوَلِیدُ وَلم تکُنْ
جَلِیْدًا وَابْدَیتَ الَّذی لَم تُکن تُبدِی

اور تو اس طرح رویا جس طرح کوئی بچہ روتا ہے تو قوی اور صابر نہیں ہوا تو نے وہ بیقراری ظاہر کردی جسے تو چھپانا چاہتا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَقَدْ زعَمُوْا اَنَّ المُحِبَّ اِذا دَنَا
یَمَلُّ وأنَّ النَاٰیَ یشفِی مِنَ الوَجْدِ

لوگوں کا خیال ہے کہ جب محبوب نزدیک آجاتا ہے تو انسان اس سے اکتا جاتا ہے اور یہ کہ دوری غم سے شفاء بخشتی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِکُلٍّ تَدَا و یَنَا فَلَم یَشفِ مَا بِنَا
عَلَی ذَاك قُربُ الَّدارِ خِیرٌ من البُعدِ

ہم نے ہر طرح کا علاج کیا مگر ہماری بیماری کو شفاء نصیب نہ ہوئی اس لیے یہ کہنا پڑا کہ محبوب کے گھر کا قریب ہونا اس کے دور ہونے سے بہتر ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

عَلَی اَنَّ قُربَ الَّدارِ لَیْسَ بِنَا فِعٍ
اِذا کَانَ مَن تَهوَا لَیْسَ بِذِی وُدِ

یہ الگ بات ہے کہ قرب منزل اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک تیرا محبوب دوست دار نہ ہو۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

قِفَا ودّعَا نَجداً وَمن حَلَّ بِالحِمٰی
وَقَلَّ لِنَجِدٍ عِنْدَنَا اَنْ یُوْدَعَّاَ

اے ساتھیو ٹھہرو! اور نجد اور ان لوگوں کو جو حمٰی میں اترے ہیں ان کو الوداع کہہ لو، کہ ہمارے ہاں یہ بات شاذ و نادر ہی دیکھی گئی ہے کہ کسی نے نجد کو خیر باد کہا ہو۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

بِنَفسِیَ تِلك الاَرْضُ مَا اَطیَبَ الرُّبَا
وَمَا اَحسَنَ المُصطَافَ وا لمُترَبَّعَا

اور اس سرزمین پر میری جان قربان ہو کہ اس کے ٹیلے کس قدر عمدہ ہیں اور یہاں کے موسم گرما اور بہار میں اترنے کے مقامات کتنے ہی خوبصورت ہیں۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وَلَيْسَتْ عَشِيَّاتُ الحِمٰى بِرَوَاجِعٍ
عَلَيْكَ وَلٰكِنْ خَلِّ عينك تَدْمَعَا

اور حمٰی کی راتیں تیرے پاس واپس نہیں آنے کی اب بے شک تو اپنی آنکھوں کو اشک بہانے سے نہ روک۔

وَلَمَّا رَأَيْتُ البِشْرَ اَعْرَضَ دُوْنَنَا
وَحَالَتْ بَنَاتُ الشَّوقِ يَحْنِنُّ نُزَّعَا

اور جب میں نے دیکھا کہ بشر پہاڑ ہمارے سامنے حائل ہے اور یہ کہ محبوب کی یاد دلانے والے جملہ آثار بے اختیار روو زار وقطار اشکبار ہیں۔

بكتَ عَينِى اليُسْرىٰ فَلَمَّا زَجَرْتُهَا
عَنِ الجَهْلِ بَعْدَ الحِلمِ اَسْبَلَتَا مَعا

تو میری بائیں آنکھ بھی رونے لگی پھر جب میں نے اسے ڈانٹا کہ دانشمندی کے بعد حماقت کا کیا مطلب تو وہ دونوں رونے لگیں۔

تَلَفَّتُّ نَحْوَ الحِمٰي حَتّٰى وَجدتّنِى
وَجِعْتُ مِنَ الاَ صِغَاءِ لِيتاً وَاَخْدَعَا

اور پھر جب میں نے بار بار مڑ کر قبیلے کی طرف دیکھا حتی کہ میں نے محسوس کیا کہ اس طرح دیکھنے سے میری گردن کی ایک طرف کو اور رگِ گردن کو بھی درد ہونے لگا۔

وَاَذْكُرُ اَیَّامَ الْحِمٰى ثُمَّ اَنْثَنِی
عَلَى كَبِدِی مِنْ خَشْیَةٍ اَنْ تَصَدَّعَا

اور میں ایام حمیٰ کو یاد کرتا ہوں مگر پھر اپنے جگر کا خیال آتا ہے کہ مبادا وہ اس صدمے کو نہ سہار سکے اور پھٹ جائے[98*]''۔

اور نجد میں بھی بہت سے شہر ہیں۔یہیں عالیہ کی وہ سرزمین بھی تھی جس کی بدولت عربوں میں مدتوں جاری رہنے والی جنگ بسوس چھڑ گئی اور جس میں کلیب بن وائل قتل ہوا جو اس کی حفاظت کرتا تھا۔بعض کہتے ہیں نجد کی حد نباج سے شروع ہوتی ہے اور یہ علاقہ بنی عبداللہ بن عامر کا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ جب مسافر قصم سے گذر جائے تو وہ جانے کہ وہ نجد میں ہے اور قصم ایک مقام ہے جہاں جھاؤ کے درخت ہوتے تھے اور پانی وافر تھے جس کی وجہ سے بستیاں بھی بہت تھیں۔ان میں سے دو بستیاں ابن عامر کی تھیں جن میں سے ایک کو عسکران کہا جاتا جہاں اہل قصم کھجور کے پتوں سے بنے خیموں میں رہا کرتے تھے اور یہی جگہ بنی عبس اور دیگر قبائل کے اترنے کی جگہ بھی تھی یہاں بہت سے نخلستان تھے اور یہ علاقہ مدینے کی عملداری میں تھا۔قصم کے ریگستان میں بنی اسد کا کنواں تھا جسے حوریثیہ کہا جاتا تھا اور قصم کے ریگستان میں ہی عجلز ہے جو بنی زمان کے پانی تھے اور جو بصرہ اور مکہ کے عین نصف میں واقع تھا۔یمن کا علاقہ تین حصوں میں منقسم ہے جس میں صحرا پہاڑ اور سمندر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کی ہر چیز میں برکت رکھی ہے اور اسے کھیتوں، نخلستانوں، درختوں، پھلوں سرسبز چراگاہوں اور پیداوار کی کثرت کی زمین کہا جاتا ہے ۔چنانچہ ''ابوالحسن کلاحی'' نے بعض مشرقی اور مغربی مقامات کو صحراؤں میں شمار کیا ہے۔یمن کے مشرقی علاقوں میں مآرب، نجران، حضرموت ہمدان، شحر اور بیجان شامل ہیں۔اس کے مغربی علاقوں میں زبید، علافقہ، عسیسر ،سردد، مور اور ارض حکیم شامل ہیں جو کہ ہموار صحراؤں پر مشتمل ہیں۔ارض حکیم کا علاقہ مبیضہ سے لے کر جلیٰ تک پھیلا ہوا ہے۔وہ کہتا ہے کہ ان صحراؤں اور میدانوں میں وہ فوائد فضائل اور برکتیں

ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی ان کی انتہا کو پہنچ سکتا ہے۔یمن میں بہت سے پہاڑ ہیں جو اپنی بلندی ،وسعت دشوار گذاری، دوری اور مشکل چڑھائی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ابوالحسن کلاجی نے ان کے نام بھی لکھے ہیں جو یوں ہیں (صر مخلاف جعفر، دخر، بعدان، صاب، عتمہ، اریمہ، برع حفاش، ملحان، حضور، تیں ،میسور، شرف اور جبل ہنوم) اور بیان کیا گیا کہ ان میں وہ برکات وفضائل ہیں جن سے کوئی جاہل اور متجاہل ہی نا آشنا رہ سکتا ہے۔اس میں بہت سے باغات، بہتے ہوئے چشمے، میوے پھل، خوشنما مقامات ، درخت مضبوط قلعے اور قوت شکن محل شامل ہیں جن کی مثال بہت سے ملکوں میں نہیں ملتی اور اس نے سمندر کا ایک حصہ بھی یمن میں شمار کیا ہے۔جو چیزیں یمن کے سمندروں سے نکلتی ہیں ان کی تفصیلات کو بھی بیان کیا ہے۔چنانچہ یہاں کے سمندروں سے لولو مرجان اور خوشبودار عنبر نکلتا ہے اس کا بیان ہے کہ وہ چیزیں جو سمندر کے راستے یمن کو آتیں ان کے نام یہ ہیں موتی، یاقوت، کستوری کی کئی قسم کا کافور اور عود، رطب اور مختلف قسم کے عطر فلفل اور لوہا ہندوستان سے آتا تھا اور ریشم اور سونا چین سے آتا تھا اور جو چیزیں عمان اور ارض فارس سے آتی تھیں ان کی تفصیل بہت طویل ہے جس کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور یمن میں سونے اور چاندی کی بہت سے کانیں ہیں۔

قلعے عمارتیں محلات

ملک عرب کی سب سے مقبول اور قدیم عمارت تو بلاشبہ مکہ میں تھی جس کو خانہ کعبہ کہا جاتا ہے اور جو زمین پر اللہ کا گھر ہے اور سب سے پہلا گھر ہے جسے انسانوں کے لیے فلاح کا مرکز بنایا گیا۔ جہاں انسانوں کی پیاسی روحوں کی تسکین ہوتی ہے اور مکہ شہر محبتوں کا ایک شہر ہے جو ہر مسلمان کے دل میں دھڑکتا ہے اور ایک شہر مدینہ ہے جس کو بھی حرم پاک قرار دیا گیا اور جو بلاشبہ محبتوں کا ایک اور شہر ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی مسجد ہے اور وہیں وہ آسودہ خاک ہیں اور شہر مدینہ بھی مسلمانوں کے دلوں میں دھڑکتا ہے اور بس یہی دو شہر ہیں جو مسلمانوں کے تصور میں ہر پل جگمگاتے ہیں اور جن کو وہاں بلایا جاتا ہے وہ خوش قسمت تصور کیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی اہل عرب نے بہت سے شہر بسائے تھے جن میں بہت سے محلات قلعے اور عظمت والی پر ہیبت عمارتیں تعمیر کیں، ناقابل تسخیر قلعے تعمیر کیے۔ عرب کے اندرونی ریگزاروں میں رہنے والے عرب قبائل عام طور پر خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تاہم عرب کے

بہت سے دیگر قبائل یمن حضر موت اور یثرب کی زرخیز وادیوں میں بھی رہتے تھے جنہوں نے وہاں مستحکم نظام حکومت قائم کیے اور اپنی بہت سی یادگاریں آنے والے لوگوں کے لیے چھوڑیں۔ خاص طور پہ یمن کے محلات اور قلعے اپنی مثال نہ رکھتے تھے یمن میں بہت سی آباد حویلیاں تھیں اور کئی دلکش اور عالی شام محل تھے۔

ان میں ایک کا نام غمدان تھا جو شہر صنعاء کی شان تھا اور جسے یعرب بن قحطان نے تعمیر کیا تھا۔ یہ ایک بیس منزلہ عمارت تھی جس کی ہر چھت بیس فٹ بلند تھی اس میں سو کمرے تھے اور اس کی بالائی منزل پہ بادشاہ کی رہاشگاہ تھی جس میں آئینوں سے دیدہ زیب کام کیا گیا تھا۔ ایک اور مورخ نے قصر غمدان کے بارے میں لکھا ہے کہ صنعاء شہر سے باہر ایک دلکش محل تھا جسے عرب کے حمیری بادشاہوں نے تعمیر کیا تھا جس کی عمارت بڑی مضبوط خوبصورت اور بلند و بالا تھی جس میں آرائش اور فن تعمیر کی ایسی ایسی صنعت کاری کی گئی تھی کہ دیکھنے والی آنکھیں حیرت سے ششدر رہ جاتی تھیں اور اس میں شرجیل نامی حمیری بادشاہ رہائش پذیر تھا جس کی زندگی اول و آخر یہیں گذری تھی۔ قصر غمدان میں چار رنگوں کا پتھر استعمال کیا گیا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ قصر غمدان اپنے وقت کی عجیب و غریب عمارت تھی یہی وجہ ہے کہ عرب کے جاہلی شعرا نے اپنے کلام میں اس کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے ہم طوالت کے خدشے کے پیش نظر انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

× × × × × × ×

انھیں محلات میں ایک قصر ظفار بھی ہے جو ابرہہ بادشاہ کا محل تھا۔ بلاشبہ اسے بھی سرزمین عرب کی عظیم عمارتوں میں شامل کیا جاتا ہے جس کا ذکر طلوع اسلام تک عربوں کی زبانوں پہ زندہ تھا۔

× × × × × × ×

یمن ہی میں ایک اور محل کا نام سلحین تھا، جسے ایک حمیری بادشاہ حارث نے صنعاء اور مآرب کے درمیان تعمیر کرایا تھا اور انھی میں ایک محل ناعظ ہے جو ملوک ہمدان نے تعمیر کرایا تھا جو کسی زمانے میں ہمدان کی شان قرار دیا جاتا تھا۔ ایک اور محل کا نام بینون بتایا گیا ہے جو عرب کے تبع بادشاہوں نے سرزمین عنتر میں تعمیر کرایا تھا۔ اور انھی میں سرواع نامی محل تھا جو سعد بن خولان کا محل تھا اور یمن کی زمینوں میں اس کی شان

نرالی تھی ،اور انھی میں قصر العشب اور قصر العنقاء بھی تھے جو یمن کے مشرقی علاقے میں ابرہہ ذوالمنار بنالحارث الرائش نے تعمیر کرائے تھے اور جوف کی سرزمین پہ دو ایک جیسی عظمت والے محل ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے جن کے نام براقین اور معین تھے اور بنی عبس کے علاقے میں بھی دو محل تھے جن کے نام اٰحجر اور ھکر تھے جن کو بنی عبس کے علاقے میں ابرہہ بن الصباح نے تعمیر کرایا تھا۔سبائے اصغر کی اولاد سے سنام بذی شان نے بھی یمن میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی تھی جس کا نام اعماد تھا۔پھر دومۃ الجندل کی عظیم عمارتوں میں سے ایک مارد تھا یہ سموال بن عادیا الغسانی کا قلعہ تھا۔اسی طرح ابلق بھی سموال کا قلعہ تھا اور مارد دومہ میں تھا اور سیاہ پتھروں سے بنا ہوا تھا۔ابلق تیماء کے علاقے میں تھا اور سفید اور سیاہ پتھر سے بنا تھا۔

صحرائے شام میں عربوں کی عمارتوں میں سے ایک صرح الغدیر ہے جو حوران کے اطراف میں بلقاء کے قریب غسانی بادشاہوں کی عمارتوں میں سے ایک تھی اور اسے ثعلبہ بن عمرو غسانی نے تعمیر کیا تھا اور اس کے بیٹے جبلہ بن حارث نے اس علاقے میں بہت سی عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں قناطر،ازرع اور قسطل شامل ہیں۔مزید براں اس نے حفیر ،مصنعہ ،قصر ابیر اور معان کی عالیشان عمارتیں بھی تعمیر کرائیں جبلہ بن حارث خود بلقاء میں رہا کرتا تھا۔

عمرو بن الحارث نے دمشق اور اس کے اطراف میں بہت سی عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں تھیں جن میں اس کا اپنا محل بھی شامل تھا ان عمارتوں میں قصر الغضا ،صفات العجلات اور قصر منار جیسی عمارتیں شامل ہیں۔

جبلہ بن الحارث نے اپنے بھائی عمرو کے لیے سر صحرا ایک محل تعمیر کرایا جس کو قصر برقع کا نام دیا گیا قصر برقع کا ذکر عرب شعرا کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔

انہوں نے ہی تدمور نامی شہر میں قصر برقع اور ذات انمار جیسی عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔

حیرہ جو عربوں کا ایک اور شہر تھا اس میں بھی بہت سی عالیشان عمارتیں تھیں اور بے نظیر محلات تھے جن میں سے ایک کا نام خورنق تھا جو کوفے کی بیرونی جانب حیرہ کی طرف واقع تھا اور جس کو سنمار نامی معمار نے تعمیر کیا تھا اس کا کچھ ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

یمن کے بادشاہوں کی ایک عمارت سدیر تھی اور یہ ایک عالی شان محل تھا جس کو نعمان اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔

انھی میں سے ایک قلعہ صنبر ہے جسے امراؤالقیس بن نعمان بن عور نے تعمیر کرایا تھا بیان کیا جاتا ہے کہ اس

وقت کے عظیم معمار سنمار کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اسی محل کی تعمیر کے بعد پیش آیا تھا۔نعمان بن منذر نے حیرہ کے مقام پر ایک عظیم محل تعمیر کیا جس کا زوار تھا حیرہ لخمی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا جہاں اور بھی بہت سی عالیشان عمارتیں موجود تھیں۔

[*99]

صنعت و حرفت

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ صنعت و حرفت کے میدان میں عربوں نے کئی کامیابیاں حاصل کیں تھیں۔ اگر چہ ان کی صنعت کا دارو مدار ان کی ضرویات کی نوعیت پر تھا اور وہ اس میدان میں آگے بڑھنے کے شائق نہ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ بدویت اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی اور وہ شہری آبادی سے اور ان صنائع سے بہت فاصلے پہ تھے جنہیں شہریت کے لوازمات تصور کیا جا سکتا ہے، مگر یمن، بحرین، عمان اور میسوپوٹیمیا کو لیں تو ان علاقوں پہ عربوں کی حکومت رہی ہے اور کئی پشتوں بلکہ ہزار سال تک عرب ہی ان علاقوں کے حکمران رہے ہیں انہوں نے وہاں کے شہروں کی پیمائش کی اور ان کے تمدن ناز و نعمت کی انتہا کو پہنچے اور ان اقوام میں عاد، ثمود، عمالقہ شامل ہیں۔ ان کے بعد حمیر اور قوم تبّع کے حکمران اور اہل یمن کے ازدوں کی سلطنت اور تمدن مدت دراز تک ان علاقوں میں مستحکم رہا۔ ساتھ ہی کئی صنعتوں کو بھی فروغ حاصل ہوا جو اقتدار عربوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی مستحکم رہیں لہٰذا یہ صنعتیں باقی رہیں اور اپنے علاقوں کی پہچان کا باعث بنتی رہیں۔ ان میں کپڑے کی عمدہ بنائی، ریشم کا اعلیٰ استعمال اور یمنی چادریں وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم اندرون عرب کا تمدن صنعت و حرفت کے حوالے سے اپنی انفرادیت

لیے ہوئے تھا اوران کی صنعتوں کا تعلق براہ راست ان کی ضروریات سے تھا۔چنانچہ ان کی ضرورتوں سے متعلق بہت سی صنعتیں ان میں رائج تھیں اگر چہ یہ کم تھیں اوران میں پوری طرح پختگی بھی نہ آئی تھی کیونکہ اہل عرب کی سرشت میں بلندیوں، مفاخرت، شجاعت اور شہسواری کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔علاوہ ازیں وہ تقدم جرأت، ایفائے عہد، مہمان داری کے حقوق معاہدے کی پابندی، مہمان نوازی اور سخاوت میں بھی مسابقت کے قائل تھے۔ان کے خصائل عالی اور باتیں عمدہ ادب کی نئی جہتیں وضع کررہی تھی اس لیے ان کے ہاں صنعت پیشہ لوگوں کو کم مرتبہ اور نسبی شرافت سے عاری خیال کیا جاتا تھا۔اگر چہ ان کے معاشرے میں بہت سی صنعتیں دبے پاؤں اپنی اہمیت کو اجاگر کررہی تھیں۔ چنانچہ ان کے ہاں ایک صنعت معماری کی تھی جوصرف شہری علاقوں میں پائی جاتی تھی کہ اس کی ضرورت سے عرب کا بدوی معاشرہ بے نیاز تھا اور معماری کی صنعت سے مراد گھروں منزلوں اور قلعوں کی تعمیر کے علم کا جاننا ہے۔

علامہ اب خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس ضمن میں الگ سے فصلیں تحریر کی ہیں وہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے احوال کے انجام پہ نگاہ رکھتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ ان امور کے بارے میں غور کرے جو اسے گرمی اور سردی کی تکلیف سے بچائیں اوران میں ایسے گھروں کی تعمیر ہے جو انسان کو موسمی شدائد سے محفوظ رکھیں۔عربوں میں سے جولوگ اس پیشے کو اختیار کرتے ان میں کئی قسموں کے لوگ شامل ہوتے۔چنانچہ ان کی خاص شہرت ان کی مہارت کی دلیل ہوتی اوران میں وہ اشخاص شامل ہوتے جو صاحب نظر اور ماہر ہوتے جب کہ ان میں سے اکثر خام کار ہی ہوتے۔اور یہ انھی صاحب نظر افراد کا کمال فن تھا کہ انہوں نے عرب کے حکمرانوں کے لیے یمن میں قابل ذکر محلات اور ناقابل تسخیر قلعے تعمیر کئے۔علامہ اصفہانی نے اپنی کتاب جزیرۃ العرب میں تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے اور ہماری اس کتاب میں اہل عرب کے محلات اور قلعوں اور شہروں کا احوال گذر چکا ہے اس لیے ہم اسی پہ اکتفاء کرتے ہیں۔اہل عرب اپنے مکانات مختلف طریقوں سے تعمیر کرتے تھے۔چنانچہ ان میں سے بعض پتھر کے بنے ہوتے تھے۔بعض مٹی اور گارے کے۔بعض کچی اور بعض پکی اینٹوں سے تعمیر کئے جاتے تھے اور ایک عرب مورخ نے عرب بادیہ نشینوں کے گھروں کی دس اقسام گنوائی ہیں۔ان کا ایک گھر بھیڑ اور بکری کی پشم کا بنا ہوا خیمہ ہوتا تھا جس کو"**نبــــاء**" کہا جاتا تھا،اونٹ کی اون سے بنے ہوئے خیمے کو"**بجاد**" کہا جاتا،اس کے بالوں سے بنے ہوئے خیمے کو"**فسطاط**" کہا جاتا،روئی کے بنے ہوئے خیمے

کو"**سرداق**" کہا جاتا، علامہ جوہری کہتا ہے کہ سرداق سرداقات کا مفرد ہے جس سے مراد وہ شامیانہ ہے جو گھر کے صحن پہ پھیلایا جاتا ہے۔ اور درخت کی بڑھی ہوئی ٹہنیوں کو کاٹ کر جو گھر بنایا جاتا اس کو عرب "**شذب**" کہتے، اور حضار اس باڑ کو کہا جاتا جو گھروں اور جانوروں کی قیام گاہ کی بیرونی دیوار کے طور پہ بنائی جاتی اور اس کو بھی درختوں کی ٹہنیوں سے بنایا جاتا، اور محتضر اس شخص کو کہا جاتا جو باڑا بناتا ہے اور "**خیمہ**" وہ گھر ہے جسے وہ لکڑی سے تعمیر کرتے اور "**کبۃ**" اس گھر کو کہا جاتا جو خشت خام کا بنا ہوا ہوتا۔ عرب بادیہ نشینوں کو خشت و خاک سے بنے یہ گھر بلند و بالا محلات اور مزین گھروں سے زیادہ محبوب تھے جس کا اظہار ان کی زبانیں اکثر کرتی رہتیں۔ چنانچہ ایک کہنے والے نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے!

لَبَیْتٌ تَخفِقُ الْاَ رْوَاحُ فِیہ
اَحَبُّ اِلیَّ مِنْ قَصرٍ مُنِیْفُ

اور وہ خیمہ جس میں ہوا سائیں سائیں کر رہی ہو مجھے ایک بلند محل سے زیادہ محبوب ہے۔

اَلْحُسْنُ یَظْھَرُ فِی شَیْئَیْنَ رَوْنَقُہٗ
بَیْتٍ مِنَ الشِعْرِ اَوْ بَیْتٍ مِنَ الشَّعَرِ

حسن اپنی آب و تاب دو چیزوں میں ظاہر کرتا ہے یا بیت شعر میں یا بیت شعر یعنی بالوں سے بنے خیمے میں۔

اور اہل عرب کے ہاں ایک صنعت نجار کی تھی اور یہ صنعت ہر آبادی اور ہر قوم کے ساتھ متصل ہے کیونکہ ہم

بیان کر چکے ہیں کہ بعض عرب شہروں میں رہنے والے ہیں اور لازمی امر ہے کہ انہیں اس صنعت کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ان کے گھروں کے لیے چھت اور دروازے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چھت اور دروازے کے لیے لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے اور لکڑی کو استعمال کرنے کے لیے بڑھی کی ضرورت ہے۔ اس لیے اس صنعت کو دنیا کی قدیم ترین صنعت قرار دیا جاسکتا ہے۔ بعض عرب بادیہ نشین ہیں جن کے خیموں کے لیے عمودوں اور میخوں کا ہونا ضروری ہے اور ان کی عورتوں کے لیے ہودوں کا ہونا ضروری ہے اور ان کے ہتھیاروں کے لیے نیزوں کمانوں اور تیروں اور دیگر ہتھیاروں کے لیے بھی نجار کا ہونا ضروری ہے اور ان تمام امور کا مادہ لکڑی ہے اور لکڑی کو جب تک نجار کا دستِ صناعت نہ چھوئے گا وہ مختلف شکلیں کیسے اختیار کرے گی۔ چنانچہ یہ صنعت اس بات کی علامت ہے کہ لکڑی وہ مفید شکلیں اختیار کرے جو انسانی زندگی میں سہولت کا باعث ہوں اور اس سے وہ ہتھیار تیار کئے جائیں جس سے وہ اپنا دفاع کر سکے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ لکڑی اور نجار یعنی بڑھئی کا ملاپ سودمند امر ہے جس کے نتیجے میں تہذیب پروان چڑھتی ہے اور انسان تمدن کے مختلف مراحل طے کرتا ہے نجار کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم ہندسہ درست طور پہ جانتا ہو اور جب تمدن بڑھ جاتا ہے اور فارغ البالی آجاتی ہے تو لوگ ہر قسم کی چیز بنانے میں خواہ وہ چھت ہو یا دروازہ یا کرسی یا گھر کے استعمال کی دیگر اشیا میں ندرت خیالی کی تلاش میں لگ جاتے ہیں تب یہ لوگ اس صنعت میں اپنے کمالی عجائب کے ذریعے عمدگی اور انفرادیت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور یوں انسانی معاشرے میں نت نئی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے جو اس صنعت کے کمال پہ دلیل ہے جس کی مثال یہ ہے کہ پہلے گھروں کے دروازے سادہ بنائے جاتے۔ پھر خراد کی صنعت دریافت ہونے کے بعد دروازوں میں دھاریاں ڈالی جانیں لگیں پھر خراد کے ذریعے اس کے مختلف ٹکڑوں کو تیار کرنا اور اس کے بعد ان کو ایک خاص تناسب سے جوڑنا کہ وہ نہایت پختہ اور خوبصورت بن جائے زبردست صناعی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اس کے بعد ان امور کا ذکر کیا ہے جن کی اس صنعت میں ضرورت پڑتی ہے اور ان معلومات پر سیر حاصل بحث کی ہے جن کی ضرورت اس صنعت میں پڑتی ہے۔ پھر اوائل اور قدما میں سے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس صنعت کو اختیار کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس قدیمی صنعت جس کا سراغ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک جاتا ہے کا ابن خلدون کے سوا کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا خاص طور

پہ اہل عرب کی تاریخ وتمدن بیان کرنے والے علماء نے اسے بالکل نظر انداز کیا ہے۔ حالانکہ عربوں میں بھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس پیشے کو اختیار کیا اس کی مشق کی اور اس میں اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کی۔ اگرچہ لغت کے اماموں نے ان تمام ہتھیاروں کے نام بیان کئے ہیں اور ان مخصوص شکلوں اور ناموں کے بارے میں بھی تذکرہ کیا ہے جو نجار استعمال کیا کرتے تھے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب کو بھی اس صنعت سے کمال واقفیت حاصل تھی اور قوموں کی ضروریات میں سے ایک صنعت آہن گری بھی ہے جس سے کوئی قوم مستغنی نہیں رہ سکتی اور ہتھیار اس صنعت کے ارتقاء کا نتیجہ تھے جو اہل عرب کے لباس کا حصہ تھے اور لوگوں کی معیشت اور پیشوں میں لوہے کے جو فوائد ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ کیونکہ صنعت کسی بھی قسم کی ہو یا تو اس میں لوہا استعمال ہوگا یا اس کے ہتھیار لوہے سے بنے ہوں گے اور لوہے کی صنعت ہزاروں سال قدیم ہے۔ اس لیے قدیم روایات اس بات سے آگاہ کرتی ہیں کہ لوہا اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اترے تو لوہے کی پانچ چیزیں ان کے پاس تھیں جو دراصل ہتھیار تھے، یعنی اہرن، زبور، سوئی، ہتھوڑا اور سان۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌO

القرآن الحکیم (سورۃ الحدید ۵۷ / ۲۴)

ترجمہ:

”اور ہم نے لوہا اتارا اس میں سخت ضرورت ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہے (اور ہم نے اسے اس لیے اتارا ہے کہ) اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے اور اللہ ہی قوی اور غالب ہے“۔

××××××××

اہل عرب میں جو شخص یہ پیشہ اختیار کرتا عرب اسے **"قین"** کہتے تھے۔علامہ جوہری کہتا ہے قین کے معنی لوہار کے ہیں جو لوہے کے استعمال پہ قدرت رکھتا ہو۔عربوں میں لوہے کے بنے ہوئے تیر اور تلوار استعمال ہوتے تھے جو ان کے ہاں خود انھی کے کاریگر تیار کرتے تھے۔تاہم عرب ہند کی تلوار کو بہتر خیال کرتے تھے۔بیان کیا جاتا ہے کہ یہ صنعت عربوں میں خوب راسخ ہو چکی تھی یہاں تک کہ وہ اس سے دقیق چیزیں بھی بنا سکتے تھے۔عرب کے لوہار اپنے شہ سواروں کے لیے تلواریں بناتے تھے اور اس کام میں سریج نامی ایک شخص کو کمال حاصل تھا جس کی بنائی ہوئی تلواریں سریجیئ تلواریں کہلاتی تھیں۔عرب تلوار بنانے والے شخص کو طباح اور اس کو دھار بخشنے والے شخص کو صقیل کہا جاتا اور جو حصے تلوار میں شامل ہیں ان کے ناموں ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس صنعت میں کس قدر باریکیاں پیدا ہو گئی تھیں۔عرب میں سے بعض اپنے چوپائیوں کے لیے لگامیں اور مہاریں بناتے تھے اور یہ چیزیں کئی ایک اجزا اور مختلف جوڑوں پر مشتمل ہیں اور عربوں میں سے بعض لوگ لوہے کے استعمال پہ کمال کی قدرت رکھتے تھے جو اپنے قبیلے کے دفاع کے لیے تیر، میخیں، چھریاں برتن اور دیگر سامان وآلات تیار کرتے تھے۔

عربوں کی ایک صنعت بافندگی تھی اور یہ عربوں کی ایسی صنعت تھی جس میں انہیں منافع اور شہرت دونوں حاصل تھے اور یہ صنعت بھی قوموں کی ضروریات میں سے ہے اور بہت قدیمی ہے۔کیونکہ ہر امت اور ہر قوم میں لباس شرف کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور ریشمی کپڑے کی صنعت میں اہل یمن کو خاص شہرت حاصل تھی۔قدیم زمانوں میں کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے جو اپنی ساخت میں عمدہ دکھائی دیتے تھے وہ جانوروں کی پشم، کتان، روئی کے سوت سے لمبائی میں تانا اور اور چوڑائی میں بانا بنا جاتا۔چنانچہ اسی طرح روئی اور کتان سے بننے کے لیے کپڑے تیار کئے جاتے اور اوڑھنے کے لیے چادریں تیار کی جاتیں۔ طلوع اسلام کے وقت اہل عرب بافندگی یعنی کپڑے کی صنعت میں دیگر بہت سے ممالک سے آگے تھے۔ یمن کی چادریں اور ریشمی کپڑا قیصر وکسریٰ کے محلوں تک جایا کرتا تھا۔اہل عرب لباس کے معاملے میں مفاخرت کے قائل تھے۔

عرب کے بادیہ نشین عام طور پہ سلا ہوا کپڑا پہنتے تھے اور اپنے سروں پہ تاج کے طور پہ عمامہ باندھا کرتے تھے۔بعض اوقات وہ پشت پر چادر ڈال لیتے تھے اور ایک تہمند باندھ لیتے تھے۔رہے شہروں کے رہنے والے تو وہ مختلف قسم کا لباس پہنا کرتے تھے چنانچہ عربوں کے کاہن رنگا ہوا لباس استعمال نہ کرتے تھے اور

عراف نہ تو قمیض کا دامن چھوڑتا اور نہ اپنی چادر کو گھسیٹتا۔ شریف زادیوں کا لباس الگ اور پیشہ ور عورتوں کا لباس الگ ہوا کرتا۔ شاعر الگ لباس استعمال کرتا اور قاضی الگ اور شاعر جب کسی کی ہجو کرنے نکلتا تو اپنے آدھے سر پہ تیل ملتا اور اپنا تہمند ڈھیلا چھوڑ دیتا، جس سے ثابت ہوا کہ اہل عرب بافندگی کی صنعت میں دوسری صنعتوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھے اہل عرب کا بدوی طرز معاش ان کو صنعت کی باریکیوں تک پہنچنے سے روکتا ہر چند کے یہی لوگ زبان کی باریکیوں اور علوم و معارف کے حوالے سے دیگر لوگوں سے بہت آگے تھے۔

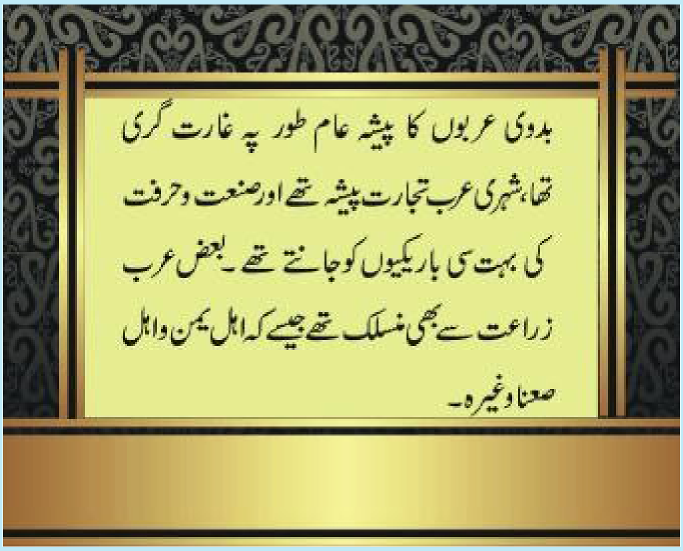

عرب دنیا کی قدیم ترین قوم ہیں اس لیے ان کے ذرائع معاش بھی اپنے اندر قدامت کی ایک مہک لیے ہوئے ہیں۔انسان کا سب سے قدیم ذریعہ معاش شکار تھا اللہ تعالیٰ نے رزق کی تلاش میں ہمیشہ انسان کی راہنمائی اور مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے انسان ان امور کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی ضروریات پورا کرنے کا سبب بنیں۔قوم عرب نے بہت سے زمانے دیکھے ہیں اور زمانے کا یہ طویل دورانیہ مورخین کی نظروں سے قدرے اوجھل ہے۔تاہم اہل عرب کی زبان اور ان کے اشعار نے ہر بدلے ہوئے معاملے کو مقید کر رکھا ہے اور جاہلی عرب کے شعرا کا کلام ان بہت سے پردوں کو ہٹا دیتا ہے جو تاریخ کے در و دیوار پہ پڑے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اہل عرب کے قدیم کسب معاش بھی اندھیرے میں نہ رہ سکے اور جا بجا ان کا ذکر عرب شعرا کے ہاں پایا جاتا رہا جہاں سے مورخین نے ان کی عادات اور خصائل اور ذرائع معاش کے متعلق طویل حالات درج کیے۔عربوں کا سب سے پہلا ذریعہ معاش شکار تھا۔جب انسان اپنے ارتقاء کے سفر میں تھا اور ابھی کھیتی باڑی سے نا آشنا تھا تو اس نے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے شکار کرنا

سیکھا۔اہل عرب کے بارے میں تو مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ وہ حشرات الارض تک شوق سے کھا جایا کرتے تھے۔وہ اپنے صحرا کی وسعتوں میں پائی جانے والی ہر نم چیز کا شکار کرتے اور اسے کھا جاتے۔ تاہم تمدنی ارتقاء کے ساتھ ان کے ذرائع معاش بھی بدلتے رہے اور طلوع اسلام سے بہت صدیاں قبل اہل عرب تجارت اور کاشت کاری جانتے تھے۔اہل عرب کی تجارت علاقے بھر میں مشہور تھی اور عرب کے جھلستے صحراؤں میں ان کے تجارتی قافلے اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے۔پھر جب اسلام آیا تو اسلام نے تجارت کو تمام ذرائع معاش پہ فضیلت عطا کی اور تجارت کو پسندیدہ فعل قرار دیا اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

" التَّاجِرُ الصَّدُوقُ مَعَ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ "

''سچا تاجر بزرگ اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہوگا''

چنانچہ عرب کے وہ علاقے جہاں کی زمینیں قحط زدہ اور کم زرخیز تھیں۔ان علاقوں کے لوگوں کا ذریعہ معاش عام طور پہ تجارت ہی تھا اور نجد و حجاز کے قبائل خاص طور پہ قریش کی تجارت عربوں میں بہت مقبول تھی اور وہ دولت کمانے پہ فخر کیا کرتے تھے۔صحیح بخاری کی شرح فتح الباری لکھتے ہوئے مولف نے لکھا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ تجارت کے ضمن میں بہت خوش نصیب تھے اور اہل قریش میں سے عبد مناف کی اولاد کی تجارت کو اہل عرب میں برتری حاصل تھی کیونکہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے جن کے تعلقات عرب کی حدود سے باہر تک پھیلے ہوئے تھے اور شاہان قیصر و کسریٰ تک نے ان کو تجارت کے پرمٹ جاری کر رکھے تھے کیونکہ عبد مناف کے بیٹے ہاشم کے تعلقات شام کے بادشاہوں کے ساتھ تھے جن کو وہ اعلیٰ نسل کے عربی گھوڑے فروخت کیا کرتے۔چنانچہ ان کے تجارتی قافلوں کو شام کی حدود میں خاص تعظیم حاصل تھی۔ عبد مناف کے دوسرے بیٹے عبد شمس کے اہل حبشہ کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان کے تجارتی قافلوں کو امن حاصل تھا۔ان کے تیسرے بیٹے عبد المطلب کے تعلقات یمن کے حمیری حکمرانوں سے تھے۔چوتھے بیٹے نوفل کو اہل فارس کے ہاں پذیرائی بخشی جاتی۔چنانچہ اہل قریش کے ان چاروں بھائیوں کی تجارت عروج پہ تھی جس کی وجہ سے عرب معاشرے میں انہیں عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا

تھا۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ عبد مناف کے بیٹے سال میں چار سفر کرتے تھے۔ان کی ترتیب یہ تھی کہ جب ان کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آتا تو دوسرے بھائی کا قافلہ یمن کی طرف نکل رہا ہوتا اور جب یمن کا قافلہ واپس آتا تو تیسرے بھائی کا قافلہ فارس کی طرف نکل رہا ہوتا،اور جب فارس کا قافلہ واپس آتا تو چوتھے بھائی کا قافلہ حبشہ کو روانہ ہوتا یوں ان کا ایک سال تمام ہو جاتا۔بتایا جاتا ہے اہل عرب میں سے کسی ایک باپ کی اولاد نے تجارت سے اتنی دولت نہیں کمائی جتنی اہل قریش نے کمائی تھی۔چنانچہ قریش کے تاجران چاروں بھائیوں کے تجارتی قافلے سامان تجارت لے کر بیرونی ممالک کی طرف رواں رہتے اور انہیں کسی سے کوئی ڈر خطرہ نہ تھا کہ وہ خود ایک طاقتور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

چنانچہ ایک عرب شاعر عبد مناف کے چاروں بیٹوں کی مدح میں کہتا ہے کہ:

یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ الْمُحَوِلُ رُحْلَهُ
هَلاَّ نَزَلْتَ بِاٰلِ عَبدِ مَنَافٍ

اے ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ جانے والے شخص تو آلِ عبد مناف کے ہاں کیوں نہ اترا۔

انا خِذُوْنَ العَهْدَ مِنْ اٰ فَا قِهَا
وَا لرَّ احِلُوْنَ لِرَحْلَةِ الا يلافِ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو آفاقِ دنیا سے عہد لینے والے ہیں اور دوستانہ تعلقات کی بنا پر سفر کو نکلنے والے ہیں۔

وَالرَّائِشُوْنَ وَلَیْسَ یُوْجَدُ رَائِشٌ
وَالْقَائِدُوْنَ هَلُمَّ لِلْاَضْیَافِ

یہ لوگ اس وقت لوگوں کی مدد کرتے ہیں جب کوئی مدد کرنے والا نہیں ملتا اور یہ مہمانوں سے کہتے ہیں کہ چلے آؤ۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَالْخَالِطُوْنَ غَنِیَّهُمْ بِفَقِیْرِهِمْ
حَتّٰی یَصِیْرَ غَنِیُّهُمْ كَالْكَافِی

اور یہ اپنے مالداروں کو اپنے محتاجوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں تا آنکہ ان کا مالدار ایسا ہو جاتا ہے جیسا وہ کہ جس کے پاس بمشکل گذارے کے لائق مال ہو[100*]''۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قریش سال بھر میں صرف دو سفر کیا کرتے تھے ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں۔ موسم سرما میں اہل قریش یمن کی طرف نکلتے اور موسم گرما میں شام کے علاقے بصریٰ کی طرف۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اہل قریش کو ان سفروں میں امن حاصل تھا اس لیے کہ یہ اللہ کے حرم کے باشندے تھے اور اس کے عزت والے گھر کے والی تھے۔ اس لیے ان کے قافلے عرب لٹیروں سے محفوظ رہتے تھے اور کوئی ان کی راہ میں حائل نہ ہوتا تھا۔ حالانکہ دیگر لوگوں کا یہ حال تھا کسی کا مال اچک لیا جاتا اور کسی کا مال لوٹ لیا جاتا۔ عطا نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ عجیب روایت کی ہے کہ جب اہل عرب کا کوئی قبیلہ ناداری اور فاقہ مستی کی آخری حدوں کو چھونے لگتا تو بجائے اس کے کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اپنے اہل وعیال کو لے کر کسی ویرانے کو نکل جاتا اور وہیں وہ سب بھوک سے مر جاتے۔ پھر ہاشم بن عبد مناف کا دور آیا۔ ہاشم اپنی قوم کا سردار تھا ہاشم کے ایک بیٹے کو اسد کہا جاتا تھا جس کی بنی مخزوم کے ایک لڑکے سے بہت دوستی تھی اور وہ اس کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن اسد کے اس دوست نے اپنے گھر کی تنگدستی کا حال اسد کو بیان کیا۔ اسد نے اپنی والدہ سے اس کا ذکر کیا جس

نے بنی مخزوم کے ہاں آٹا اور کچھ چربی بھیجی جس سے ان کے چند دن نکل گئے۔ اس کے بعد اسد کا وہ مخزومی دوست پھر اسد سے ملنے آیا اور اس کو کہا کہ اس کا خاندان اپنی تنگدستی کی وجہ سے ویرانے میں نکل جانا چاہتا ہے تا کہ اس کی فاقہ مستی کا حال پوشیدہ رہ جائے اور وہ لوگ عزت سے مر سکیں۔ اسد نے پورا واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا جس نے یہ سب ہاشم کو بیان کیا۔ تب ہاشم نے سب اہل قریش کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ خطاب کیا۔

”اے اہل قریش تم پہ اس قدر سخت قحط سالی آ گئی ہے جس سے تمہاری تعداد کم ہو جائے گی اور تم کمزور ہو جاؤ گے اور تم خدا کے حرم کے رہنے والے اور آدم کی اولاد کے اشراف ہو اور دوسرے سب لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے ہیں اگر تم میری بات مانو تو اس میں تمہاری بھلائی ہے اس پہ سب نے کہا ہم سب آپ کے تابع ہیں اور آپ کی دانش کو جانتے ہیں ہم میں سے کوئی آپ کی منشا کے خلاف نہ جائے گا۔ اس پہ ہاشم نے ان سب کا مال ایک جگہ جمع کیا اور ہر باپ کی اولاد کو تجارت کے لیے دو سفروں پر اکٹھا کر لیا۔ وہ ایک سفر موسم سرما میں یمن کی طرف کرتے اور دوسرا موسم گرما میں شام کی طرف کرتے اور ان سفروں سے ان کو جو منافع حاصل ہوتا وہ اسے اپنے اور اپنے محتاجوں کے درمیان مساوی تقسیم کر لیتے تا آنکہ محتاج اور غنی کا حال یکساں ہو جاتا۔ چنانچہ طلوع اسلام تک اہل قریش کا یہی دستور تھا جس میں اللہ نے انہیں بہت برکت عطا کر رکھی تھی۔ لہٰذا عربوں میں ایک باپ کی کوئی اولاد ایسی نہ تھی جو قریش سے زیادہ مالدار اور طاقتور ہو۔

×××××××

ان کے متعلق شاعر کے اس شعر سے بھی یہی مراد ہے۔

والخالطون غنیّهم بفقیرهم
حتّٰی یصیر غنیّهم کالکافی

اور یہ اپنے مالداروں کو اپنے محتاجوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں تا آنکہ ان کا مالدار ایسا ہو جاتا ہے جیسا وہ کہ جس کے پاس بمشکل گذارے کے لائق مال ہو۔

چنانچہ قریش، حجاز و نجد اور دیگر باشندوں کا یہی حال تھا۔مگر عرب کے دیگر علاقوں میں صورت حال کافی مختلف تھی اس لیے کہ یمن، عمان، بحرین اور حجر کے باشندوں کی تجارت کئی قسم کی تھی اور تجارت کے علاوہ بھی ان کے کئی دیگر ذرائع معاش تھے۔وہ اندرون عرب کی نسبت معاشی طور پہ آسودہ اور خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔عرب کے ان علاقوں کی آسودگی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاں سرسبزی تھی۔ان کی زمینیں زراعت کے قابل تھیں بلکہ بہت زرخیز تھیں۔ان کے موسم معتدل تھے اور بارشوں کی کثرت تھی۔ان کے ہاں قسم قسم کے ذخائر اور عمدہ قسم کی معدنیات تھیں جو ان کی ثروت اور مالداری کا سبب تھیں۔اہل نجد ان کے مقابل کم مالدار اور کم تجارت والے تھے اس لیے کہ ان کا بیشتر علاقہ ریگستان تھا جہاں کسی قسم کی کوئی پیداوار نہ ہوتی تھی اس لیے وہ عرب کے ان علاقوں کے مقابلے میں پست معاشی حالت میں تھے جو زراعت اور آب پاشی کا ہنر جانتے تھے۔خصوصاً اہل یمن تو بہت ہی خوشحال تھے یہ لوگ کھجور کے درخت لگانے کے معاملے میں خاص اہتمام کرتے جس کی وجہ سے ان کے علاقوں میں عمدہ کھجور پیدا ہوتی اور سارے عرب میں تقسیم ہوتی۔جو اشعار اس بارے میں عرب شعرا کی جانب سے وارد ہوئے ہیں ان کا تذکرہ بہت طویل ہے جسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔عربوں کو کھجور کے مختلف حالات کا اسی طرح علم تھا جس طرح کہ وہ اپنے گھوڑوں کے حسن و قبح سے واقف تھے۔چونکہ ان کا ملک دنیا کی بیشتر نباتات کا حامل تھا اور ہر قسم کی فصلیں اگانے اور درخت لگانے کے قابل تھا اس لیے اس بارے میں ان کا علم بھی بہت وسیع تھا۔جو شخص اس بارے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرے جو خاص اس موضوع پہ لکھی گئی ہیں مثلاً ابو حنیفۃ الدینوری کی کتاب "**کتاب النبات**" تو وہ جانے گا کہ عربوں میں زمین کی زرخیزی اور اس کی مختلف حالتوں کو جاننے کا علم کتنا وسیع تھا اور جن لوگوں نے اس پیشہ کو اختیار کیا ان کا تعلق عموماً بادیہ سے تھا اس

لیے کہ وہاں ان کو وسیع زمینیں اور جنگل دستیاب ہوتے تھے۔علامہ ابن خلدون نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ کے مقدمے میں تحریر کیا ہے کہ:

"یاد رکھیں کہ قوموں کے حالات کا اختلاف ان کی معاش کے طریقوں کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ قوموں کا اجتماع صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ روزی کمانے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ایسی چیز سے ابتدا کریں جو ضروری ہو اور حاجت کی چیزوں اور کمائی کی چیزوں سے پوری ہوسکتی ہوں۔چنانچہ ان میں سے بعض کھیتی باڑی کا کسب اپنا لیتے ہیں،بعض گلہ بانی کا پیشہ اپنا لیتے ہیں اور بھیڑ گائے بکری اور اونٹ پالتے ہیں اور یہی ان کا ذریعہ معاش بن جاتا ہے،اہل عرب میں سے بعض لوگ شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے بھی پالتے تھے اور ان سے شہد اور ریشم حاصل کر کے اپنی گذر بسر کرتے تھے اہل عرب عام طور پہ اپنی ضرورت سے زیادہ روزی حاصل کرنے میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔یہ اور بات ہے کہ ان کی بھیڑوں اور اونٹوں کے گلے خود ہی بڑھتے رہتے اور ان کی مفاخرت کا سبب بنتے"۔

××××××××

قدیم زمانوں ہی سے گھریلو دستکاریاں بھی اہل عرب کے ذریعہ معاش میں شامل رہی ہیں اور عربوں میں ایسی دستکاریاں موجود تھیں جو ان کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں اور ان کی ضروریات کے تقاضوں کا ساتھ دیں اور جن کا ہونا ان کے لیے ناگزیر تھا۔خاص طور پہ ان شہروں میں جن کا تمدن قدیم تھا اور مدتوں اہل عرب کے ہاں ان کی دستکاریاں قابل تعریف اسباب معاش میں شامل رہی ہیں۔جس کو خود نبی اکرم ﷺ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون روایت لائے ہیں کہ:

"الحِرفۃُ اَمَانٌ من الفَقرِ"

یعنی دستکاری فقر سے بچاتی ہے

اس کے علاوہ عربوں کی معیشت کے دیگر اسباب بھی تھے مثلاً موتی نکالنے کے لیے سمندر میں غوتے لگانا ۔چنانچہ بحرین، حجر اور ساحلی علاقوں میں مقیم دیگر کئی عرب قبائل کا ذریعہ معاش یہی تھا۔موتی اور سیپ کی بحث کرنا اور سمندر سے ان کے نکالنے کی کیفیت بیان کرنا اور عرب شعرا سے اس ضمن میں جو اشعار منقول ہوئے ہیں ان کا ذکر یہاں محض طوالت کا باعث ہوگا۔

عربوں کے آلات حرب

یادرہے کہ روزِاول سے ہی اولادآدم کا خون بہتا آیا ہے۔خون بہنے کی وجوہات میں تفاوت ہوسکتا ہے کہ مگرانسانی تاریخ کی راہیں انسان کے خون سے بری طرح اَٹی ہوئی نظرآتی ہیں۔اس لیے لامحالہ عربوں کی تاریخ بھی خون سے خالی نہ رہی ہوگی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تاریخ تو دوسری اقوام سے بھی زیادہ خون ریز کی ہے تو اسے مبالغہ تصور نہ کیا جائے۔اس لیے کہ اہل عرب کے ہاں قتل کرنا یا خون بہانا معمول کی بات تھی کوئی اہم بات نہ تھی۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل عرب کی باہمی جنگیں فساد اور خون سے رنگین نظرآتی ہیں۔تاریخی تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوگا سب سے پہلے انسان کے دل میں حسد اور بغض کے جذبے نے جنم لیا۔پھرانسان نے دوسرے انسان کے خلاف اپنے دل میں بغض کی شدت کو محسوس کیا پھر یہی بغض انسان کو نفرت کی اس انتہا پہ لے کے پہنچا جہاں انسان نے دوسرے انسان کا خون بہایا۔مگر انسان کو اول روز سے ہی دوسرے انسان کا خون بہانے کے لیے ہتھیار کی ضرورت محسوس ہوئی اس لیے اس نے مضبوط اور دھوکہ نہ دینے والے لوہے کے ہتھیار بنائے تاکہ وہ اپنی اس حس کی تسکین کر سکے جس کی شدت نے اسے دوسرے انسان کا خون بہانے پہ آمادہ کیا۔اگرچہ ہروہ چیز ہتھیار کہلائے گی جس سے انسان کا خون بہایا جائے اور انسانی جان کو ہلاک کیا جاسکے مگر پھر انسان نے خاص اس مقصد کے لیے جستجو

کی اوراس کی یہ جستجو پتھر کی تیز دھار سے ایٹمی ہتھیاروں تک جا پہنچی۔تاہم آج کے جدید اور ہیبت ناک ہتھیار ہمارا موضوع نہیں ہیں بلکہ ہم اہل عرب کے اس دور کا جائزہ لے رہیں جس میں وہ جاہلی عادات و شعار میں مشغول تھے۔چنانچہ دوسری بہت سی اقوام کی طرح اہل عرب بھی انسانی خون کو بہانے کے لیے ہتھیار استعمال کرتے تھے اور اُن کے اِن آلاتِ حرب کا جائزہ ہی یہاں مقصود ہے۔اہل عرب کے ہاں بہت سے ہتھیار پائے جاتے تھے اور انھی میں ایک تلوار ہے جسے عربوں کا بہترین ہتھیار تصور کیا جاتا تھا ۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس کے بہت سے نام مروّج تھے جن کو وہ اپنے اشعار میں بڑے شوق کے ساتھ استعمال کرتے تھے عربوں میں سب سے پہلے الھالک بن عمرو بن اسد بن خزیمہ نے لوہے کے ہتھیار بنائے۔اسی لیے بنو اسد کو قیون [*101] بھی کہا جاتا تھا اور عربوں کے نزدیک مشرقی تلواریں بہترین خیال کی جاتی تھیں جس سے وہ اپنی بہادری کے جوہر دکھایا کرتے تھے جیسا کہ ان کے کسی شاعر نے کہا کہ:

وَلَوْ سَئِلَتْ عَنَّا جَنُوْبٌ لَخُبِرَّتْ
عَشِيَّةَ سَالَتْ عَقْرَبَاءُ بِهَا الدَّمُ

کہ اگر جنوب (کسی عورت کا نام) ہمارے متعلق دریافت کرتی تو اسے اس رات کا پتا دیا جاتا جس رات عقرباوادی میں خون بہنے لگا تھا

عَشِيَّةَ لَا تُغْنِى الرِّمَاحُ مَكَانَهَا
وَلَا النَّبْلُ اِلَّا الْمَشْرَفِىُّ الْمُصَمَّمُ

جس رات نہ نیزے کچھ کام دے سکے تھے نہ تیر البتہ اگر کوئی چیز کام آسکتی تھی تو ٹھوس مشرقی تلوار تھی [*102] ۔

اس شعر میں جو لفظ مشارف استعمال کیا گیا ہے اس کے متعلق کئی قول ہیں۔ علامہ حربی نے بیان کیا کہ مشارف ریف کے قریب عربوں کی ایک بستی ہے۔ امام بکری نے کہا کہ مشارف کی یہ بستی خیبر اور دومۃ الجندل کے درمیان ہے اور امام ابوالحسن سلامہ نے بیان کیا کہ مسلمانوں کی وہ جنگ جس کو موتہ کہا گیا اس میں مسلمانوں کی رومیوں سے ایک بستی میں جنگ ہوئی جس کے بعد مسلمان اس جنگ سے پیچھے ہٹ آئے اور اسی بستی کا نام مشارف ہے جو بلقاء کی سرحد پر واقع ہے پھر مسلمان مشارف سے ہٹ کر موتہ کی طرف اتر آئے اور موتہ شام میں بلقاء کے مقام پر واقع ہے۔ لہٰذا مشرقی تلوار اگر پہلی بستی کی طرف منسوب ہوگی تو اسم نسبت قیاس کے مطابق ہوگا کیونکہ اسم نسبت بناتے وقت جمع کے لفظ کو مفرد کی طرف لوٹا کر اسم نسبت بنایا جاتا ہے اور نسبت دوسرے کی طرف ہے تو پھر یہ نسبت خلافِ قیاس ہوگی۔ چنانچہ اس تحقیق سے صاغانی وغیرہ کے قول کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے جو کہتا ہے کہ مشرقی تلواریں شام کی طرف منسوب ہیں۔

اور عربوں کی بہترین تلواروں میں سے ایک قسم کا نام "**سُرَیج**" ہے جو سریج کی طرف منسوب ہیں جو بنو اسد کا ایک شخص تھا جس کی بنائی ہوئی تلواروں کی عرب بھر میں شہرت تھی۔ محمد بن حبیب نے کہا کہ سریج بنو معرض کا ایک شخص تھا اور بنو معرض سب لوہار تھے، اور عربوں کے ہتھیاروں کے متعلق ابو عبیدہ کی روایت ہے کہ ایک حمیری بادشاہ نے اپنے بیٹوں سے تلوار کی عمدگی اور خصائص کے متعلق سوال کیا تو حمیری بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے نے جواب دیا کہ!

الصَقِیل الحُسَام البَاتِر المِجذام المَاضِی السِطَام المُرهَف الصَمصام الذی اِذا هزهٖة لم یکبُ و اِذا ضَرَبْتَ بِہ لَمْ یَنْب۔"

یعنی وہ تلوار جو صقیل شدہ ہو اور براں ہو خوب کاٹنے والی ہو جس کی دھار تیز ہو مگر مڑ نہ جائے جسے جب تو مارنے کے لیے حرکت دے تو نشانے سے اچک نہ جائے اور مارے تو نشانہ خطا نہ ہو۔"

تب اس حمیری بادشاہ نے اپنے دوسرے بیٹے ربیعہ سے اس کی پسندیدہ تلوار کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا:

کہ میرے بھائی نے اگرچہ اچھی تلوار پسند کی ہے اور اس کی خوب تعریف کی ہے مگر مجھے تو کسی اور

ہی طرح کی تلوار پسند ہے۔

پھر اس نے اپنی پسند بیان کی اور کہا کہ:

الحُسَام القاطع ذو الرونَقِ اللاّمِع الظمآن الجائع الّذی اذا هَز زَ تَه هَتَك وَ اذا ضَرَبْت َبِه ٖ بَتَك ۔"

جو کاٹنے والی ہو آب و تاب والی اور چمکدار ہو پیاسی اور بھوکی ہو جب تو اسے حرکت دے تو پھاڑ دے اور مارے تو کاٹ دے۔

اس کے بعد اس حمیری بادشاہ نے یہی سوال اپنے تیسرے بیٹے عمرو سے کیا کہ اے عمرو تجھے کونسی تلوار پسند ہے اور کون سی ناپسند تو اس نے جواب دیا کہ مجھے تو وہ تلوار پسند ہے جو کہ۔

الفُطَا رُ الكهَامُ الّذِی اِذ ا ضَرَبْت َبِه ٖ لَمْ يَقطع وَاِز ذُبحَ لَمْ ينْخع ۔"

یعنی وہ تلوار جو بے دھار اور کند ہو جسے جب تو مارے تو کاٹے ہی نہیں اور ذبح کرے تو حرام مغز تک نہ پہنچے"۔

باپ نے بڑے بیٹے ربیعہ سے پوچھا تمھارا کیا خیال ہے اس نے کیسی تلوار پسند کی ہے؟

تو ربیعہ نے کہا کہ خدا کی قسم اس نے ایک بری تلوار کا ذکر کیا ہے مگر مجھے تو اور ہی قسم کی تلوار زیادہ پسند ہے۔

اس کے باپ حمیری بادشاہ نے پوچھا وہ کیسی تلوار ہے؟

الطّبَيِع ُالدّاذَن ُالمِعْضَد ُالمُهَا ن

وہ جو زنگ آلود ہو اور کند ہو اور جس سے درخت وغیرہ کاٹنے کا حقیر کام لیا جائے۔

عربوں کے معروف ہتھیاروں میں ایک ہتھیار نیزہ تھا۔ جسے ' **رمح**" کہا جاتا ان کے ہاں نیزے کو بہترین ہتھیار سمجھا جاتا تھا اور یہ ہتھیار " **ذُوَيَزَن** " بادشاہ کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اسی لیے اس ہتھیار کو " **يَزَنِيّه**" بھی کہا جاتا تھا۔

چنانچہ عربوں کے ایک شاعر ذوالرمہ نے کسی معرکے کے متعلق کہا کہ!

اَزِیْنُ الَّذِی اسْتَوْدَعْنَ سَوْدَاءَ قَلْبِهٖ
هَوَیً مِثْلَ شَكِّ الْاَزْنِی النَّوَاجِمِ

ازین جسے انھوں نے اس کے سویدائے قلب میں رکھ دیا ہے وہ اس کے دل پر ایسا آ کر پڑا ہے جس طرح آزنی نیزے جسم کو پھاڑ کر دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں۔

اصمعی کہتا ہے کہ ایک خطی نیزے ہوتے ہیں جو ایک مقام خط کی طرف منسوب ہیں مجھے معلوم نہیں کہ خط کی نسبت کس کی طرف ہے حالانکہ خط بحرین میں ایک جزیرے کا نام ہے جس کی طرف نیزے منسوب ہوتے ہیں۔ البتہ یوں کہ سکتے ہیں کہ نیزوں سے بھری ہوئی کشتیاں یہاں آ کر ٹھہرتی ہیں لہٰذا انھیں خطی نیزے کہا جانے لگا۔ اور نیزوں کی ایک قسم کو "**رُدَیْنَه**" کہا جاتا ہے اور "**رُمع صَعْدَة**" سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ جب بانس قدرے لمبا ہو اور اس میں لوہے کا باریک پھل لگا ہو تو اسے "**نیزك اور مطرد**" کہتے ہیں۔ اگر اس کی لمبائی اور زیادہ ہو اور اس میں چوڑا پھل لگا ہو تو اسے "**اُلّة اور حربة**" کہتے ہیں اور اگر بانس سیدھا ہو اور اسی طرح سیدھا اُگا ہو کہ اسے سیدھا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے تو اسے "**صعدة**" کہتے ہیں۔ جب یہ لمبا بھی ہو اور اس میں پھل بھی لگا ہو تو اسے "**قناة اور رمع**" کہتے ہیں اور نیزوں کی ایک قسم کو اہل عرب "**قَعْضَبِیة**" کہتے کیونکہ یہ نیزہ قبیلہ قشیر کے ایک شخص کی طرف منسوب تھا جو اس قسم کے نیزوں کو تیار کیا کرتا تھا اس لیے یہ نیزے اسی سے منسوب تھے اور اسی طرح نیزے کی ایک قسم "**شَرعَبِیه**" ہے جس کے متعلق عربوں کا ایک بڑا شاعر اعشیٰ کہتا ہے کہ!

وَلَدْنٍ مِنَ الْخَطِّیِّ فِیْهَا اَسِنَّةٌ
ذَخَائِرُ مِمَّا سَنَّ اَبْزٰی وَشَرْعَبُ

کتنے ہی لچکدار خطی نیزے جن میں پھل لگا ہوا تھا ان ذخیروں میں سے تھے جن کا طریقہ ابزٰی اور شرعب نے جاری کیا تھا۔

اسی حمیری بادشاہ نے اپنے بیٹے عمرو سے پوچھا (جس کا ابھی اوپر ذکر گزرا ہے) کہ جب جنگ میں طرفین کی مڈبھیڑ ہو جائے اور دونوں طرف سے نیزے چل رہے ہوں تو اس وقت کون سے نیزے تمہیں پسند ہوں گے؟

تو عمرو نے اپنے بادشاہ باپ کو جواب دیا کہ میرے نزدیک سب سے پسندیدہ نیزہ وہ ہے جو کہ:

اَلمَـارِنُ المُثَقَّفُ المُقوَّم المِخْطَف الّذِی اِذا هَزَزْتُہ لَمْ یَنعطف و اذا طَعَنْتُ بِہٖ لَم یَنْقَصِف۔

"ٹھوس لچکدار اور سیدھا ہو، سیدھا اور آنکھوں کو چندھیا دینے والا ہو جب اسے حرکت دوں تو مڑے نہیں اور ماروں تو ٹوٹے نہیں"۔

اس کے بعد حمیری بادشاہ نے اپنے دوسرے بیٹے سے پوچھا کہ اسے کون سا نیزہ پسند ہے؟

تو اس حمیری بادشاہ کے دوسرے بیٹے ربیعہ نے کہا کہ اسے نیزوں میں جو خصائص درکار ہیں اور ان کا جو وصف مجھے متاثر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ!

الذَّابِلُ العَسَّا ل المُقوّم النَسَّا ل الماضی اذا هَزَزْتُہ النَافِذُ هَمَزْتہ۔

جو پتلا اور بہت چمکدار ہو، سیدھا اور تیزی سے جانے والا ہو جب ہلاؤں تو اندر گھس جائے اور ماروں تو پار نکل جائے۔

تب حمیری بادشاہ نے اپنے ایک اور بیٹے عمرو سے کہا تو بتا کہ کسی نیزے میں کون سی بری باتیں ہو سکتی ہیں جسے تو ناپسند کرتا ہو؟

عمرو نے جواب دیا۔

الا عُصَل عِندَ الطِعَا ن المُثَلَّم السِنَا نِ الَّذِی اِذَا هَزَزْتُہ انعَطف و اذا طَعَنْتُ بِہٖ انقَصَف۔"

کہ جو نیزہ زنی کرتے وقت ٹیڑھا ہو جائے جس کا پھل ٹوٹا ہوا ہو اور جب اسے ہلاؤں تو مڑ جاتے اور ماروں تو ٹوٹ جائے۔"

پھراس نے کہا ربیعہ تُو بتا کہ اس نے جس نیزے کا ذکر کیا ہے وہ تو ایک برا نیزہ ہے مگر تیرے نزدیک کس قسم کا نیزہ ناپسندیدہ تصور کیا جائے گا؟

تو ربیعہ نے جواب دیا کہ!

الضَّعِیفُ المَھَزّ الیَابِس الکرُّ الذی اِذا اکرَ ھتَہ اِنحَطَمَ وَاِذ اطعَنتَ بِہ اِنقَصَمَ۔"

وہ نیزہ جو حرکت کرنے میں کمزور ہو۔اس کی لکڑی خشک اور سخت ہو جب تو اسے زبردستی ہلانا چاہے تو ٹوٹ جائے اور مارے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

عربوں کے آلاتِ حرب میں ایک آلہ قوس (کمان) ہے اور عرب کہتے کہ ان کی بہترین کمانیں عصفوریہ ہیں۔اس کمان کی نسبت ایک عصفور نامی شخص کی طرف کی جاتی ہے جس کا ذکر جاحظ نے کیا ہے۔

اس نے ابن البشیر کا یہ شعر پیش کیا ہے!

اعطف السِیَاتِ مَوانعِ فِی بذلھَا
تُعزَی اِذا نُسِبَتُ الی عُصفُور

اور یہ ایسی کمانیں ہیں جن کے خم مڑے ہوئے ہیں اور اچھی طرح مڑے ہوئے ہیں
کہ جب ان کی نسبت بیان کی جائے تو یہ عصفور نامی شخص کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ حطیہ اور فرزدق دونوں جنگلی گدھوں اور عربی کمانوں کا وصف بیان کرنے میں دیگر عرب شعرا کے مقابلے میں بلند پایہ شاعر تصور کیے جاتے ہیں۔اسی طرح شنفری بھی دیگر شعرا کے مقابلے میں کمانوں کی بہتر تعریف کرتا ہے۔ان کی شاعری میں اہل عرب کے جنگی معرکوں کا ذکر بسیط ہے جن سے نمونے کے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں۔

وَاِنّی کَفَانِیْ فَقَدُ مَنْ لَیْسَ جَازِیاً
بِحُسْنٰی وَلَا فِیْ قُرْبِہٖ مُتَمَلَّسلُ
اگر مجھے کوئی ایسا دوست نہیں مل رہا جو مجھ سے نیک برتاؤ کرے یا جس کے قرب میں ہونے سے مجھے دلاسا ہو تو کوئی بات نہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ثَلَاثَۃُ اَصْحَابٍ فُؤَادٌ مُسَیَّعٌ
وَابْیَضُ اُصْلِیْتٌ وَصَفْرَاءُ عَیْطَلُ
مجھے یہ تین ساتھی کافی ہیں ایک بہادر آگے بڑھنے والا دل اور چمکدار تیز تلوار اور لمبی کمان۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ھَتُوفٌ مِنَ المُلْسِ المُتُونِ یَزِیْنُھَا
رَصَائِعُ قَدْ نِیْطَتْ اِلَیْھَا وَمِحْمَلُ
کہ میری کمان آواز نکالنے والی ہے اور اس کی پشت ہموار ہے جو حلقے اس کے ساتھ لٹکے ہوتے ہیں وہ اور اس کی پیٹی اسے زینت بخشنے کا سبب ہوتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِذَا زَلَّ عَنْھَا السَّھمُ حَنَّتْ کَاَنَّھَا
مُرَزَّاۃٌ ثُکْلٰی تَرِنُّ وَ تُعْوِلُ
جب اس سے تیر پھسل کر نکل جاتا ہے تو یہ اس طرح آواز نکالتی ہے جیسے کوئی مصیبت زدہ عورت جس کا بچہ مرگیا ہو اور وہ زاروقطار رو رہی ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِكُلِّ فِرعَونِيَّةٍ لَونُهَا
لَوْنُ فَضِيْضِ البَغْشِ الغَادِيَه

اور ہر فرعونی زرہ کے ساتھ جس کا رنگ ہلکی ہلکی صبح کی بارش کے بکھرے ہوئے پانی کی طرح ہو [*103]۔

اہل عرب زرہ کو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔اس کے علاوہ بعض عرب اس کو عربوں کے بادشاہوں تبّع اور محُرّق کی طرف بھی منسوب کرتے تھے جس سے شعرا کی مراد یہ ہوتی تھی کہ یہ زرہ قدیم اور عمدہ بنی ہوئی ہے۔تاہم عربوں کے ہاں خطمی زرہیں مقبول تھیں جو حطمہ بن محارکی طرف منسوب ہیں۔ابن کلبی کہتا ہے کہ یہ اس حطم کی طرف منسوب ہیں جو نبی عمرو بن مرثد کا ایک فرد تھا، بنی عمرو بن مرثد بن قیس بن ثعلبہ کی ایک شاخ ہے۔پھر سلوقی زرہیں ہیں جو دراصل یمن کی زرہیں تھیں اور سلوق نامی ایک بستی کی طرف منسوب تھیں اور زرہ عربوں کا ایک اہم جنگی ہتھیار تھا ۔خود آنحضرت ﷺ نے بھی کفار کے ساتھ معرکوں کے دوران زرہ کا استعمال کیا ہے، زرہ کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے جیسے کہ بعض اہل علم کا خیال ہے اور نہ اس طرح کے دیگر ہتھیاروں کا استعمال۔حق بات تو یہ ہے کہ احتیاط کرنے سے تقدیر نہیں ٹل سکتی البتہ اس سے وسوسہ پیدا ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے اور وسوسوں کا آنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔چنانچہ امام ماوردی نے "**احکام السلطانیہ**" میں لکھا ہے کہ جس روز میدان کربلا میں حضرت حسین بن علیؓ شہید ہوئے اس دن انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی بترا نامی زرہ پہن رکھی تھی۔ان کی شہادت کے بعد یہ زرہ عبید اللہ بن زیاد (المتوفی ٦٧ھ) کے پاس رہی اس کو مختار نے قتل کیا تھا۔تب یہ زرہ عباد بن حصین کے پاس چلی گئی پھر ایک دفعہ جب خالد بن عبداللہ بصرے کا حاکم تھا تو اس نے عباد بن حصین سے یہ زرہ طلب کی مگر اس نے انکار کر دیا جس پہ حاکم بصرہ کے حکم سے انھیں خالد بن اسید نے سو درے لگائے۔اس پر خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان نے بصرہ کے

حاکم کو لکھا کہ عباد جیسے درجے کے شخص کو مارنا مناسب فعل نہ تھا اس سے بہتر تھا کہ تو انھیں قتل کر دیتا۔ عباد بن حصین کے بعد بترہ نامی یہ زرہ کہاں گئی تاریخ اس معاملے میں خاموش ہے۔ عربوں کے آلات جنگ میں سے ایک آلہ بیضہ (خود) ہے۔ جسے سر پہ پہنا جاتا تھا تا کہ انسان کا سر تلوار کے وار سے محفوظ رہے۔ ان کے آلات میں ایک "**مِجن**" بھی جس کو ہم ڈھال کہتے ہیں (تُرس اور دَرقہ) سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یہ بعض قسم کے چمڑوں سے بنائی جاتی ہے اس میں نہ لکڑی ہوتی ہے نہ پشت پر کوئی اور چیز۔ یہ آج بھی عرب قبائل میں پائی جاتی ہے اور اس سے تلوار کا بچاؤ کیا جاتا ہے تا کہ بدن پہ نہ لگے۔ عربوں کے انھی آلات میں منجنیق ہے جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ اسی طرح عرادات ہیں جو منجنیق ہی کے خاندان سے ہے مگر اس کو چھوٹے پتھر پھینکنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق کا استعمال کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کے لیے منجنیق کا استعمال کیا تھا۔ مذکورہ بالا آلات کے علاوہ بھی عربوں کے ہاں کئی آلاتِ حرب پائے جاتے تھے۔ میں نے متعدد کتابیں دیکھی ہیں جن میں ان کے استعمال کے طریقے اور دشمن کو ان کے ذریعے زیر کرنے کی تفصیلات کو بیان کیا گیا مگر ان ہتھیاروں میں سے بیشتر چونکہ اب متروک ہو چکے ہیں اور لوگ ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہیں اس لیے ہم نے اتنے ذکر کو ہی کافی سمجھا ہے جتنا کہ ہم کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پہ لواء ہی کو لیں جسے علم بھی کہتے ہیں تو اسے دراصل فوج کا سردار پکڑا کرتا تھا مگر بعد میں علم کو فوج کے سردار کے سر پہ اٹھایا جانے لگا۔ چنانچہ ابوبکر ابن عربی کہتے ہیں لواء اور چیز ہے اور رایہ اور چیز۔ لواء تو وہ ہے جسے نیزے کی نوک کے ساتھ باندھ کر اس پہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور رایہ وہ ہے جسے نیزے کے ساتھ باندھ کر کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ یہ ہوا سے حرکت کرتا رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بڑے جھنڈے کو لواء کہا جاتا ہے۔ علم امیر جیش کی جگہ کی نشانی ہوتی ہے اور جدھر کو وہ جائے اس کا علم بھی اسی کے ساتھ حرکت میں رہتا ہے۔ رہا رایہ تو وہ صاحبِ حرب کے پاس ہوتا ہے اور تمام عربوں کے یہاں جنگوں میں لواء کو ساتھ رکھنے کا دستور تھا۔ ان کی یہ عادت بھی تھی کہ نیزوں کی نوکوں پہ رایات رکھا کرتے تھے۔

چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت لائے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ!

جُعِلَ رِزْ قِیْ تَحْتَ ظِل رُمْحِی وَجُعَلَ الذِلّہ والصَّغا رُ عَلَی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ۔"

ترجمہ؛

کہ میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھا گیا ھے تو جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اس پر ذلت اور رسوائی لکھ دی جائے گی۔

(امام بخاری)

×××××××

شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں تلوار اور دیگر آلاتِ حرب کا ذکر کرنے کی بجائے صرف نیزے کے ذکر پہ اکتفاء کرنے میں جو حکمت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ نیزے کا سایہ زیادہ لمبا ہوتا ہے لہٰذا رزق کو نیزے کی طرف منسوب کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ اگرچہ امام بخاری ہی نے اپنی صحیح میں نبی اکرم ﷺ کی وہ روایت بھی درج کی ہے جس میں تلوار کے سائے کا ذکر کیا گیا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلجَنّہ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُو فِ

"کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ھے"

×××××××

جہاں آپ ﷺ نے رزق کو نیزے کے سائے کی طرف منسوب کیا تو اس سے مراد رایہ ہے اور جہاں آپ ﷺ نے جنت کو تلوار کے سائے کی طرف منسوب کیا تو اس سے مراد شہادت ہے کہ شہادت بالعموم تلوار سے واقع ہوتی ہے۔ نیز اس لیے کہ لڑنے والے کے ہاتھ کی حرکت کی کثرت کی وجہ سے تلوار کا سایہ بکثرت ظاہر ہوتا ہے اس لیے بھی کہ تلوار کا سایہ تو ظاہر ہی اس وقت ہوتا ہے جب انسان جہاد میں مشغول ہو کیونکہ اس سے قبل تو تلوار میان کی عافیت میں ہوتی ہے۔ پہلی حدیث میں نیزے کی جو فضیلت بیان کی

گئی ہے اس کی تشریح میں کئی علماء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اس سے مراد امت کے لیے مال غنیمت کا حلال ہونا ہے۔ایک اور استدلال جو اس حدیث سے علمائے حدیث نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کی نسبت خود نبی کریم ﷺ کی طرف بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رزق صرف اسی میں رکھا ہے کسی اور پیشے میں نہیں رکھا اسی لیے بعض علماء نے جہاد کی کمائی یعنی مال غنیمت کو افضل ترین کمائی بھی قرار دیا ہے۔پہلی حدیث میں جو لفظ صغار آیا ہے اہل لغت نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ اس سے مراد جزیہ ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تحت ظل رُمحی تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا سایہ تو ابدالآباد تک پھیلا رہے گا یعنی دین اسلام کے غلبے کی خاطر مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ جہاد وقتال میں مشغول رہے گا اس لیے تلواروں اور نیزوں کا سایہ (یعنی آلات حرب) تو ہمیشہ قائم رہے گا۔تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب مسلمان امت نے ہتھیاروں میں بالا دستی حاصل کرنے میں کوتاہی کی ہے تب سے ذلت اس کا مقدر بنی ہوئی ہے۔

اللہ ہم پہ رحم فرمائے

اشاریہ

*1

علامہ جوہری کا اصل نام ابونصر اسماعیل بن حماد الترکی ہے۔اللغوی ائمہ زبان میں سے تھے انہوں نے اپنی زندگی میں علم کے حصول کی خاطر بہت سفر کیا آخر نیشاپور میں سکونت اختیار کر لی' "صحاح اللغۃ" اِن کی مشہور تصنیف ہے ۳۹۳ھ میں وفات پائی،مگر شذرات میں اِن کی تاریخ وفات ۳۹۷ھ لکھی ہوئی ہے۔

*2

قاموس ؛مجدالدین فیروزآبادی کی مشہور تصنیف ہے۔

انہوں نے ۸۱۷ھ میں وفات پائی۔

*3

اُن کا پورا نام ’’ابو العباس احمد القلقشندی‘‘ تھا

اُن کی کئی تصنیفات نے شہرت حاصل کی جن میں ایک کا نام

’’نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب‘‘ ھے

یہ کتاب ۸۲۱ھ کی تصنیف ہے۔

*4

امام تیمیہ کا پورا نام اس طرح ہے۔شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالعلیم۔ان کی بہت سی تصنیفات ہیں

امام ابن تیمیہ نے ۷۲۸ھ میں وفات پائی

*5

امام سیبویہ کا اصلی نام عمرو بن عثمان ہے

عربی صرف ونحو کے امام اور خلیل بن احمد کے شاگرد تھے

۱۶۱ھ یا ۱۹۴ھ میں سے کسی ایک سنہ کو وفات پائی۔

شذرات (جلد اول ؛ ۲۴۸)

*6

علامہ ابن خلدون کا اصل نام ولی الدین ابو زید عبدالرحمان بن محمد المالکی ہے۔سلطان تیمور کے ساتھ رہے۔سلطان تیمور اُن کے علم سے متاثر تھا۔علامہ ابن خلدون کا مقدمہ اور تاریخ اسلام ان کی مقبولیت کا سبب ہے۔انہوں نے 76 سال کی عمر

پائی۔

(پیدائش ۲ ۳۷ ھ وفات ۸۰۸ ھ)

*7

ابن خالویہ کا پورا نام یہ ہے۔ الاستاذ ابو عبداللہ الحسین بن احمد الھمذانی النحوی اللغوی

وہ کچھ عرصہ بغداد میں رہے پھر حلب چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

حلب ہی میں ۳۷۰ ھ میں وفات پائی۔

*8

عسقلانی کا پورا نام **شیخ الا اسلام امیر المومنین فی الحدیث ، حافظ العصر شھاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن المعروف بابن حجر** ہے۔ آل حجر ایک قوم ہے جو قابس کی زمین میں بلادِ الجرید کے آخری حصے میں آباد تھی اِن کی نسبت اسی سے ہے۔ امام بخاری کی صحیح پہ اِن کی شرح کا نام فتح الباری ہے جو تیرہ جلدوں میں مصر شائع ہوئی ۔امام ابن حجر عسقلانی ۷۷۳ ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۵۲ ھ میں وفات پائی۔

*9

حکم بن عنیتہ۔ اگرچہ اصل کتاب میں بھی اُن کا نام یہی لکھا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا نام غلط درج کیا گیا ہے اس لیے کہ اُن کا اصل نام" **حَکَم بن عُتَیْبَہ** "ہے۔ کوفہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ انہوں نے ابو جحیفہ عبدالرحمان بن ابی لیلی اور کئی ایک لوگوں سے روایت کی ہے۔ اُن سے منصور، اعمش اور ابو عوانہ وغیرہ نے حدیث پاک بیان کی ہے، عجلی نے اِن کے متعلق کہا کہ وہ ثقہ اور ثبت راویوں میں سے تھے۔ صاحبِ سنت تھے ۶۵ سال کی

عمر میں ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔

(ابو الفجاج مزی ۔ تہذیب الکمال ؛ ص ٧٦)

*10

ابن عباس سے یہاں عبداللہ بن عباس مراد ہیں جو عم رسول اللہ ﷺ ہیں دین کے بہت بڑے عالم تھے۔لوگ اِن کو اولین مفسر قرآن بھی کہتے ہیں،اُن کا لقب حبر امت تھا۔دین پر پختہ ایمان رکھنے والے مسلمان تھے،انہوں نے شریعت کے بہت سے معاملات پہ اپنی رائے دی ہے۔انہوں نے ٦٨ ھ میں وفات پائی

(ابو الفجاج المزی ۔ تہذیب الکمال ؛ ص ٢٨٨)

*11

امام کلبی کا پورا نام "**محمد بن صائب الکلبی الکوفی**" ہے۔انہوں نے ابوصالح باذام سے حدیث روایت کی ہے۔جبکہ باذام سے ابن مبارک وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔تاہم اِن کی بات کو صرف تفسیر میں پسند کیا گیا ہے۔انہوں نے ١٤٦ ھ میں وفات پائی۔

(تہذیب الکمال ؛ ص ٢٨٨)

*12

امام ثعلبی کا نام بھی غلط لکھا گیا ہے اُنکو ثعالبی کہا جاتا تھا۔اُن کا پورا نام اِسطرح ہے **ابو اسحٰق حمد بن محمد بن ابراهیم الثعالبی نیشاپوری المفسر** ہے،حافظ

وعظ اور تفسیر کے استاد تھے۔ابن خلقان نے انہیں تفسیر میں یکتائے روزگار کہا ہے۔انہوں نے تفسیر کبیر لکھی تھی اِن کی ایک اور تصنیف کتاب العرائس فی قصص الانبیاء ہے انہوں نے مزید لکھا ہے کہ ثعلبی یا ثعالبی ان کا لقب ہے نا کہ نسبت۔یادرہے کہ اسی زمانے میں ایک اور ثعالبی بھی ہوئے ہیں جن کا نام ابومنصور عبدالملک بن محمد بن نیشاپوری الثعالبی تھا یہ ادیب اور شاعر تھے یتیمہ الدھر اور فقہ اللغۃ اِن کی مشہور تصانیف ہیں۔اولالذکر ثعالبی نے ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔

*13

اُن کا پورا نام ”رفیع بن مہران الریاحی ابو لعالیۃ البصر ی“ ہے

امام اور مخضرم تھے انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ کے پیچھے نماز پڑھی تھی بیان کیا گیا ہے کہ ماوراء النہر میں سب سے پہلے اذان انہوں نے ہی دی تھی۔

انہوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

*14

مجاہد کا پورا نام مجاھد بن جبر المکی ہے۔

حضرت ابن عباس بن عبداللہ عم رسول ﷺ کے خاص شاگرد اور قرآن کے بڑے مفسر تھے۔

اسی سال سے زائد عمر پائی اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی

*15

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ اشعار ”افوہ اَودی“ کے ہیں

بلوغ الارب (جلد سوم ؛ ص ۹۷)

علامہ محمود شکری آلوسی

*16

اُن کا پورا نام یہ ہے۔

"ابو القاسم عبدالرحمان السعدی الاندلسی" انھوں نے " مساوی الخمرة "نامی کتاب لکھی جس میں اُن لوگوں کے احوال لکھے جو خود کو شراب سے دور رکھتے تھے۔

ابوالقاسم نے ۵۵۵ھ میں مصر میں وفات پائی۔

*17

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں عربوں کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلدسوم : ص ۲۴۸)

*18

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں عامر بن ظرب العدوانی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلدسوم : ص ۲۵۱)

*19

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں قیس بن عاصم التیمی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلد سوم : ص ۲۵۳)

♦♦

*20

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں صفوان بن امیہ بن حرب الکنانی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلد سوم : ص ۲۵۵)

♦♦

*21

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں کسی عرب کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلد سوم : ص ۲۵۷)

♦♦

*22

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں بنو طے کے شاعر سوید بن عدی عرب کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب(جلدسوم : ص ۲۵۹)

*23

شراب خوری سے اجتناب کے ضمن میں یہ اشعار بھی قیس بن عاصم التیمی کے ہیں، اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب(جلدسوم : ص ۲۵۳)

*24

عہد جاہلیت میں عربوں کے مسکن تحریر کرتے ہوئے سیرت ابن ہشام میرے پیش نظر رہی عربوں کے جداعلیٰ اور قبیلہ قریش کے ابتدائی حالات اور مورث اعلیٰ کے متعلق بھی ابن ہشام سے راہنمائی لی۔

سیرت ابن ہشام ازابن ہشام (جلداول)

*25

شظاظ اس زمانے میں عربوں کا ایک مشہور راہزن تھا جو مالک بن زیب کے ساتھ مل کر ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷۲)

*26

ابن اثیر جذری کا اصل نام عزالدین ابن الاثیر الجزری تھا وہ مشہور محدث اور مورخ تھے تاریخ الکامل، اسد الغابہ اور اللباب ان کی مشہور تالیفات ہیں ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷۵)

*27

یوسف بن عمر الثقفی عربوں کے سردار تھے انہوں نے اسلام کی خاطر بہت سی جنگوں میں حصہ لیا پھر ۱۲۷ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا اِن کے قتل کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷٦)

*28

عیاض بن غنم اشعری کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے شام میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ عیاض بن غنم نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷٦)

*29

حضرت خالد بن ولیدؓ کو کون نہیں جانتا۔ اسلام کے بہت بڑے جرنیل اور فاتح تھے۔ نبی اکرام

ﷺ نے انہیں سیف اللہ کا لقب عطا کیا تھا اس لیے سو سے زائد جنگوں میں فتح نے اِن کے قدم چومے۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۶۱ھ میں وفات پائی۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷۶)

♦♦♦

30*

معجم البلدان یاقوت حموی کی کتاب ہے جو بہت مقبول ہے پہلی بار یہ کتاب مصر سے اٹھارویں صدی میں طبع ہوئی۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول)

♦♦♦

31*

اہل عرب کے قدیم شہروں کے تذکرے میں کسی نامعلوم عرب شاعر کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۴۷۱)

♦♦♦

32*

بدوی عربوں کے خصائص مقدمہ ابن خلدون سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون)

♦♦♦

*33

سعدیہ بنت مجدل کے بادیہ کے فراق میں کہے گئے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 654)

*34

قبیلہ ضبئی کی شاعرہ حسانہ کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 656)

*35

وادئ نجد کے ایک اور شاعر زیاد بن حمل بن سعد کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 657)

*36

بنی قریظہ کے سیاہ فام حبشی غلام کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 662)

*37

صدقہ بن نافع عقیلی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 664)

*38

اسلام آجانے کے باوجود اہل عرب کی بادیہ نشینی کی محبت ختم نہ ہوئی۔ یہ اشعار ایک اموی سردار کے ہیں۔ بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 668)

*39

ایک عرب سردار حربیہ بن الاشیم اپنے بیٹوں کو بلیہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 294)

*40

بلیہ کی رسم کے بارے میں یہ اشعار زید بن عمرو کے ہیں ہم نے انھیں بلوغ الارب سے نقل کیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 300)

♦♦

*41

ہامہ کی عجیب وغریب رسم بلیہ کے بارے میں توجہ بن حمیر کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے درج کیئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 304)

♦♦

*42

تعشیر کی عجیب وغریب رسم کے بارے میں عروہ بن الورود کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کیئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 312)

♦♦

*43

اہل عرب عجیب وغریب رسم ورواج کے حامل تھے جن میں سے ایک رتم تھی۔رتم کی مذمت میں ایک عرب شاعر کے کچھ اشعار پیش ہیں جو بلوغ الارب سے تحریر کیئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 315)

♦♦

*44

اہل عرب کے توہمات عجیب وغریب تھے۔اُن کی رسمیں انوکھی تھیں اُن کی عورتوں کے خیال تھا کہ اگر وہ کسی مقتول کی لاش کے پاس سے گذریں گی تو اُن کی اولاد زندہ رہے گی۔اس رسم کے بارے میں کسی عرب شاعر کے کچھ اشعار تحریر کئے گئے ہیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 317)

♦♦

*45

کوے کے متعلق عرب بڑے حساس تھے اُن کا خیال تھا کہ کوا سب سے منحوس پرندہ ہے۔اُن کے شعرا نے بھی اس بات کے قائل تھے درج کئے گئے اشعار ہمارے موقف کی تائید کرتے ہیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 351)

♦♦

*46

اہل عرب کی جاہلی رسموں کے تسلسل میں کسی عرب شاعر کے یہ اشعار بھی بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 286)

♦♦

*47

اہل عرب کے توہمات کے ضمن میں یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 289)

*48

نسئی کے ضمن میں یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 414)

*49

حضرت ابن لبید کے نوحہ کے بارے میں یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 318)

*50

نوحہ کے ضمن میں ایک عرب شاعر ہذلی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 319)

*51

بنو ربیعہ کے سردار قلیب بن وائل کے قتل پہ ابن لبید نے مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار بلوغ

الارب سے تحریر کئے گئے۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 505)

*52
صعصہ بن ناجیہ کی شان میں یہ قصیدہ عربوں کے مشہور شاعر فرزدق نے کہا تھا ہم نے اس قصیدے سے کچھ اشعار کا انتخاب بلوغ الارب سے کیا۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 530)

*53
جوئے کے بارے میں کسی عرب شاعر کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے درج کئے۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 542)۔

*54
امراؤالقیس نے جوئے کے بارے میں بہت سے اشعار کہے ہم نے محض انتخاب پہ اکتفاء کیا ہے۔انتخاب بلوغ الارب سے کیا گیا۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 555)

*55

جوئے کے تیروں کے نام بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 556)

♦♦

*56

عربوں نے جوئے کے تیروں کو نظم کیا اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 558)

♦♦

*57

عرب غیروں میں شادی کو ترجیح دیتے تھے اُن کی اس عادت کے متعلق بلوغ الارب سے کچھ اشعار تحریر کئے جاتے ہیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلددوم ۔ ص 273)

♦♦

*58

ہذلی کے اِن اشعار میں بھی جاہلیت کی اسی رسم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غیروں میں شادی کرنا پسند کرتے تھے جس سے انھیں عمدہ اولاد حاصل ہو۔ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے ہیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد دوم ۔ ص 279)

*59

عربوں کے نکاح کے ضمن میں عمرو بن معدیکرب کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد دوم ۔ ص 351)

*60

اپنی بیوی کی جدائی میں اعشی نے جو اشعار کہے انھیں ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد دوم۔ ص 365)

*61

حضرت عبدالمطلب کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول۔ ص 177)

*62

اہل عرب کی جاہلی رسموں کے ضمن میں بشر بن ابی حازم کے یہ اشعار بلوغ الارب سے درج کئے گئے۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 469)

*63
حرم بن سنان کی مدح میں زہیر کے قصیدے سے اِن اشعار کا انتخاب بلوغ الارب سے کیا گیا ہے۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 471)

*64
عرب کی معروف شاعرہ حنساء نے اپنی قوم کی مدح میں یہ اشعار کہے تھے جنھیں ہم نے بلوغ الارب سے نقل کیا۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 272)

*65
ثار یعنی انتقام پہ ابھانے کے متعلق ہذلی کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کئے۔
علامہ محمود شکری آلوسی۔
بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 482)

*66

قراد بن اخنش کے قصیدے سے انتخاب بلوغ الارب سے درج کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 489)

*67

امراؤالقیس بن حجر الکندی نے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے بعد جو قصیدہ کہا اس سے انتخاب بلوغ الارب سے درج کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد سوم ۔ ص 493)

*68

یہ تمام اشعار علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب جلد اول سے درج کئے گئے ہیں

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد اول ص 413)

*69

یہ اشعار خداش بن زہیر کے ہیں۔ بلوغ الارب جلد اول سے درج کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلداول ص 119)

♦♦♦

*70

یہ اشعار الروض الانف سے درج کئے گئے۔

علامہ عبد الرحمٰن سہیلی

الروض الانف (جلد ششم ص 269)

♦♦♦

*71

علامہ عبد الرحمٰن سہیلی نے الروض الانف میں ان اشعار کا ذکر کیا ہے

علامہ عبد الرحمٰن سہیلی۔ الروض الانف

♦♦♦

*72

اشعار ابن قتیبہ کی کتاب ادیان عرب سے تحریر کیے گئے۔

ادیانِ عرب (ابن قتیبہ)

♦♦♦

*73

سیرت ابن ہشام (از ابن ہشام جلد اول)

♦♦♦

*74

سیرت ابن ہشام(از ابن ہشام جلد اول)

*75

شرح سیرت ابن اسحاقؒ سیرت ابن ہشام سے

(جلد اول ص ؛ ۳۴)

*76

شرح سیرت ابن اسحاقؒ سیرت ابن ہشام سے

(جلد اول ص ؛ ۳۴)

*77

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ طبری (جلد اول ص؛ ۱۴۲)

*78

اِن آیات کا ترجمہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مشہور زمانہ تفسیر تفہیم القرآن سے درج کیا گیا

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (تفہیم القرآن ؛ جلد چہارم)

*79

یہ حدیث علامہ محمد بن سعد کی مشہور عالم کتاب ''طبقات ابن سعد'' سے درج کی گئی ہے

محمد بن سعد (طبقات ابن سعد جلد اول ص؛ ۵۵)

♦♦♦

80*سیرت ابن ہشام

از ابن ہشام (سیرت ابن ہشام جلد اول ص؛ ۳۴)

♦♦♦

*81

عربوں کے مشہور شاعر اعشیٰ کے یہ اشعار جو اس نے سد مارب کی یاد میں قوم سبا کے مرثیہ کے طور پہ کہے تھے انہیں سیرت ابن ہشام سے درج کیا گیا ہے

سیرت ابن ہشام

از ابن ہشام (سیرت ابن ہشام جلد اول ص؛ ۳۴)

♦♦♦

*82

ان اشعار کا انتخاب سیرت ابن ہشام سے کیا گیا ہے۔

سیرت ہشام بن ابن ہشام

(جلد اول ص؛ ۳۵)

♦♦♦

*83

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب

(جلد اول ؛ ص ۱۵)

*84

ثیب وہ عورت ہے جو بیوہ یا متعلقہ ہو اس لیے جب دوبارہ اس کا نکاح کیا جائے گا تو وہ زبان سے اس کا اقرار کرے گی جبکہ باقرہ لڑکی کا خاموش رہنا یا ذرا سا سر ہلانا بھی اس کا اقرار تصور کیا جائے گا

علامہ محمود شکری آلوسی بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۱۷)

*85

علامہ ابن جریر طبری

تاریخ الامم والموک جلد اول ص ؛ ۸۶

*86

ترجمہ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی مشہورِ زمانہ تفسیر تفہیم القرآن سے پیش کیا گیا۔

*87

تمام روایات علامہ ابن جریر طبری کی ”تاریخ الامم والملوک“ سے درج کی گئیں

علامہ ابن جریر طبری۔

تاریخ الامم والملوك جلد اول ص ۸۵

*88

مکہ کے یہ نام امام ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی علیہ رحمۃ کی کتاب الروض الانف سے درج کئے گئے ہیں جو دراصل سیرت ابن ہشام کی شرح ہے

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی علیہ رحمۃ

الاروض الانف جلد اول

*89

یہ اشعار

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہورزمانہ کتاب " الروض الانف" سے درج کئے گئے

الروض الانف (جلد اول ص ؛ ۲۶۵_۲۶۶)

*90

مورخ سے یہاں مراد

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

الروض الانف (جلد اول ص ؛ ۲۶۸_۲۶۶)

*91

یہ اشعار

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہورزمانہ کتاب " الروض الانف" سے درج کئے گئے

الروض الانف (جلد اول ص ؛ ۲۷۱)

*92

حجاز کے شہر طائف کی تاریخ اور حالات بیان کرتے ہوئے علامہ محمود شکری آلوسی کی کتاب بلوغ الارب میرے پیش نظر رہی۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلداول ۔ ص 419)

*93

وادئ خیبر کے بارے میں عرب شاعر خارجہ بن ضرار المری کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلداول ۔ ص 421)

*94

عربوں کے شہر تدمور کے بارے میں معروف عرب شاعر نابغہ ذبیانی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلداول ۔ ص 426)

*95

سموال بن عادیا کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 426)

*96

اہل مدائن کے بارے میں کسی عرب شاعر کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 441)

*97

دومۃ الجندل کے بارے میں زبیر بن کلبی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔ بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 449)

*98

نجد کے بارے میں کسی عرب کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 212)

*99

اہل عرب کے قلعوں، محلات اور عمارات کی یہ تفصیلات علامہ محمود شکری آلوسی کی کتاب بلوغ الارب سے تحریر کی گئیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 450)

*100

بنی عبد مناف کی مدح میں کسی عرب کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 317)

*101

لوہار کو اہل عرب قیون کہا کرتے تھے

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 392)

*102

معجم البلدان میں ان اشعار کو ضرار بن الازور کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور وہاں سے کچھ اشعار بھی درج کئے ہیں۔

*103

اشعار بلوغ الارب جلد دوم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 404)

ماخذ و مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکوٰۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی ***** امام ترمذیؒ

تاریخ ابن خلدون ***** علامہ ابن خلدونؒ

تاریخ الامم والملوک ***** امام ابن جریر طبریؒ

تاریخ اسلام ***** اکبر شاہ نجیب آبادیؒ

تاریخ اسلام ***** معین الدین شاہ ندویؒ

انسان کامل ***** محمد منیر قریشیؒ

مسلمان امتیں ***** ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سیرت ابن ہشام ***** ابن ہشامؒ

نقوش (رسول نمبر) ***** ادارہ

مجموعہ مضامین ***** پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
ضیا القرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خطبات	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سیرت سرور کونین ﷺ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
پردہ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصورات	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زر بار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبدربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ	*****	محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ
کائنات اور انسان	*****	علی عباس جلالپوریؒ
حجۃ البالغہ	*****	شاہ ولی اللہ دہلویؒ
تمدن ہند	*****	علی بلگرامیؒ
سیرت عائشہؓ	*****	سیّد سلمان ندویؒ
تحقیق ماللہند	*****	علامہ البیرونیؒ
کرم کی برسات	*****	ڈاکٹر محمد خالد عاربی
ابوسفیانؓ	*****	الطاف حسن گیلانی
تاریخ اسلام	*****	شیخ محمد رفیق
تاریخ مدینہ	*****	محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسید احمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹر حسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبدالملکؒ
العرب قبل از اسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسید احمد خانؒ

عہدنامہ قدیم

عہدنامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغتہ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابت ؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاض ؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعد ؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبی ؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلوی ؒ
جمع الوسائل	*****	ملا علی قاری ؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانی ؒ
جواہر البحار	*****	امام بیہقی ؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکر ؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقی ؒ

المعجم الصغیر	*****	امام طبرانیؒ
فتح الباری	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
اخبار مکہ	*****	امام فاکہیؒ
الکفایہ فی العلم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
التمہید	*****	ابن عبدالبرؒ
الثقات	*****	ابن حبانؒ
سبل الہدیٰ والرشاد	*****	امام صالحیؒ
المنصف	*****	ابن ابی شیبہؒ
شرح مسلم	*****	امام نوویؒ
شمائل الرسول	*****	امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحادولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابوعوانہؒ
مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار	*****	پروفیسر ارشد جاوید
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
قرآن اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہؒ
رسول عربیؐ اور عصر جدید	*****	سیّد محمد اسماعیلؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشید احمد ندیم
میزان	*****	جاوید احمد غامدی
شرح الشفا	*****	ملا علی قاریؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیار بکریؒ
الایمان	*****	ابن مندہؒ

السنن	*****	ابن ماجہ ؒ
ترکۃ النبیؐ	*****	ابو اسماعیل بغدادیؒ
الرسولؐ	*****	عبدالحلیم محمود ؒ
روح المعانی	*****	علامہ محمود شکری آلوسی ؒ
قیامت اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
الدیباج	*****	امام سیوطی ؒ
مکارم اخلاق	*****	ابن ابی الدنیاؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام بیہقی ؒ
الخصائص الکبریٰ	*****	امام سیوطی ؒ
المسند	*****	امام احمد بن حنبل ؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	مناویؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران	*****	ابن جریر طبریؒ
مشکواۃ المصابیح	*****	الخطیبؒ
الجوامع السیاسیہ	*****	امام ابن تیمیہؒ
بیان العلم وفضلی	*****	ابن عبدالبرؒ
تاریخ السلامی السیاسی	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
النظم الاسلامیہ	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
کتاب الخراج	*****	الامام ابو یوسفؒ
تحفۃ الاشراف	*****	المزیؒ
حسن المحاضرۃ	*****	امام سیوطیؒ
مقائس اللغۃ	*****	ابن فارسؒ

اعلام الموقین ***** ابن قیمؒ

سنن الدارمی ***** الدارمیؒ

الزھد ***** امام احمد بن حنبلؒ

تفسیر ابن کثیر ***** از ابن کثیرؒ

تاریخ الکامل ***** ابن اثیرؒ

فتوح البلدان ***** امام بلازریؒ

المذاہب الاربعہ ***** عبدالرحمانؒ

کتاب النوبیہ ***** ابن ہشامؒ

عیون الاخبار ***** ابن قتیبہؒ

شذرات الذہب ***** ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفا الوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشید ؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادی ؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاج ؒ
الکشاف	*****	زمخشری ؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمی ؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانی ؒ
تفسیر در منشور	*****	امام جلال الدین سیوطی ؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہ ؒ
المراسیل	*****	سجستانی ؒ
غریب الحدیث	*****	خطابی ؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفۃ التشریح فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المہشرہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

انساب الاشراف	*****	امام بلاذریؒ
ہدیۃ العارفین	*****	اسماعیل باشاؒ
مناہل الصفاء	*****	امام سیوطیؒ
مقاصد الحسنہ	*****	امام سخاویؒ
المنصف	*****	عبدالرزاقؒ
جامع الصغیر للمنادی	*****	امام سیوطیؒ
مفاتیح الغیب	*****	امام رازیؒ
مسند احمد	*****	امام احمدؒ
الشعر والشعرا	*****	ابن قتیبہؒ
العبقریات الاسلامیہ	*****	العقاد عباس محمودؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن ***** محمد بن احمد قرطبیؒ

مسلم نشاۃ ثانیہ ***** ڈاکٹر محمد امین

مسلمان اور سائنس کی تحقیق ***** حبیب احمد صدیقیؒ

نامور مسلمان سائنس دان ***** حمید عسکریؒ

نظام الحکومت نبویہ ***** شیخ عبدالحیؒ

الاسلام والحضاوۃ العربیہ ***** کرد علیؒ

سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج ***** حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ

فیض الباری ***** محمد انور شاہؒ

سو مسلم سائنس دان ***** رفیق انجمؒ

شاندار سائنسی کارنامے ***** زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعید ؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھی ؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاری ؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزاد ؒ
رسول عربی ﷺ	*****	مولانا ابوالکلام آزاد ؒ
رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہ ؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہید ؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برق ؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمی ؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحی ؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبدالواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبد الرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین	*****	طالب ہاشمیؒ
ارشادات دانائے کونین	*****	طالب ہاشمیؒ
منصب امامت	*****	طالب ہاشمیؒ
اخلاق پیغمبری	*****	طالب ہاشمیؒ
معارف الحدیث	*****	محمد منظور نعمانیؒ
فصاحت نبوی	*****	ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ
رہبر کامل	*****	مولانا عبدالمجید خادمؒ
اسوہ رسول اکرمؐ	*****	ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ
اخلاق نبوی	*****	سیّد محمد اسحاقؒ
نبی رحمت	*****	سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسول اللہؐ ***** شیخ محمد رضا مصریؒ

محمد رسول اللہ ﷺ ***** توفیق الحکمؒ

پیغمبر انقلاب ***** مولانا وحیدالدین خانؒ

عبقریت محمدؐ ***** عباس محمود العقادؒ

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی ***** ڈاکٹر نور محمد غفاریؒ

خاندان نبوت ***** محمد ادریسؒ

معرکہ اسلام اور جاہلیت ***** صدرالدین اصلاحیؒ

مغازی رسولؐ ***** حضرت عروہ بن زبیرؓ

تاریخ مکہ ***** منظور احمد شاہؒ

منصب نبوت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

شمائل کبری ***** عبدالحکیم خانؒ

سیرۃ اکبریٰ ***** مولانا ابوالقاسمؒ

راہ عمل ***** مولانا جلیل احسنؒ

زادراہ ***** مولانا جلیل احسنؒ

وفود عرب ***** طالب ہاشمیؒ

سیرت سیّدہ فاطمہؓ ***** طالب ہاشمی

معارف القرآن ***** مفتی محمد شفیعؒ

ترجمہ قرآن ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

البستان ***** واثق باللہ

کتاب السماء ولغات ***** امام نووی

محمد رسول اللہؐ	*****	محمد صادق ابراہیمؒ
رسول مبینؐ	*****	محمد احسان الحق سلیمانیؒ
سیرت محمدیؐ	*****	سرسید احمد خانؒ
سیرت سرورِ کونینؒ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

Westren Authors.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.